

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

شش  
معنی حسن مشاه

(زباول)

ترجمہ

سجاد حسین انجم کسمندوی

مترجمہ

عشرت رحمانی

○

مجلس ترقی ادب ○ لاہور



جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : دسمبر ، ۱۹۶۳ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : مید امتیاز علی تاج ، ستارہ امتیاز

ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : ادارہ عالیہ ، لاہور

مسہتم : ظفر الحسن رضوی

سر ورق : زرین آرٹ پریس ، لاہور

قیمت : چار روپے





صنماغ مکین و مکان و فضل خلاق زمین زمان

اردو کا کلاسیکی ادب

نشد

ترجمہ

سجاد حسین انجم گمنڈوی

ناشر

مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگہ داس گارڈن لاہور  
کلب روڈ



تعارف

از

عشرت رحمانی





## تعارف

ناول "نشتر" کا پلاٹ سچے واقعات پر مبنی ہے جو ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۴-۸۵ء کے دوران میں خود صاحب تصنیف پر گزرے اور اس نے اپنی زبان (اس عہد کی سادہ مروجہ فارسی) میں آپ بیتی کے طور پر اس واقعے کے تقریباً چھ سال بعد قلم بند کیے۔ اصل کتاب طبع نہ ہو سکی مگر اس کا ایک قلمی نسخہ منشی سجاد حسین کسمندوی مرحوم کو ۱۸۹۴ء میں دستیاب ہوا اور انہوں نے سلیس اور عام فہم اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا۔

مصنف (ھیرو) سید محمد حسن شاہ کا سلسلہ نسب حضرت سید عبداللہ سے ملتا ہے جن کا سلسلہ گیارہ واسطوں سے حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ سید محمد حسن شاہ کے جد بزرگوار سر زمین عرب سے کابل آئے۔ کچھ مدت بعد برصغیر پاکستان و ہند میں وارد ہوئے اور لاہور میں مقیم ہو کر اطراف لاہور اور سرہند میں تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

حسن شاہ کے دادا لاہور سے شاہجہان پور گئے اور یو۔ پی کے مختلف علاقوں میں انگریزی فوج میں میر منشی کی حیثیت سے رہے۔ مصنف کے والد سید عرب شاہ آنولہ بریلی چلے گئے، وہاں



(ب)

شادی کی اور یہیں ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰-۱۷۷۱ع میں سید حسن شاہ کی ولادت ہوئی۔

حسن شاہ کے نانا مسٹر منگ ممبر کونسل کمپ کانپور کی سرکار میں منشی گری کے عہدے پر مامور تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اردو اور فارسی بھی پڑھاتے تھے۔ مسٹر منگ کو اپنے خانگی کاروبار اور حساب کتاب کے اہتمام و انصرام کے لیے کسی ذمہ دار شخص کی ضرورت ہوئی تو اپنے نانا کی سفارش پر حسن شاہ منگ صاحب کے وابستگان دولت میں شامل ہو گئے۔ یہ ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۴-۱۷۸۵ء یا اس کے لگ بھگ کا واقعہ ہے۔

اسی زمانے میں کمپ کا بخشی خود مصنف کے الفاظ میں ”کن صاحب نام ایک نہایت عیاش مزاج آدمی تھا۔ چنانچہ دو طائفے کشمیری اس کی سرکار میں ملازم تھے۔“ اتفاق سے حسن شاہ کا ان کشمیری طائفوں کے ہاں آنا جانا شروع ہو گیا اور وہیں ان کی ملاقات ایک کم سن خوب رو نازنین سے ہو گئی جس کا نام وہ خانم بتاتے ہیں۔ یہیں سے ان کی داستان محبت شروع ہوتی ہے۔

عاشقی میں جو مقامات راز و نیاز آتے ہیں حسن شاہ صاحب ان سب سے گزرتے ہیں اور آخر کار خفیہ خفیہ خانم سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ یہ طائفہ الہ آباد چلا جاتا ہے اور سوئے اتفاق سے حسن شاہ صاحب کی ملاقات پھر خانم سے نہیں ہو سکتی۔ خانم یہ سمجھتی ہے کہ حسن شاہ معاملات عاشقی میں اناڑی ہے اور منگ صاحب کے کاروبار میں اتنا مصروف ہے کہ اس کے ملنے کے لیے بھی نہیں آسکا۔ آخر کار وہ اسی غم میں گھل گھل کر مر جاتی ہے۔ حسن شاہ کو لکھنؤ پہنچ کر تمام واقعات کا علم ہوتا ہے کیونکہ وہیں خانم



(ج)

نے وفات پائی تھی -

اس قصے کا زمانہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر کا ہے جب بزم تیموری کی آخری شمعیں جھلملا رہی تھیں - ملک بہ ظاہر کئی فتنہ پردازیوں کے سبب خانہ جنگیوں سے دو چار تھا - انگریز جو پہلے تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے ، حکومت کے خواب دیکھتے دیکھتے حاکمانہ اقتدار جانے لگے تھے - برطانوی افواج ملک کے مختلف علاقوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں - ان میں دیسی سپاہی بھی بھرتی کیے جانے لگے تھے مگر چھوٹے بڑے سب افسر انگریز تھے -

انگریز حکمرانوں اور افسروں نے مصلحت وقت کے ماتحت پہلے تو ضروری سمجھا کہ مشرقیت اور زمانے کے انداز اختیار کریں ؛ چنانچہ ہندوستانی لباس اور طرز معاشرت اختیار کرنے کے علاوہ انہوں نے اس وقت کی زبان فارسی اور اردو بھی سیکھ لی - ہندوستانی نوابوں اور رئیسوں کی رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہونا اپنے فرائض منصبی میں سمجھا لیکن بعد میں انگلستان کے مدبر اپنے افسروں کے بدلتے ہوئے طور طریق کو اندیشے کی نظروں سے دیکھنے لگے اور حزم و احتیاط کی ہدایات جاری ہونے لگیں اور انہیں انتباہ کیا گیا کہ وہ ہندوستانی سرا کی عیش و نشاط کی محفلوں میں شرکت نہ کریں - ناول کے آخری ابواب سے ان حالات کا سراغ مل جاتا ہے -

اس ناول کی سب سے بڑی خوبی بیان کی سادگی اور صداقت ہے جو نہایت خلوص و دیانت سے آشکار نظر آتی ہے - صاحب داستان نے ”آپ بیتی“ من وعن بیان کر دی ہے اور اس کی شخصیت و کردار کا خلوص جگہ جگہ نمایاں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے



کے بہت سختی سے پابند تھے۔ مولوی عبدالباری فرنگی محلی کے والد ماجد مولانا عبدالوہاب لکھنوی سے بیعت تھی اور مرشد سے والہانہ اور گہری عقیدت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب منشی صاحب موصوف سے ذاتی طور پر واقف تھے اس لیے ان کا بیان صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ صاحب تذکرہ "تاریخ ادب اردو" نے منشی سجاد حسین کسمندوی کے حالات میں تحقیقی دیانت سے کام نہیں لیا اور جو مختصر تفصیلات درج کی ہیں ان میں سے زیادہ تر غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔

منشی صاحب نے ناول کے بعض مقامات پر مصنف کے خلوص و سادگی و سادہ لوحی کا مذاق اڑایا ہے جو اس وجہ سے کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ مصنف اپنی نادانی و نارسائی کا خود اعتراف کرتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی منشی صاحب کتاب کے اثر و تاثیر کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں :-

"میں نے تو اصل قصے کے جگر سوز اثر پر بہت سی میٹھی راتوں کی نیندیں قربان کی ہیں اور مدتوں بے چین رہا ہوں۔"

میرے سامنے اس کتاب کے تین مختلف ایڈیشن تھے۔ ایک ایڈیشن ترجمے کے فوراً بعد شائع ہوا، یعنی ۱۸۹۳ء میں، دوسرا ایڈیشن چند سال بعد آگرے سے چھپا اور تیسرا ایڈیشن برسوں بعد دہلی سے طبع ہوا۔ ہر ایڈیشن میں کتابت و طباعت کی اغلاط کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ خصوصاً اشعار اور فارسی غزلیات میں غلطیوں کی بھر مار ہے، حتیٰ کہ لسان الغیب (حافظ) کے کلام کو جگہ جگہ غلط لکھا گیا اور فاضل مترجم نے بھی صحت کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس ترتیب میں بعد تقابل مناسب تصحیح کر دی گئی ہے۔ کئی مقامات پر سہو کتابت کو بھی درست کیا گیا ہے۔



(ز)

تینوں نسخوں میں مختلف فیہ عبارات صحیح قرار دینے کا اصول یہ بنایا کہ جو زیادہ سلیس و فصیح ہے ، وہی زیادہ صحیح اور اصل متن کے مطابق ہے۔ جدید ترتیب میں متن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ، البتہ ابواب کی نئی تہذیب موزوں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر حواشی اور تاریخی اشارات بھی پیش کر دیے ہیں۔ خصوصاً مترجم کے حواشی کی تصریح مناسب اور ضروری سمجھی ہے جو مطالعے میں سہولتیں مہیا کرے گی اور معلوماتی نوٹ کا کام دے گی ، نیز قارئین کی دلچسپی میں مزید اضافے کا باعث ہوگی۔ غرض یہ نو ترتیب نسخہ بہ حد ممکن زیادہ سے زیادہ صحت و سلاست کا آئینہ دار ہے۔

عشرت رحمانی  
(مرتب)



## نشتر (ناول)

مصنف : سید محمد حسن شاہ

مترجمہ : سجاد حسین انجم کسمنڈوی

مرتبہ : عشرت رحمانی



# بحولہ وقوۃ التماس مترجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آمادہ گشتہ ام مگر امشب نظارہ را  
پیوند میکنم جگر پارہ پارہ را  
لو ہم بھی لہو لگا کے شہیدوں میں ملے جاتے ہیں۔ جس  
رنگ پر آج زمانہ مٹا ہوا ہے، جس دھن میں ہر ایک شخص جو  
کچھ بھی لکھا پڑھا ہو، مست نظر آئے گا، جس سودے کو آج بازار  
میں بہت ارزاں لے سکتے ہیں، جس تماشے میں گو کچھ بھی لطف  
نہ آیا ہو مگر تعریفیں مفت موجود، آج اسی گروہ میں ہم اپنا نام  
بھی لکھائے دیتے ہیں۔

در مخزن جگر گہر چند جمع بود  
دلال گشت دیدہ بداماں فروختم  
یعنی ایک فارسی قصے کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ اس کتاب کے  
تفصیلی حالات کے واسطے ایک تفصیلی دیباچہ درکار تھا مگر نہ  
میں بالفعل لکھ سکتا ہوں اور نہ امید ہے کہ اس کے ملاحظے



کی تکلیف گوارا کی جائے گی۔

در عشق گفتگو بہ خموشی حوالہ ایست

اہل نظر نگہ ز تغافل گرفتہ اند

مختصر یہ ہے کہ اصل کتاب سیدھی سادی فارسی ہندی آمیز زبان میں قلمی میرے پاس موجود ہے۔ سال تصنیف ۱۲۰۵ھ اور تاریخ کتاب ۱۱۷۷ھ ہے۔ شریف مصنف نے اپنے عشق و محبت کا واقعہ نہایت سادہ الفاظ و عبارت میں لکھا ہے، تکلف اور تصنع غالباً بہت ہی کم؛ اور سچا قصہ ہے اس لیے دیکھنے والے واقعی کلیجا تھام لیتے ہیں۔

تواں این نکتہ فہمید از ادائے چشم مشتاقاں

کہ ہستی در تماشا محو شد حسرت نگاہاں را

مصنف کے مذاق اور لیاقت وغیرہ کے متعلق مجھے فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ بارگراں ناظرین کے ذوق سلیم اور امتیاز پر چھوڑا جاتا ہے۔ میں نے تو اصل قصے کے جگر سوز اثر پر اپنی بہت سی راتوں کی میٹھی نیند کو قربان کر دیا ہے اور مدتوں بے چین رہا ہوں۔

بہر رنگے کہ پیش آید سجودے می توواں بردن

جنوں محو ادب ہا حمل از لیلی نمی داند

میرے اکثر دوستوں نے بارہا اس کتاب کے ترجمے پر زور دیا مگر مجھے اپنی لیاقت و استعداد کا اندازہ خوب معلوم تھا۔ اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کا خمیازہ سن چکا تھا، کبھی بھولے سے بھی حامی نہ بھری اور اتنی مشکل ذمہ داری کی جرأت نہ ہوئی۔

خوارم نہ آن چناں کہ دگر مژدہ وصال

باور کنم اگرچہ ہم از آسماں رسد

مگر ذی کمال اور نازک خیال اہل فن کی نظروں کے سامنے



مترجمانہ لباس میں آنا زبردست قلم قدرت نے لکھ دیا تھا اور نکتہ چین نگاہیں مدت سے تھک تھک کر بیٹھ رہی تھیں۔ میں نے کہا لاؤ ایک مشغلہ ان کے لیے مہیا کر دوں۔

عمریست کہ آوازہ منصور کہن شدہ

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

زیادہ مجبوری یہ آن پڑی کہ میرے عزیز دوست منشی

نورالحسن صاحب کاکوروی نے اصرار کو ضد کی حد تک پہنچا دیا

کہ اس کا ترجمہ کرنا چاہیے۔ ناچار میں نے محکم ”آزردن دل دوستان

جہل است و کفارہ یمین سہل“ اس جو کہم کو اپنے سر لیا

اور جادو نگار سحر بیان نثاران وقت کا منہ چڑھانے کو آمادہ ہو گیا۔

نہ ہجرت بر داشتی نقاب ز دیدن بر آمدم

در گفتن آمدی ز شنیدن بر آمدم

یہ افسوس ہے تو یہ ہے کہ جو کام اس وقت میں کرنے پر مستعد

ہوا، کاش اسی کو کچھ برسوں قبل لے کر بیٹھتا، جب دل و

دماغ کسی قدر ٹھکانے تھے اور بعض سامان طبیعت کے ابھرنے کے

زیادہ مہیا تھے۔

دیر آمدی امے نگار سر مست

زودت نہ دہیم دامن از دست

حاشا مجھے زباں دانی اور نثاری کا ذرا بھی دعویٰ نہیں، میری

بے کمالی پر میری گم نامی ایک صاف دلیل ہے، جس سے بھرے

اتنا اطمینان ضرور ہوگا کہ نا پرسانی اور عدم توجہی میرے آڑے

۱۔ اس ترجمے کے وقت مترجم کی عمر شباب کی منزلوں سے گزر چکی

تھی، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ اور عالم شباب کی رنگینیوں اور فراغتوں

کو یاد کیا ہے کہ وہی سامان طبیعت کے ابھرنے کے تھے۔ (مرتب)



آئے گی۔ اور خاک میں ملی ہوئی ہستی کو کسی کا دامن ناز کیوں  
برباد کرنے لگا، یعنی میرا عیب کاہے کو کوئی شمار کرنے  
بیٹھے گا، اور کسی کو کیا پڑی ہے کہ مٹے ہوئے کو اور مٹانے  
پر آمادہ ہو جائے۔

کس عنان گیر نہ شد ورنہ من از بیت حرم  
تا در بت کدہ در سایہ ایمان رفتم  
ہاں طبیعت کا لگاؤ اور دل میں سوز و گداز کسی کا خاص  
حصہ نہیں ہے، اس لیے مجھے انکار نہیں کہ اچھی زبانوں اور  
پہر اثر مذاق سے میرا دل زار بھی موثر ہو جاتا ہے اور اسی  
وجدانی ذوق کے اقتضا سے میں نے مجبور ہو کر یہ مشکل کام اپنے  
ذمے لیا ہے۔ ورنہ آج فسانہ نگاری اور ناول نویسی کی معجز نما  
ترقی، انشا پردازان وقت کی عالی دماغی اور روشن خیالی کی بدولت  
بہت اونچے مقام پر ہے، جہاں تک میرا ادراک ٹھوکر پر ٹھوکر  
کہا کے بھی نہیں پہنچ سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ان کا  
کمال اعلیٰ درجے پر ہے تو میری بے کمالی بھی اپنی شان تنزل  
میں اکیلی نظر آئے گی۔

مارا نشست عمر چنیں خضر را چناں  
در عرصہ حیات برابر فتادہ ایم  
البتہ جن حضرات نے اصل کتاب دیکھی ہے وہ اس ترجمے کو  
بھی ملاحظہ فرمائیں گے تو میری جگر کاوی اور خون نابہ دل  
کی رنگ آمیزیوں کی داد دیتے ہی بن پڑے گی۔  
نازم بتازہ روی افسردہ خاطران  
سرسبزی بہار چناں از خزان ما



آمید' کہ بلند نگاہ ناظرین خاکسار کی بساط استعداد پر غور فرما کر  
 ترس کھائیں گے اور سارے عیبوں پر پردہ پڑا رہنے دیں گے :  
 ہر تار ز پیراھن فانوس کمندیست  
 گستاخی پروانہ نہ از بال و پر اوست

خاکسار محمد سجاد حسین - کسمندوی

(ملازم سرکار نظام - مقام گلبرگہ شریف)

(پنجم رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ مطابق ۹ اردی بہشت ۱۳۰۳ء ف)

۱ - یہ محض اس زمانے کے دستور کے مطابق مترجم کا انکسار ہے  
 ورنہ مترجم کو اپنے کمال انشا پردازی پر ناز ہے جیسا کہ اس سے پہلے  
 ظاہر کر چکے ہیں - (مرتب)



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

بعد حمد و نعت چند سطریں اپنے تعلق طبیعت اور سرگزشت  
زمانہ شباب کی مفصلاً لکھتا ہوں ، کیونکہ ایک جادو نگاہ  
صنم زاہد فریب کی محبت نے سرشار اور لایعقل کر رکھا تھا :

شیریں تر از حکایت ما نیست قصہ

تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

ناظرین سے آمید ہے کہ اس سچے قصے سے محظوظ ہوں تو راقم  
حروف عاصی ، المحتاج الی اللہ سید محمد حسن شاہ عفی اللہ عنہ  
کے حسن خاتمہ اور مغفرت کی دعا فرمائیں اور سہو و خطا پر  
پردہ ڈالیں ۔

ہر گہ خواند دعا طمع دارم

زاں کہ من بندہ گنہ گارم

## مصنف کے خاندانی حالات

حضرت سید عبداللہ ملقب بہ مظلوم ، جن کا سلسلہ گیارہ  
واسطوں سے حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام سبط  
رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے ، اپنے والد حضرت  
ابراہیم رضا کے سامنے خلفائے بنو عباس کے جور و جفا سے حدود  
بلخ میں مخفی سکونت پذیر تھے ۔ شدت ظلم اعدا کی وجہ سے مع



تبرکات شریفہ نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔ بعد شہادت والد بزرگوار مع چند ہمراہیاں حدود ترکستان میں پہنچے اور اقامت اختیار کی۔ ان کی اولاد سے جناب سید السادات قطب انام حضرت سید امیر کلان عرف امیر کلان رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ عام ہوا، حتیٰ کہ صاحبقران امیر تیمور گورگانی کو آپ نے اپنا پسر خواندہ فرمایا اور بشارت سلطنت ہفت کشور کی دی، جس کا حال آپ کے ملفوظات میں موجود ہے۔ آپ کے صاحب زادے امیر برہان مشہور بہ امیر بزرگ حسب استدعائے صاحبقران چندے آس کے پاس رہ کر وطن تشریف لے گئے۔ ان کے صاحب زادے سید امیر شاہ نے اپنی جاگیر عطیہ صاحبقران قصبہ شریعت آباد حدود خوست من مضافات بدخشاں میں اقامت اختیار کی اور حسب رواج خاندان ارشاد و اہتداء خلائق میں مصروف رہے تا آنکہ نوبت سجادگی حضرت حاجی الحرمین سید میرک شاہ رحمۃ اللہ علیہ جد بزرگوار کاتب حروف کو پہنچی اور بموجب بشارت ارواح طیبات بزرگان مع چند تبرکات شریفہ عازم ہندوستان ہوئے۔ ۱۱۲۵ھ میں بیس قرابت داروں کے ساتھ داخل کابل ہوئے۔ صوبہ دار کابل کی استدعا سے چند مہینے اقامت کر کے بہ قصد شاہجہان آباد وارد (لاہور) ہوئے۔ بوجہ اصرار عقیدت منداں شاہجہان آباد کا قصد ملتوی فرمایا، صرف ایک شخص مسمیٰ سیدگدا شاہ اپنے ہمراہی کو فرخ سیر بادشاہ ہندوستان کے پاس روانہ کیا مگر سادات بارہا کے تسلط اور غلو سے ملاقات نہ ہو سکی۔ سید موصوف کی معاودت، بادشاہ کا بعد پلٹنے کے مطلع ہونا، عذر خواہی کے ساتھ نذر و نیاز کا اپنے خواص خاص کے ساتھ جناب حاجی صاحب کی خدمت میں بھیجنا اور متمنی تشریف آوری حضرت موصوف ہونا، آپ کا نہ قبول کرنا اور شاہجہان آباد نہ جانا، ایک قصہ طویل ہے۔ اس زمانے میں حاجی صاحب موصوف



نے بہ موجب بشارت روح بزرگان جناب سید حقانی رحمۃ اللہ علیہ متوطن قصبہ بندگی متعلقہ چکلہ کوڑہ جہاں آباد کی صاحب زادی سے نکاح کیا ، اور صرف ایک بار محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شاہجہان آباد تشریف لے گئے ورنہ ہمیشہ اطراف لاہور اور سرہند میں بسر فرمائی اور ایک عالم کو فیوض باطنی سے سرفراز کیا ۔ حاجی صاحب موصوف کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ۔ سید محمد شاہ ، سید اشرف شاہ ، سید عرب شاہ والد مصنف ، سید محمد شیر شاہ ؛ مگر ان چوتھے صاحب زادے نے مناصب شاہی اختیار کرلیے اور نفع کثیر خلق اللہ کو پہنچایا ؛ بالجملہ بعد انتقال حاجی صاحب اور دست برد نادر شاہ اصفہانی و احمد شاہ درانی اور تغیر سلطنت گورگانی کے نواب نجیب خاں چچا صاحب کو اپنے ہمراہ شاہجہان آباد میں لایا اور عموی موصوف نے بعد چندے نجیب آباد اور ندینہ دھام پور میں اقامت اختیار کی ، اور وہیں انتقال فرمایا ۔ میرے والد ماجد سکھوں کی زبردستیوں سے تنگ ہو کر آنولہ بریلی میں تشریف لائے اور وہیں شادی بھی کی ۔ چنانچہ ۱۱۸۳ھ میں میری ولادت ہوئی اور دو چھوٹے بھائی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے ۔ ۱۱۹۱ھ میں جناب والد مغفور نے انتقال فرمایا ۔ میں اور دونوں چھوٹے بھائی یعنی سید حسین شاہ و سید قاسم شاہ سلمہا اللہ تعالیٰ جناب نانا صاحب قبلہ کے زیر تربیت و تعلیم اسی شہر میں رہے ، اور جو پڑھا لکھا انہیں کی مزید شفقت کا نتیجہ ہے ۔

۱۔ مصنف نے ”ندینہ“ لکھا ہے مگر ہمارے زمانے میں ”نگینہ دھام پور“ کہتے ہیں ۔ (مترجم)



## مصنف کا نانہالی سلسلہ

### اور ملازمت کا قصہ

میرے نانا صاحب قبلہ حکیم میر محمد نواز حضرت سید عطا موسوی کی اولاد میں ہیں اور علم و فضل خصوصاً طب و حکمت میں یگانہ وقت و فرید دھر کہنا چاہیے۔ آپ کے والد شاہ نیا محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں بلخ سے شاہجہان آباد کو تشریف لائے اور منصب داران شاہی میں شامل ہوئے، وہیں شادی بھی کی۔ ۱۱۸۴ھ میں جبکہ والد مرحوم کی شادی ہوئی، اس وقت حکیم صاحب موصوف نواب عنایت اللہ خان پسر حافظ الملک حافظ رحمت خان کی سرکار میں ملازم بامتیاز تھے اور شہر بریلی میں اقامت گزریں، بعد خرابی و تباہی حکومت ہندوستان میرے نانا صاحب مسٹر منگ صاحب ممبر کونسل کمپ کانپور کی سرکار میں جو ہمیشہ زادہ جنرل کوٹ کے تھے اور یہ جنرل صاحب ایک عالی مرتبت انگریز تھے، عہدہ منشی گری پر مامور ہوئے۔ منگ صاحب جب کلکتہ سے دوبارہ کانپور میں آئے اور کرنیل ہملیڈی صاحب کمانڈنگ افسر سے زیادہ رسم و راہ اور صحبت کا اتفاق ہوا، پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے کاروبار سے عدم توجہی

- ۱ - غالباً نج کی منشی گری ہے - جیسا آئندہ معلوم ہو گا - (مترجم)
- ۲ - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منگ صاحب مصنف کے نانا سے فارسی یا اردو پڑھتا تھا - (مترجم)



ہوئی تو بہت سا روپیہ اس کے صندوق سے گم ہو گیا۔ صاحب نے نانا سے ذکر کیا کہ مجھے بوجہ عدیم الفرستی اپنا خانگی کاروبار حساب و کتاب دیکھنے کی مہلت نہیں ملتی اور اکثر میرا روپیہ مفت تلف ہوتا ہے۔ اگر آپ سے اس کام کا بوجھ اٹھ سکے کہ بالفعل کوئی دوسرا کام آپ کے ذمہ نہیں ہے، دیکھ بھال کریں تو بہتر ہے۔ نانا صاحب نے انکار کیا اور کہا کہ اگر حسن شاہ اس کام کو قبول کر لے گا تو آپ کی غایت پوری ہو سکتی ہے؛ چنانچہ منگ صاحب نے مجھ کو بلوا کے اصرار کیا اور میں نے بعد چند شروط کے اس کو قبول کیا۔ اگرچہ میری کوئی تنخواہ معین نہ ہوئی تھی مگر منگ صاحب چونکہ ایک بڑا عالی منش اور فیاض و شریف اور شریف پرور انگریز تھا، میرے ساتھ بے حد سلوک اور مراعات کے علاوہ نہایت ہی عزت اور توقیر کرتا تھا اور بارہا بیش قیمت اشیا اور معتد بہ نقد سے مسلوک ہوتا تھا۔ گو اس کی تنخواہ چنداں بیش قرار نہ تھی مگر وراثتاً اس کو کئی لاکھ روپیہ اپنے باپ کے متروکہ سے ملا تھا اور اس کی تجارت سے نفع کثیر آتا تھا اس لیے بہت ہی دل چلا اور باہمت تھا اور جملہ مداخل و مخارج میرے اختیار میں دے دے تھے اور اس قدر مجھ پر اعتبار تھا کہ اکثر حاسدوں اور دشمنوں نے محض حسد یا اپنے رسوخ اور خیر خواہی کے اظہار سے میری چغلیاں

۱۔ ایک یہ انگریز تھا ایک ہمارے وقت کے صاحب بہادر ہیں کہ کل ہندی کالا لوگ، نیٹو نیم وحشی کے صرف خطابوں ہی سے سرفراز نہیں ہوتے بلکہ عملی بدسلوکیاں اور اتلاف حقوق جس حد تک ہے سب کو معلوم ہے، حالانکہ اس وقت کا طرز معاشرت اور لیاقت وغیرہ ہم لوگوں کا اس زمانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ پچھلے وقتوں کے انگریز بھی نجیب و شریف آتے تھے اور یہاں کے لوگ بھی سادگی کے ساتھ شریفانہ چال چلن رکھتے تھے، اب دونوں طرف خیرت ہے۔ (مترجم)



کہائیں مگر اس نے مطلق باور نہ کیا بلکہ الٹے اسی پر عتاب کرتا تھا اور تاوقتیکہ میں خود سفارش نہیں کرتا تھا اس کا قصور معاف نہیں کرتا تھا۔ اگر میں کہتا کہ جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس کی تحقیقات کر لیجیے، تو جواب دیتا کہ مجھے جو کچھ امتحان آپ کا کرنا تھا کر چکا، اب مجھے کسی دریافت اور تحقیقات کی ضرورت نہیں، جو شخص جو کچھ کہتا ہے، حسد اور بغض سے کہتا ہے۔ میں نے تم کو تمام کاروبار خانگی اور موقوفی و بحالی ملازمان کا اختیار کلی دے دیا ہے۔ چنانچہ ایک دن اس کی داشتہ عورت نے جو ایک فرخ آبادی پٹھان کی بیٹی تھی، میری چغلی صاحب سے کہائی کہ تمہارا منشی سارا مال غبن کرتا ہے۔ اگر آپ کی مرضی ہو میرا بھائی جو نہایت لائق ہے، اس کے سپرد یہ کارخانہ کر دیا جائے جس سے بڑی کفایت ہوگی۔ صاحب نے اس کو تو کچھ جواب نہ دیا اور کمرے کے باہر آ کر مجھ سے کہا کہ آج ہماری بی بی آپ کی طرح اس سفارش کرتی تھی۔ میں نے کہا ”بالکل سچ کہتی ہے، میں آپ کا خیر خواہ ہوں، جس بات میں آپ کی کفایت اور بچت ہو مجھے بہ دل و جان منظور ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے کنجیاں صاحب کے سامنے سبز پر رکھ دیں اور کہا کہ مجھے بھی اب زیادہ آپ کے پاس رہنا منظور نہیں ہے، کب تک حاسدوں کا نشانہ ملامت رہوں۔“ صاحب پہلے تو چپکا رہا، پھر فرمایا کہ اچھا اس وقت کنجیاں اپنے پاس رکھیے، میں پھر لے لوں گا۔ میں خوش ہوا کہ اس جھکندن سے نجات ملی۔ دوسرے دن صاحب نے اس عورت کو نکلوا دیا۔ میں نے سنتے ہی صاحب سے جا کر سفارش کی مگر اس نے ہرگز قبول نہ کیا،

۱۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ صاحب بہادر کی میم نہ تھی اور عیاش

بھی تھی۔ (مترجم)



ٹب میں نے کہا ”خیر اگر آپ اس کو نکالتے ہیں آپ کو اختیار ہے مگر میں بھی نہ رہوں گا، مجھے بھی رخصت کیجیے۔“ صاحب نے کہا ”تم کیسی باتیں کرتے ہو، وہ تمہاری دشمن ہے۔“ میں نے کہا ”ہوا کرے۔ اگر آپ سہربان ہیں تو مجھے کسی کی دشمنی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔“ ناچار صاحب نے پھر اس کو بلوا لیا، مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنی سزا کو پہنچ گئی، یعنی صاحب نے بچشم خود ایک خدمت گار سے مختلط دیکھ لیا۔ اسی وقت بہت فضحی سے نکال باہر کیا۔ غرض کہ خدا کی عنایت سے منگ صاحب بے انتہا مجھ پر سہربان تھا اور کمال آزادی اور خود مختاری سے میں بسر کرتا تھا۔ میری عمر اس زمانے میں پندرہ سولہ برس کی تھی اور نانا صاحب نے بریلی سے اپنے متعلقین کو بلوا کے قصبہ جاجمٹو میں جو کانپور سے دو کوس پورب کی طرف ہے، سکونت کر لی تھی اور چونکہ کوئی تعلق خدمت باقی نہ رہا تھا، اکثر خانہ نشین رہتے تھے۔ میں اور چھوٹا بھائی میر حسین شاہ اور چچا زاد بھائی میر محمد یوسف شاہ مع بعض قرابت داروں کے کمپ میں رہتے تھے اور صاحب نے میرے لیے ایک عمدہ بنگلہ بنوا دیا تھا۔ اور چونکہ صاحب کا ذاتی مکان مع ضروریات حمام وغیرہ اس زمانے میں زیر تعمیر تھا، مجھ سے صاحب نے فرمایا کہ تم اپنے بگلے کی درستی اعلیٰ درجہ الکمال کراؤ؛ چنانچہ اسی وجہ سے میں ان روزوں بنگلہ چھوڑ کے منشی روشن علی صاحب کے مکان میں جو نانا صاحب کے دوست تھے، جا رہا تھا اور دو وقتہ صاحب کے پاس آتا جاتا تھا۔

تادم حشر محبت میں دعائیں دوں گا  
واہ کیا شے ہے سلامت رہے قسمت میری



## طبیعت آتی ہے

بہر' نظارہ چلا ہے کوچہ قاتل میں داغ  
کس بلا کا ہے کلیجا کس غضب کا دیدہ ہے

اس زمانے یعنی ۱۱۹۹ھ میں کمپ کا بخشی<sup>۳</sup> کن صاحب نامی ایک نہایت عیاش مزاج انگریز تھا؛ چنانچہ دو طائفے کشمیری آس کی سرکار میں نوکر تھے۔ میں ان دنوں منشی روشن علی کے مکان سے آسی کے بنگلے کے برابر سے آتا جاتا تھا۔ ایک دن محمد اعظم نامی گویا جو کشمیری زنانہ طائفے کا ڈھاڑی تھا اور جس کو میرے نانا صاحب سے شناسائی تھی، بلندی پر کھڑا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر سلام کیا اور نانا صاحب کا مستفسر حال ہوا۔ میں نے جواب مناسب دیا۔ آس نے کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو اور کچھ خیال نہ فرمائیے تو غریب خانے میں دو گھڑی کے لیے قدم رنجہ فرمائیے:

۱ - تمام کتاب میں جا بجا فارسی و اردو اشعار کثرت سے دیے گئے ہیں۔ فارسی نسخے میں زیادہ تر فارسی اشعار و غزلیات دی گئی تھیں۔ کہیں کہیں اردو اشعار بھی تھے، لیکن مترجم نے ترجمے میں اکثر اشعار (اردو) کا اضافہ بھی کیا ہے۔ (مرتب)

۲ - نسخہ اول میں ۱۱۵۹ ہجری ہے لیکن صحیح ۱۱۹۹ھ ہے۔

۳ - بخشی سے مراد محاسب فوج۔ قدیم محاورہ فارسی کے اعتبار سے صحیح مگر عمدہ اور آس کی امارت پر قیاس نہیں ہو سکتا کہ محاسب تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کمانڈنگ افسر کو بخشی لکھا ہے کیونکہ قدیم زمانے میں بخشی وزیر جنگ کو بھی کہتے تھے جیسا کہ "سکندر نامہ" وغیرہ میں لکھا ہے۔ (مترجم)



ملا ہے گھر مرا دشمن کے گھر سے  
وہیں آ بیٹھنا اٹھ کر ادھر سے

مجھ سے مروت میں کچھ نہ بن پڑا، گھوڑے سے اتر کر اس  
کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے ایک بڑے پال کے نیچے جو آن لوگوں  
کے ٹھہرنے کا مقام تھا، لے گیا۔ وہاں اور بھی گویے بیٹھے تھے۔  
انہوں نے میری تعظیم کی اور کشمیری زبان میں میرا حال  
محمد اعظم سے پوچھا۔ محمد اعظم نے ان کا جواب دے کے مجھ سے  
کہا کہ میں نے ایک شخص کو چند فارسی غزلیں گاتے سنا اور ان کو  
لکھوا لیا ہے مگر بعض اشعار ان میں غلط معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ذرا  
توجہ فرما کے ان کو صحیح کر دیجیے۔ میں وہ غزلیں اس سے لے کے  
دیکھنے لگا۔ اس پال کے نزدیک سو قدم پر ایک خیمہ کھڑا ہوا  
تھا۔ اس کے سامنے نمگیرہ ہشت چوبہ استادہ تھا، قریب ہی اس  
کے ایک کاہی چھپر پڑا تھا، جو باورچی خانے کے لیے ہوگا۔ اسی  
کے پاس دو پالیں اور پڑی تھیں۔ غزلیں دیکھتے دیکھتے آنکھ اٹھا  
کے خیمے کی طرف میں نے دیکھا ہی تھا کہ دفعتاً ایک پری پیکر  
نہایت حسین، لباس فاخرہ اور زیور گراں بہا پہنے ہوئے خیمے سے  
نکل کے ان پالوں میں چلی گئی۔ اس وقت سے میری یہ حالت  
ہوئی کہ کبھی خیمے کی طرف نظر تھی اور کبھی غزلوں پر:

بانکی چتون پہ ادا لوٹ گئی

آبھرے جو بن پہ حیا لوٹ گئی

اتنے میں کسی کے آنے کی چاپ معلوم ہوئی۔ میں نے سر  
اٹھا کے دیکھا تو وہی عورت جس کا بیس اکیس برس کا سن ہوگا،  
عباسی رنگ کا دو شالہ اوڑھے ہوئے قریب میرے تخت کے آئی  
اور آن لوگوں کو ”استاد جی“ کہہ کے سلام کیا۔ میرے  
قریب محمد اعظم بیٹھا تھا اور تخت کے نیچے اس کا بیٹا،



اسی کے قریب وہ کھڑی ہوگئی۔ اس کا حسن گلو سوز اور رنگ سرخ و سفید دیکھ کے مجھے تحیر سا ہو گیا۔ حقیقتاً بہت کم ایسی صورت دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی صورت

وہ ہنسنا بھی کھل کر نہیں جانتے ہیں

تھوڑا سا توقف کر کے اس نے کشمیری زبان میں کچھ پوچھا جس کا جواب محمد اعظم نے اس طرح دیا کہ میں سمجھ گیا، میرا حال پوچھتی ہے۔ اس کے بعد وہ پھر خیمے کی طرف چلی گئی۔ مجھے اس کا جانا سخت ناگوار معلوم ہوا اور دل کو بے چینی سی پیدا ہوگئی۔ ہر چند کچھری کا وقت تنگ ہوا جا رہا تھا مگر میں چاہتا تھا کہ پھر ایک بار اسے دیکھ لوں اس لیے دیدہ و دانستہ توقف کرتا تھا۔

خود دیر کی کہ جوہر پیکار دیکھ لیں

چلتی ہے کس طرح تری تلووار دیکھ لیں

اشعار بھی دیکھتا تھا اور بعض جگہ درست کرتا جاتا تھا اور اس کو سمجھاتا بھی تھا۔ اتنے میں دو عورتیں ایک تیرہ چودہ سال کی بہت سرخ و سفید مگر نقشہ بے نمک عمدہ لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے، سفید دوشالہ اوڑھے، دوسری پچیس برس کی عمر والی فریبہ اندام، گندمی رنگ، متوسط درجے کی پوشاک پہنے پالوں کی طرف سے ہماری جانب آئیں، اور اسی طرح ”استاد جی“ کہہ کے سلام کر کے کشمیری زبان میں میرا حال پوچھا۔ اور ایک نے کہا کہ استاد جی یہ کاغذ کیا ہیں؟ محمد اعظم نے کہا کہ یہ وہی غزلیں ہیں جو میں نے لکھوائی تھیں۔ چونکہ اس میں غلطیاں بہت ہیں، میر صاحب قبلہ درست فرما رہے ہیں۔ یہ کہہ کر دونوں پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر کے بعد



ایک آٹھی اور خیمے میں چلی گئی۔ میں بدستور غزلیں دیکھ رہا تھا اور سوچتا تھا کہ کاش وہ پہلی پری۔ چہرہ پھر آ جاتی تو دیکھ لیتا :  
موسیٰ سے کہہ دو، طور پہ جایا کریں نہ روز  
اچھے نہیں ہیں برق جہالوں کے سامنے

ایکایک جو عورت آٹھ گئی تھی، اپنے ہمراہ ایک نازنین،  
سوئے میان، آفت جان دوشیزہ سیزدہ سالہ کو لے کے آئی جس کا  
چمپی رنگ اور چشم شہلا قیامت ڈھاتی تھی۔ کافر ادائی نے  
ہزارہا ایمانوں پر مصیبت ڈالی تھی، نہایت زرق برق لباس اور  
زیور بیش بہا پہنے بسنتی دو شالہ اوڑھے اس دل فریب ادا سے آگے  
کھڑی ہو گئی کہ بجلیاں گر پڑیں :

نگاہ شوق نے کس کی پکار کر یہ کہا  
میری جگہ بھی کوئی جلوہ گاہ میں رکھے  
میری آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی اور محو حیرت ہو گیا :  
بجلیاں دیکھنے والوں پہ گراتے آئے  
تم جدھر آئے، ادھر آگ لگاتے آئے

چمپی رنگ اس کا اور جو بن وہ گدرا یا ہوا  
میری آنکھ چار ہوئی کہ تیر عشق سینے کے پار ہوا "چشم  
افتادن ہاں دل دادن ہاں۔" میں بالکل مثل تصویر حیران اور  
بے حس و حرکت ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں، خون نے رگوں میں  
ایک غیر معمولی جوش مارا اور دل پھڑپھڑا کے سینے کے اندر  
رہ گیا، سر چکرایا، بدن تھرتھرایا، بلکہ غزلوں کا کاغذ ہاتھ  
سے گر گیا، لیکن فوراً میں چونک پڑا اور بے اختیار زبان سے نکلا :

نگاہ شوق لڑتی ہے نگاہ نازجاناں سے  
الہی خیر دونوں کی کہ چوٹیں ہیں برابر کی  
میں اپنے دل میں حیران تھا کہ پروردگار تو نے کس قیامت



کی صورت پیدا کی ہے ، شاید اپنے ہی ہاتھ سے اس کو بنایا ہے :  
 کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن آن کا  
 دو دغا بازوں کے قبضے میں ہے جو بن آن کا  
 میرا صبر و قرار جاتا رہا اور ازل میں جو مقدر ہوا تھا ، اس  
 وقت آنکھوں کے سامنے تھا ۔ بڑی مشکل سے میں نے حواس درست  
 کیے اور دیکھا تو پہلی عورت بھی آگئی ہے ، اور تینوں پلنگ  
 پر بیٹھی ہیں ، مگر وہ شوخ طنز پال کی طناب پکڑ کر کھڑی ہوگئی  
 اور میری طرف اس ناز سے دیکھا کہ میں کلیجا تھام کے رہ گیا ۔  
 شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اڑا دیے  
 جس غنچے پہ نگاہ پڑی دل بنا دیا



امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا  
 نگاہیں بول اٹھیں وہ لیے لیا دل  
 ایک عورت نے پوچھا ”استاد جی کوئی شعر درست ہوا؟“  
 محمد اعظم نے کہا ”ہاں کئی شعر آپ نے بنا دیے“ اور وہ اصلاح شدہ  
 شعر بھی سنائے ۔ پری جہاں معشوقہ نے کہا ”استاد جی کیا یہ صاحب  
 شاعر ہیں؟“ میں نے جواب دیا ”نہیں بندہ شاعر نہیں ہے“ مگر :  
 سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری  
 تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے  
 محمد اعظم نے میری اور نانا صاحب کی حد سے زیادہ تعریف  
 بیان کی مگر میں چپکا سر جھکائے حیران بیٹھا تھا ۔ اس مہ جبین  
 نے فرمایا ”یہ سب سچ ہے مگر معلوم ہوتا ہے یہ صاحب اس وقت  
 آپے میں نہیں ہیں۔“

کبھی سمجھے نہ کوئی ناسمجھ ان بھولے بھالوں کو  
 سمجھتے ہیں یہی کچھ چاہنے والوں کی چالوں کو



میں نے کہا ”کیا کہوں، مجبوری ہے۔“

یک من و بر سر قتل اند پری زادے چند

وای برصید کہ یک باشد و صیادے چند

محمد اعظم نے کہا ”واقعی میر صاحب خیر تو ہے، اس قدر سر جھکائے آپ کیوں بیٹھے ہیں؟“ میں نے کہا ”بے خوابی کی وجہ سے شدت کا درد سر ہے، صرف تمہاری خاطر سے بیٹھا ہوں مگر طاقت مطلق نہیں کہ آنکھ اٹھ سکے۔“

یاں لعل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا

دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

اُس نے کہا ”واقعی شدت درد سے آپ کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے ایک جاتا ہے اور کاغذ بھی آپ کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ خیر اس وقت تکلیف نہ اٹھائیے، پھر دیکھا جائے گا۔“ میں نے کہا ”نہیں! کیا مضائقہ ہے، جس قدر ہو سکتا ہے، درست کیے دیتا ہوں، باقی پھر اطمینان سے دیکھ دوں گا۔“ اور اپنی جاناں کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

دل کو وہ بے خودی ہے کہ کچھ بھی اثر نہ ہو

آنکھوں میں تم پھرو بھی تو ہم کو خبر نہ ہو

اتنے میں پہلی عورت نے پوچھا ”استاد جی! تم سے اور منشی صاحب سے کہاں کی ملاقات ہے اور کب سے ہے؟“ اُس نے کہا کہ میں آپ کے نانا صاحب کی خدمت میں مدتوں سے نیاز رکھتا ہوں۔ ہنوز یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ اُس عورت نے کہا ”آپ پھر بھی تشریف لائیے گا؟“ میں نے کہا ”بشرط فرصت از کاروبار خاوندان۔“ یہ سن کر میری سخن شناس معشوقہ نے کمال خوش طبعی اور بے ساختگی سے مسکرا کر کہا ”ہر گاہ ایشاں خاوند دارند پس ایشاں را فرصت کے دست دھد“ اور طناب چھوڑ چمپت



و گئی - ہائے اس وقت میرا عجیب حال ہوا :

نکلتی کس طرح سے جان مضطر دیکھتے جاؤ

خدا کے واسطے بہر پیمبر دیکھتے جاؤ

ہر چند چاہتا تھا کہ ضبط کروں مگر توبہ ، غلبہٴ قلق اور دل

ن الجھن دم فنا کیے دیتی تھی ، دل و جگر کے پر خچے اڑے جاتے

بھے ؛ سر چکراتا تھا ، آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں ؛ کچھ عجیب

حال تھا اور جی چاہتا تھا کہ پھر ایک بار اسے دیکھ لیتا :

دیکھ لے مڑ کے ذرا او مرے جانے والے

چونکہ کمال بے طاقت اور مضطرب ہو گیا تھا ، محمد اعظم نے

کہا کہ آپ درد سر اور بے خوابی سے بہت ہی پریشان ہیں ، آنکھیں

سرخ اور پر آب ہیں ، اس وقت تشریف لے جائیے ، استراحت

فرمائیے - لاچار اٹھ کھڑا ہوا :

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

جب بنگلے پر پہنچا ، نہایت بے قراری سے پلنگ پر گر پڑا اور کچھ

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرا حشر کیا ہوگا - یہاں پر بہت سے

شعر کسی ' پرانی مشنوی کے لکھے ہیں جس میں کا ایک یہ ہے :

نیٹ گریہ کناں چھوڑ اس کے در کو

بہ ناچاری چلا میں اپنے گھر کو

دیکھا ہے بتکدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ

ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان بھی گیا

۱ - اس وقت کے اردو شاعر وہی ہوں گے جن کا ذکر پروفیسر آزاد

نے "آب حیات" کے دور اول میں لکھا ہے - میں نے یہ سب شعر چھوڑ دیئے -

( مترجم )



چونکہ سرکاری کاروبار بند تھا ، پھر دن چڑھے جب دونوں  
بھائی میرے آئے ، آن کو سمجھا بچھا کے درد سر کا بہانا کر کے پڑ رہا ۔  
اگر کوئی کچھ پوچھتا تھا ، خاموشی کے سوا کچھ جواب نہ تھا :

کہیں تو کیا کہیں دل کون لے گیا شیدا

کہ جانتے تو ہیں لیکن بتا نہیں سکتے

رات کو گھر آیا ، کچھ کھایا نہ پیا ، ویسے ہی لیٹ رہا ؛ بے قراری  
سے کروٹیں بدلتا تھا ، کسی پہلو چین نہ تھا : محمد اسماعیل ذبیح  
چین بستر کار ابرو کرد و آسودن نداد

شب ہمہ شب چوں خیال کاکل خم دار بود

ساری رات تڑپتے گزری ؛ ہزاروں شعر پڑھتا تھا اور زار و قطار  
روتا تھا ۔ جب صبح ہوئی منشی روشن علی نے کھانے کے لیے بہت  
اصرار کیا ؛ میں نے بڑی مشکل سے دو ایک لقمے کھائے اور  
سوار ہو کے کچہری چلا ۔ جب اس مقام پر پہنچا ، آہستہ آہستہ  
گھوڑے کو لے چلا کہ شاید محمد اعظم یا اس کا بیٹا مل جائے  
اور کوئی صورت اندر جانے کی ہو :

اس طرف کاھے کو ہم بادیہ پیما آتے

کوئے جانان کی ہوا جا کے لگا لائی ہے

چند ساعت توقف بھی کیا مگر ہائے کوئی نہ ملا :

ترے کوچے میں کل ہم اس طرح سے جا بہ جا ٹھہرے

چلے چل کر ، تھمے تھم کر ، بڑھے بڑھ کر ، ذرا ٹھہرے

جی چاہتا تھا گھوڑے سے گر پڑوں اور جان دے دوں ۔ ہائے

کسی کی رسوائی کے خوف سے خیمے میں بے طلب جانا مناسب

نہ سمجھا اور محروم و مایوس روتا ہوا وہاں سے چلا آیا ۔



## قطعہ

شوق نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا آسے  
گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری  
دیکھ لیتی جو اٹھا کر تو ترے ٹوٹتے ہاتھ  
لیلای اتنا تو نہ تھا پردہء محمل بھاری

غرض کہ کل کی طرح آج بھی بنگلے میں لیٹ رہا ، مگر اس  
غیر معمولی حالت سے سب کے سب پرسان حال تھے ، تا آنکہ  
صاحب بہادر خود میرے بنگلے میں مزاج پرسی کو آئے۔ میں نے  
درد سر وغیرہ کا بہانہ کر دیا ، وہ چلے گئے۔ میں ایک عجیب  
حالت اضطرار و تحیر میں پڑا تھا اور اپنے حال زار پر خود ہی  
افسوس کرتا تھا۔ غضب تو یہ کہ نہ میرا جانا ہو سکتا ہے ،  
نہ اس کو خبر ؛ نہ کوئی یار نہ غم گسار ، نہ نامہ بر نہ پیام رساں :  
نہ گزر یار تک اپنا ، نہ بغیر آس کے قرار

کس پہ آئی ہے اور آئی ہے طبیعت کیسی

رات کو اور بھی الجھن نے ترقی کی ، بے چینی نے پاؤں پھیلانے ،  
مجھے سودائی بنا دیا۔ کبھی زار زار روتا تھا اور اپنے دل خانہ خراب  
کی بے کسی اور مصیبت پر افسوس کرتا تھا کہ بیٹھے بٹھائے کس  
عذاب میں گرفتار ہو گیا :

دل ہے کہ کسی طرح بہلتا ہی نہیں ہے

میں لاکھ سنبھالوں پہ سنبھلتا ہی نہیں ہے

بالجملہ آج کا دن اور رات بھی بدستور نالہ و شیون میں گزری :

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

تیسرے دن پھر اسی مقام پر توقف کیا مگر کوئی نہ ملا ، ناچار

بنگلے پر آیا۔ عصر کے وقت مزدوروں وغیرہ کا زیادہ ہنگامہ ہوا ،



میں نے فرد حساب اور روپیوں کی تھیلی دونوں بھائیوں کے حوالے کر دی کہ تقسیم اجرت وغیرہ کر دیں، اور میں سوار ہو کر بخشی صاحب کے بنگلے کی طرف گیا۔ وہاں محمد اعظم کا بیٹا کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اپنے باپ کو دوڑ کر خبر کر دی۔ محمد اعظم میرے راہ گزر پر آیا اور نہایت ادب سے سلام کر کے کہا کہ اگر مرضی مبارک ہو تو ایک گھڑی کے لیے خیمے میں قدم رنجہ فرمائیے کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ میں اس تقریب اور درخواست کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور بلا عذر گھوڑے سے اتر کے اس کے ساتھ ٹیلے پر چڑھا۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

محمد اعظم نے کہا ”آج صاحب خانہ نے نیاز کی ہے،

چونکہ جناب پیرزادہ اور سید ہیں، شریک فاتحہ ہوں، موجب کمال

خیر و برکت ہوگا اور ہم لوگ بے انتہا ممنون منت ہوں گے۔“

میں نے کہا ”بہتر ہے:“

بڑے پاک طینت بڑے پاک باطن

ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

محمد اعظم مجھے بٹھلا کے خیمے میں چلا گیا۔ تھوڑی

دیر کے بعد ایک شخص متقی صورت کو ہمراہ لایا۔ میرا قدم بومس

کرا کے کہا کہ صاحب خانہ اور ہمارے مالک آپ ہیں۔ میں

نے اس کے ساتھ بہت صرف اخلاق کیا۔ اس نے کہا ”آپ

یہاں نہ بیٹھیے، خیمے میں چل کر تشریف رکھیے۔“ میں نے کہا ”بہت

اچھا“ اور میرا دل سینے میں تڑپ گیا، اس حالت کا اعادہ ممکن

نہیں ہے:



مرا جذب دل آن کی خدمت میں پہنچا  
 خدا ہے جو رہ جائے پردہ کسی کا  
 جس وقت خیمے میں پہنچا گویا ظلمات سے چشمہ حیوان میں  
 آگیا۔ پہلے دیکھا ایک عورت جس کا سن تخمیناً تیس برس کا  
 ہوگا، نہایت سرخ و سپید کشمیری وضع کمال، تمکنت سے بہ شان  
 مالکانہ شالی رضائی اوڑھے ہوئے تخت پر بیٹھی ہے۔ مجھ کو دیکھتے  
 ہی اٹھ کر سلام کیا اور قریب تخت کے ایک کرسی پر بٹھلایا۔ وہاں  
 ایک فقیر کشمیری بھی بیٹھا ہوا تھا اور ایک عورت سن رسیدہ  
 سیاہ قصابہ سر پر باندھے ہوئے اہتمام اور کار و بار میں مشغول  
 تھی۔ دوسری طرف کھانے کی دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی  
 دیر کے بعد محمد اعظم نے کہا کہ قبلہ فاتحہ کر دیجیے۔ میں نے  
 کہا کہ زیادہ تر فاتحہ خوانی کے مستحق یہ فقیر صاحب ہیں،  
 مگر سب نے میری منتیں کیں کہ آپ ہی فاتحہ کیجیے کہ  
 موجب برکت ہے۔ (ریاض)

پارسائی کا یقین غیر کو دلواتے ہیں  
 کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھ کو  
 میں نے کہا ”اچھا یہ فقیر صاحب اور کل مرد ایک طرف  
 کھڑے ہوں اور صاحب نیاز مع تمام عورتوں کے دوسری  
 جانب رہیں۔“ اس کو سب نے پسند کیا۔ جب میں فاتحہ کو کھڑا  
 ہوا، اپنے مقابل آس پری جہال ستم آرا کو دیکھا۔ (امیر)  
 باقی نہ دل میں کوئی بھی یارب ہوس رہے  
 چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے  
 کہاں کی فاتحہ اور کیسی فاتحہ، میں اور ہی دھن میں  
 نحو نظارہ جہال یار ہوگیا اور تمام مجمع خوباں میں اس کا منتخب  
 حسن، اس کے بے خطا تیر نگاہ کے وار، اس کی بانکی ادائیں، جو



کچھ میرے ساتھ کر رہی تھیں ، میں خود اس کے جور و ستم  
عشوہ ناز سے داد طلب تھا اور بے اختیار کہتا تھا :

قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری

ادھر آؤ لیے لوں بلائیں تمہاری

بہ ظاہر قرأت فاتحہ کو میں نے بہت طول دیا ، یہاں تک کہ  
مغرب کا وقت آ گیا ؛ اگرچہ جب بھی ختم کرنے کو جی نہ چاہتا  
تھا مگر مجبوری سے تمام کیا ۔

منتظم اس دم مخاطب اس طرف جانانہ ہے

کر لو باتیں آنکھوں میں گو جلسہ بیگانہ ہے

وہاں سے پال میں آ کر مغرب کی نماز پڑھی ۔ محمد اعظم کو  
تنہا پا کر میں نے پوچھا ”یہ سب کون لوگ ہیں اور کہاں  
سے کس لیے آئے ہیں ؟“

سابق و حال کے جلوے کو مطابق کر لیں

آئنه بھیج دے اے وادی ایمن آن کا

اس نے کہا ”جس کو میں نے آپ کا قدم بوس کرایا  
تھا ، اعظم جی اس کا نام ہے ۔ سابق میں تجارت پیشہ تھا اور نہایت  
مدبر ہوشیار آدمی ہے ۔ اتفاقاً اس کو تجارت میں نقصان عظیم ہو  
جس سے دیوالہ نکل گیا ہے ۔ آخر اس بڑھی عورت نے جو قوم کے  
کسبی اور اس کے گھر پڑگئی ہے ، اس کا نام چنبل جان ہے ، یہ  
مشورہ دیا کہ تم علیحدہ ہو جاؤ ۔ میں چند عورتیں جمع کر  
ہندوستان کی طرف جاتی ہوں ، اور طائفہ قائم کر کے بسر اوقات  
کی صورت نکالوں گی ۔ چونکہ اعظم جی اس کا مطیع ہے اور مفلس  
بھی ہو گیا تھا ، اس کے کہنے کو مان لیا اور اس مرزائی نام  
عورت کو جو شالی رضائی اوڑھے ہوئے تھی ، کشمیر سے ساتھ لیا  
پردے پردے اس کے ساتھ آشنائی بھی ہے ۔ وہاں سے جموں



میں آگئے۔ اس بسنتی دوشالہ پوش عورت کو جس کا نام گلبدن ہے ، ہم پہنچایا اور اب یہی عورت زیادہ تر ان کے لیے ذریعہ معاش ہے ۔ وہاں سے لاہور میں آئے اور چند عورتوں کو چنبل جان کی قرابت داری میں جمع کیا اور بہ فراغت بسر کرنے لگے۔ صاحب جان نامی ایک عورت چنبل جان کی بیٹی شوہر اول سے تھی ، چنبل جان اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھی ؛ وہ نہایت حسین و جمیل بھی تھی۔ اس کو ایک پٹھان سردار نے نوکر رکھ لیا اور آخر کار بغیر ان کی رضا مندی کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ۔ ایک لڑکی اس سے پیدا ہوئی ۔ چند روز بعد وہ سردار مر گیا اور صاحب جان اس کے اقربا کی وحشیانہ حرکتوں سے خائف ہو کے چنبل جان کے پاس بھاگ آئی، مگر چند ہی روز کے بعد وہ بھی مر گئی ۔ اعظم جی نے اس کی لڑکی کو جس کا نام خانم جان ہے، اپنی فرزندگی میں لے لیا ہے اور نہایت درجہ اس سے محبت رکھتا ہے ۔ اس کی تعلیم و تربیت بھی بہ صرف کثیر و تاکید تمام کی اور اب وہ لکھنے پڑھنے میں بہت مشاق ہو گئی ہے ۔“ میں نے پوچھا ”وہ لڑکی اب بھی ہے یا نہیں؟“ اس نے کہا ”وہی ہے جو بسنتی دوشالہ اوڑھے فاتحہ کے وقت میرزائی کے برابر کھڑی تھی۔“ میں نے اپنے دل میں کہا ”آہ! آفت جانم و آرام دلم ہاں است۔“ (ریاض)

زخم بول اٹھتے ہیں پوچھو جو نشان قاتل کا  
 باتیں کرتے ہیں لب زخم سے مرنے والے  
 محمد اعظم نے کہا کہ اعظم جی کی وجہ سے میرزائی بھی  
 اس سے بہت محبت رکھتی ہے ، بلکہ اپنی بیٹی اس کو بنایا ہے  
 اور ماں کی طرح اس کی خاطر داری اور نگرانی کرتی ہے اور یوں



تو سب ہی اس کو بہت چاہتے اور اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں۔ اعظم جی کو اس کا گانا ناچنا منظور اور پسند نہ تھا مگر اس کی نانی چنبل جان پکی نائکہ ہے، کب باز آتی، اس لیے ایک برس سے اس کو رقص و سرود کی تعلیم دلائی گئی۔ چند انگریزوں نے خواہش بھی کی مگر اعظم جی اور میرزائی نے قبول نہیں کیا :  
(احمد مرحوم)

اچھوتی ابھی ہے مٹے احمری

کنواری ہے مینا کی نیلم پری

میں نے پوچھا کہ وہ خورد سال عورت سپید دوشالہ اوڑھے کون تھی؟ اس نے کہا کہ وہ چنبل جان کی بھانجی ہے اور بی جان نام ہے۔ چند روز ہوئے ہولیر صاحب نامی انگریز نے پانچ سو روپیے ماہوار پر نوکر رکھا تھا اور اب وہ چلا گیا ہے۔ جب سے یہ کہیں نہیں گئی ہے۔ صرف گلبدن کن صاحب کے پاس تین سو روپیے ماہوار پر نوکر ہے، اور پچاس روپیے خانم جان کو میوہ خوری کے لیے دیتا ہے۔ علاوہ اس کے ہر ہفتے میں ایک مجرا ہوتا ہے، تیس روپیے انعام ملتا ہے۔ ان مقررہ رقوم کے سوا نقد و جنس اور مرصع زیور وغیرہ بہت کچھ بخشی صاحب نے گلبدن کو دیا ہے۔ میں نے کہا ”اس کی کیا وجہ ہے کہ آج سب سے زیادہ خانم جان کو آراستہ و پیراستہ زرق و برق لباس میں دیکھتا ہوں۔ وہ بے انتہا زیور پہنے ہے اور گویا دلہن بنی ہوئی ہے۔“ (ریاض)

ہیکل آڑی گلے کو چوم لے گی

وہ چیز جو کچھ آٹھی آٹھی ہے

اس نے کہا کہ خانم جان کی ماں ہر سال اس کی سال گرہ بڑی



ہوم دھام سے کرتی تھی اور صرف پچاس ساٹھ روپیے کا کھانا فقرا  
 اور مساکین کو تقسیم ہوتا تھا۔ اعظم جی نے اس رسم کو متروک  
 نہیں کیا اور آج وہی تقریب سال گرہ ہے، اس لیے بی خانم جان  
 سب سے زیادہ مکلف پوشاک اور زیور بيش بہا پہنے ہیں۔ اس کی  
 ماں کے پاس نہایت اعلیٰ درجے کا قیمتی مرصع زیور اور جواہرات  
 تھے۔ اعظم جی نے وہ سب خانم جان کو دے دیا ہے، بلکہ اپنی  
 طرف سے بھی بہت سا زیور بنوا دیا؛ چنانچہ اتنی عورتوں میں جس  
 قدر قیمتی افراط سے خانم جان کے پاس گہنا ہے، کسی کے پاس  
 نہیں اور فی نفسہ خانم جان سب باتوں میں خوبی مزاج، صفائی  
 شعور، تیز طبعی، ذکاوت، ذہانت، نزاکت، نفاست، میں سب  
 سے فائق اور یکتا ہے۔

آنکہ می گویند آن بہتر ز حسن

یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس کے سننے سے میں پھولا نہ سایا۔ چونکہ دیر ہوچکی تھی،  
 میں نے سواری طلب کی۔ اسی دم ایک خادمہ خیمے سے آئی اور  
 کہا ”استاد جی بی میرزائی کہتی ہیں کہ میر صاحب کو جانے  
 نہ دینا اور خیمے کے اندر بلاتی ہیں۔“ میں نے کہا کہ اب رات  
 ہوگئی ہے جانے دو، پھر کبھی آؤں گا۔ محمد اعظم نے کہا  
 کہ قبلہ یہ تو مناسب نہیں ہے، دریاں حال کہ کوئی اس قدر آرزو و  
 منت کرے، انکار نہ چاہیے اور رد دعوت ممنوع ہے۔“ میں نے کہا  
 ”بہتر ہے“ کیونکہ میں تو یہ خدا سے چاہتا تھا۔ غرض کہ میں  
 خیمے کے اندر گیا۔ دیکھا تو خیمے کے آس طرف دوسرے ڈیرے  
 اور پال میں کھانا تقسیم ہو رہا ہے مگر میرزائی میرے انتظار میں  
 خیمے کے اندر تخت پر بیٹھی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی تعظیم کے بعد  
 بہت تپاک سے ایک کرسی پر بٹھلایا۔ محمد اعظم بھی دوسرے تخت



بر بیٹھ گیا اور میری تعریفیں کرنے لگا۔  
میرزائی نے کہا ”جناب آپ نے کمال بندہ نوازی فرمائی،  
ہماری خوبی قسمت سے آپ کے قدم یہاں تک آئے جس سے ہماری  
عزت افزائی ہوئی اور فی الواقع آپ سے ہم کو دین و دنیا میں  
توقع بہتری کی ہے۔“

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی  
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے  
جب کہ آپ نے اس قدر ذرہ نوازی فرمائی ہے، ایک عرض  
اور بھی قبول فرمائیے، یعنی اگرچہ حصہ آپ کے ہمراہ دولت خانے  
پر جائے گا لیکن کسی قدر یہاں بھی ماحضر نوش فرمائیے تو اولش  
ہم کو نصیب ہو؛ جو ہمارا باعث افتخار اور موجب مسرت ہے  
اور افسوس کہ آپ کوئی دن تشریف نہ لائے ورنہ جلسہ بھی ملاحظہ  
فرماتے، گانا بھی سنتے۔“ محمد اعظم نے بات کاٹ کر کہا کہ یہ  
میرا قصور ہے جو میں نے پہلے سے اطلاع نہیں دی۔ جب اس  
طرح کھانے کے لیے اصرار ہوا، میں نے کہا کہ اول تو میری  
عادت کسی کے یہاں کھانے کی نہیں ہے۔ لیکن خیر آپ لوگ محض  
خلوصیت و محبت سے مصر ہوتے ہیں تو مجھے عذر نہیں مگر  
میں بے لطف کھانا نہیں کھاتا؛ چنانچہ اس بات کو ہندی زبان  
میں بایں الفاظ میں نے ادا کیا ”ایسا روکھا پھیکا کھانا بندے  
کے پسند خاطر نہیں۔“

میرزائی ہنس پڑی اور کہا کہ دن کے مجمع اور گانے کا لطف  
اس وقت ممکن نہیں ہے لیکن جو کچھ ہم کو آتا ہے سنا دیں گے۔  
اور ایک کنیز کو بلا کے کہا کہ گلبدن اور خانم جان اور بی جان کو  
بلا لا، اور محمد اعظم سے کہا کہ تم بھی صدیق جی وغیرہ سازندوں  
کو لے آؤ، کیونکہ ہم کو میر صاحب کی خاطر منظور ہے۔



یہ ادھر گیا اور ادھر گلبدن اور بی جان اور عمدہ آگئیں۔“  
 میرزائی نے ان سے سب حال دھرایا کہ میر صاحب چونکہ  
 جوان خوش مزاج اور میرزا منش ہیں ، بغیر گانے بجانے کے ان  
 کو صرف کھانا کھا لینا کیوں کر پسند آتا ، اس لیے میں نے تم  
 کو بلایا ہے ، تھوڑی دیر میر صاحب کا جی خوش کر دو۔  
 گلبدن نے کہا ”بہت بہتر ، یہ ہماری سعادت ہے“

محمد اعظم وغیرہ سازندے بھی آگئے اور سازوں کو  
 بلانے لگے۔ میں نے جی میں کہا کہ یہ تو بڑا غضب ہوا کہ  
 سب آئے مگر وہ شوخ طنز ہی نہ آئی ، پھر کیا لطف خاک ملے  
 گا۔ یہ سوچ کر میں نے کہا کہ شاید صاحب تقریب کو اس فن  
 سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس نے کہا ”نہیں صاحب نام خدا میری  
 خانم بہت ہی خوب گاتی ہے اور اگرچہ بہت کم اس نے تعلیم پائی  
 ہے ، مگر ہم سب سے وہ بہت بڑھ گئی ہے۔ میں نے کہا ”یہ تو اور  
 کئی تعجب ہے کہ آپ سب اس قدر مہربانی فرمائیں اور جس کی  
 تقریب ہو باوجود مہارت اور قابلیت کے نہ تشریف لائیں۔“

میر زائی میرے اس کہنے سے چونک سی پڑی ، اور گلبدن  
 سے کہا کہ ہاں جی خانم جان کہاں ہے؟ اس نے کہا  
 کہ ہم سب تقسیم طعام کی سیر دیکھ رہے تھے کہ سیوتی  
 لانے کو آئی ، سب تو اٹھ کھڑے ہوئے مگر خانم جان پلنگ  
 پر لیٹ گئی کہ میرا سر دکھتا ہے۔ اگر بی اماں پوچھیں تو  
 ہی کہہ دینا۔ یہ سنتے ہی میرے ہوش اڑ گئے اور دل بے چین  
 ہو گیا کہ جس کے لیے یہ سب ڈھکوسلے کیے گئے ، وہی مطلب

۱۔ اس کا نام آگے کہیں نہیں آیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا  
 ہے کہ مہمان ہوگی۔ (مترجم)



حاصل نہ ہوا، تو پھر یہ گانا بجانا تو میرے لیے آواز نوحہ و شیون و ماتم ہے۔ دیکھو اس ستم گر نے شاید یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر پہچان لیا اور درد سر کا بہانہ کر گئی۔ میرا قلق اور بھی ترقی کر گیا اور سوچنے لگا کہ اب کون سی فکر کی جائے جو وہ غارت گر ایمان آئے اور میری آلجہن کو مٹائے۔

وہ کیوں اٹھ کے محفل سے خلوت میں آئیں

وہ کیا جانیں کیا مدعا ہے کسی کا

اتنے میں میرزائی نے کہا ”خیر مضائقہ نہیں، اب تو آپ سے نیاز حاصل ہی ہو گیا، پھر کسی دن جلسہ کریں گے اور آپ کو اچھی طرح گانا سنائیں گے، خانم جان بھی گائے گی۔“ ہر چند اس نے اتنی باتیں بنائیں مگر مجھے چین نہ پڑا۔ میں نے کہا ”خیریت ہے صاحب، مجھے کچھ ایسا زیادہ شوق نہیں ہے، صرف آپ کی عنایت دیکھ کے میں نے بے تکلفانہ یہ بات کہہ دی تھی، مگر افسوس ہے تو اس بات کا کہ آپ سب تو مہربانی فرمائیں اور اخلاق صرف کریں اور صاحب تقریب یوں الگ الگ رہیں، اس سے مجھے تو کھٹکا ہوتا ہے کہ میرا آنا انہیں ناگوار ہوا“ میرزائی نے کہا ”نہیں صاحب، میری خانم اس قدر کج خلق اور بے تمیز نہیں ہے کہ آپ کے تشریف رکھنے سے ناخوش ہو، بلکہ یقین ہے کہ حقیقتاً رات کو جاگنے سے درد سر ہو گیا ہوگا۔ اچھا میں خود جاتی ہوں اور بلائے لاتی ہوں۔“ میں نے کہا ”اس کی کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ آپ تکلیف فرمائیں۔“ محمد اعظم نے کہا ”جناب آپ ان کو جانے دیجیے۔ خانم جان کو یہاں ہونا اس وقت بہت ضرور اور اس کی سعادت ہے۔“

غرض کہ میرزائی تو ادھر گئی، یہاں بی جان نے گلبدن سے

کہا کہ نام خدا میر صاحب بڑے ہی خوش مزاج اور مجموعاً



وصاف ہیں ؛ خصوصاً آپ کو اشعار کس قدر یاد ہیں اور کس خوبی سے پڑھتے ہیں۔“ اس نے کہا ”واقعی تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔ میں کہنے ہی کو تھی کہ جب تک میرا صاحب کوئی شعر ہی پڑھتے۔“ میں اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ ، یہ آپ کا حسن ظن ، ہے کہ میرزائی خانم جان کو لے کر آ پہنچی اور میرے منہ سے نکل گیا ۔

وہ زیب شبستان ہوا چاہتا ہے  
یہ مجمع پریشاں ہوا چاہتا ہے  
خراماں خراماں چلے آتے ہیں وہ  
گلستان گلستان ہوا چاہتا ہے

گلابدن نے میرزائی سے سب باتیں دھرائیں ۔ اس نے کہا ”تو پھر کیا پوچھنا ہے ، ہم بھی مشتاق ہیں ، کچھ سنائیے۔“ چونکہ ہر طرف سے اصرار ہوا ، میں نے اس وقت حسب حال چند شعر پڑھے :

پریدن ہائے رنگ از جلوہ ہائے کیست میدانم  
طپیدن ہائے دل زاواز پائے کیست میدانم

(حزین)

انچه رحم از دل برد تاثیر فریاد من است  
وانکہ نسیاں آورد خاصیت یاد من است  
آن شکارم من کہ ہم لائق بہ کشتن نیستم  
شرم می آید مرا زانکس کہ صیاد من است

شوخی بہ نظر گزشت مارا  
تیرے ز جگر گزشت مارا



الغرض سب نہایت محظوظ ہوئے اور تعریفیں کیں ، مگر اس ستمگر نے ایک حرف بھی منہ سے نہ نکالنا تھا ، نہ نکالا ، خاموش سر جھکائے بیٹھی کی بیٹھی رہی ۔

دامن کی شکن دور سے لیتی ہے بلائیں

بل یار کے ابرو کا آترتا ہی نہیں ہے

میں حیران تھا ، پرورگار ! کس نے اس کے کان میں کہہ دیا کہ میں تم پر مرتا ہوں ، مگر مجھے معلوم ہے کہ یہ مشاطگی اس خانہ خراب دل کی ہے ۔ محمد اعظم نے پوچھا ”بی خانم جان ! خیریت تو ہے ؟ مزاج کیسا ہے ۔“

فرمایا ”کیاں کہوں استاد جی اس وقت درد سر شدت سے ہے ۔“

گلبدن نے کہا کہ جب تک ہم بیٹھے تھے ، اچھی خاصی تھیں ، ہم اٹھے کہ ان کا مزاج بگڑ گیا ؛ پھر تو ہم چلے آئے ، معلوم نہیں پھر کیسی رہیں ۔ میں نے کہا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے ۔ سب ہنسنے لگے مگر وہ مسکرائی تک بھی نہیں ۔

ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے

فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے

اس وقت بے اختیار جی چاہا کہ آٹھ کے بلائیں لے لوں ۔ گلبدن نے کہا کہ اچھا تم چپ بیٹھی رہو ، تکلیف نہ کرو ۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور سر جھکائے ایک سکوت کے عالم میں ہو گئی ۔

میرے نالے سے بھی مطلب نہیں ہوتا ظاہر

تیرے چپ رہنے میں انداز بیاں ہوتا ہے

۱ - اس طرح بہت سے شعر حضرت نے پڑھے جس کے تین حصے پانچ صفحات پر ہیں ۔ ایک عام عاشقانہ انداز کے ، دوسرے حسینوں کی تعریف میں ، تیسرے اپنے حسب حال ۔ میں نے وہ سب چھوڑ دیے (مترجم)۔



اس کے بعد گانا شروع ہوا۔ چونکہ میں دو تین دن سے  
بہت کر رہا تھا، دل بھر آیا اور کلیجہ آسنڈنے لگا۔ بے اختیار  
میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہچکیاں بندھ گئیں۔  
عزلیں بھی بڑے سوز و گداز کی تھیں جس نے بے چین کر دیا اور  
یک سماں بندھ گیا۔ اس وقت میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

تنگی از دل نہ رود تا تو دہاں نکشائی

مشکل آساں نہ شود تا تو زباں نکشائی

گلبدن وغیرہ نے مسکرا کے ایک دوسرے کو دیکھا اور  
حظہ بھر کے بعد میری کافر ادا نے ایک تان اس طرح لی گویا  
گوں سے جان کھنچتی ہے۔

بچیں بلبل مری برق فغاں سے

خبردار اپنے اپنے آشیان سے

ساتھ ہی یہ غزل حضرت حافظ شیراز کی شروع کی:

یا رب آن شمع شب افروز ز کاشانہ کیست

جان ما سوخت نہ پرسید کہ جانانہ کیست

حالیا خانہ بر انداز دل و دین متن است

تا ہم آغوش کہ ملی باشد و ہم خانہ کیست

بادہ لعل لبش کز لب من دور مباد

راح روح کہ واپیان دہ پیمانہ کیست

دولت صحبت این شمع سعادت پر تو

باز پرسید خدا را کہ بہ پروانہ کیست

۱۔ دیکھیے خانم جان کیا ستم کر رہی ہے۔ اب آپ لوگوں کا کتاب

میں جی لگے گا، چوٹیں شروع ہو گئیں۔ (مترجم)



می دہد ہر کسش افسونی و معلوم نہ شد  
کہ دل نازک او مائل افسانہ کیست  
اس شعر کو مکرر کہہ کر گایا :

یا رب این ماہ وش ، ماہ رخ و ماہ افروز  
در یکتائے کہ و گوہر یک دانہ کیست  
گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ بے تو  
زیر لب خندہ زناں گفت کہ دیوانہ کیست

اس غزل سے عالم ہی اور ہو گیا اور سب کی حالت متغیر تھی  
اور وہ ستمگر سر جھکائے جس طرح گا رہی تھی، ہرگز سر نہیں اٹھاتی  
تھی۔ میں مضمون غزل سے سمجھا کہ اس کے دل پر بھی کچھ اثر  
ہوا ہے، مگر گویا اس بات کو تحقیق کرنا چاہتی ہے کہ اتنوں  
میں کس پر ان کا میلان طبع ہے، لہذا میں نے میرزائی سے کہا  
کہ اگر یہ غزل یاد ہو تو سنوائیے۔ اس نے کہا کہ ہم سب  
ان غزلوں میں خانم جان کے ساتھ ہیں اور اس سے کہا کہ بی خانم  
یہ غزل گاؤ :

رواق منظر چشم من آشیانہ تست  
کرم نما و فرود آ کہ خانہ ، خانہ تست  
بلطف خال و خط از عاشقان ربودی دل  
لطیفہ ہائے عجب زیر دام و دانہ تست  
دلت بوصل گل ای بلب چمن خوش باد  
کہ در چمن ہمہ گل بانگ عاشقانہ تست  
علاج ضعف دل ما بلب حوالت کن  
کہ این مفرح یاقوت در خزانہ تست  
من آن نیم کہ دہم نقد دل بہر شوخی  
در خزانہ بہ مہر تو و نشانہ تست



بہ تن مقصرم از دولت ملازمتت  
ولے خلاصہ جاں خاک آستانہ تست  
اس شعر کی میں نے مکرر فرمائش کی :

تو خود چہ لعبتی ای شہسوار شیریں کار  
کہ توسنی چو فلک رام تازیانہ تست  
چہ جائے من کہ بلغزد سپہر شعبدہ باز  
ازیں حیل کہ در انبانہ بہانہ تست  
سرود مجلس است اکنوں فلک برقص آرد  
کہ شعر حافظ شیریں سخن ترانہ تست  
اس کے بعد پھر اس نے یہ شعر گائے :

اے از تو بے آرام جاں آرام کیستی  
بردی زمن تاب و تووان تاب و تووان کیستی  
سوزم فزاید ساز تو دل می رباید ناز تو  
ہوشم برد انداز تو سرو روان کیستی  
از غمزہ دلہا دوختہ وز چہرہ جانہا سوختہ  
اے آتشے افروختہ از دودمان کیستی  
از عاشقان تو شدم بے خانمان تو شدم  
من خود از ان تو شدم تو خود از ان کیستی  
کشتی مرا از تیغ کیں مالیدہ باز آستیں  
اکنوں بگو ای نازنین در امتحان کیستی

اس شعر کی دوبارہ میں نے استدعا کی - بعد اس کے یہ  
چند شعر گائے :

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ  
بحیرتم کہ عجب تیر بے کہاں زدہ



کجا روم بکہ گویم بگو چہ چارہ کم  
کہ تیر عشق مرا در درون جاں زدہ

یہ شعر گاتے گاتے کنکھیوں سے میری طرف دیکھ کے اس نے  
مسکرا دیا اور زیر لب کچھ کہا؛ گویا مجھ پر بجلی سی گر پڑی اور  
دل سینے میں تڑپ گیا۔

نہ کیوں کر بس مرا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر  
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر  
ایسا مزے دار گانا اس وقت ہوا کہ سب کے سب بے کیف  
ہو گئے۔ محمد اعظم نے میرزائی سے کہا کہ دن کو ہر گز یہ  
لطف نہیں ہوا تھا۔ میرزائی نے کہا ”یہ سب آپ کے قدم کی  
برکت ہے۔“ اسی اثنا میں چنبل جان نے خادمہ کو بھیجا کہ  
بی میرزائی آپ آ کے اپنے سامنے سب کہیں حصہ بھیجوا دیجیے۔  
میرزائی نے مجھ سے اجازت چاہی اور عذر کیا کہ میں کبھی آپ  
کو چھوڑ کے نہ جاتی، لیکن مجبور ہوں، بغیر میرے تقسیم نہ  
ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ اگر زندگی باقی، پھر خدمت گذاری کو  
حاضر ہوں؛ اور محمد اعظم سے کہا ”معلوم ہوتا ہے میر صاحب  
کو کسی سے تعلق بھی ہے؛ جب ہی تو یہ گداز، یہ سوز و ساز  
طبیعت میں ہے۔“ گلبدن نے کہا ”واقعی، مجھے بھی ایسا ہی شبہ  
ہوتا ہے۔ بے شک کسی پری پیکر سے آنکھ لڑ گئی ہے، بقولے :

دل آ شفتہ و چشم خوں بار داری  
مگر با محبت سروکار داری

۱۔ ”مزے دار گانا سن کر سب کے سب بے کیف ہو گئے“ یہ  
تصرف مترجم کا معلوم ہوتا ہے، مصنف کا مقصد ہوگا کہ سب پر کیفیت  
طاری ہو گئی“۔ (مرتب)



میں نے مسکرا کے میرزائی سے کہا کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ اس نے قہقہہ لگایا کہ اپنی خوش قسمتی پر مجھے خود رشک کرنا چاہیے۔ میں نے پھر کہا ”صاحب میں کہاں اور عشق کہاں۔ میرا سر شوریدہ اور قلب ناتواں اس بار گراں کا متحمل کیسے ہو سکتا ہے۔“

تجھی سے ہیں اے میر یہ خواریاں

نہ بھائی! ہماری تو طاقت نہیں ہے

ہاں طبیعت میں اضطراب اور چوٹ فطرتی ہے جس سے بے چین ہو جاتا ہوں اور آنسو نکل پڑتے ہیں۔

دل میں اک درد اٹھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

گلبدن نے ہنس کے کہا ”اے بی! میر صاحب خود ہی سراپا معشوق ہیں، یہ بھلا کا ہے کو کسی پر عاشق ہونے لگے، اور بڑے نصیب اس کے جس پر یہ مائل ہو جائیں، اس کی قسمت کی قسم کھانا چاہیے۔ مترجم

جس طرف جاؤں حسیں لوٹ ہوئے جاتے ہیں

عجب انداز سے پیدا ہوئی صورت میری

اس پر میری شوخ مزاج جاناں نے کہا کہ بہن تم بھی لگے ہاتھوں عاشق ہو لو، بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو، بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ عاشقی کا پیام بھیج دو، ایسا مال یغا لقمہ تر کب کہیں مل سکتا ہے۔ گلبدن نے اس کو ٹال کے پھر کہا کہ آپ کچھ ہی کہیے، میں نہ مانوں گی۔ بے شک کہیں آپ پھنسے ہوئے ضرور ہیں۔ وہ تو آپ کا ہر انداز کہے دیتا ہے کہ کچھ دال میں



کالا ہے -

چشم بے درد تر نمی باشد

هر صدف پُر گهر نمی باشد

میری معشوقہ نے اس پر فرمایا کہ ایک شعر مجھے بھی ایسا

ہی یاد آیا ہے :

ہوائے بادہ اگر نیست در سرت فیضی

دل پر آتش و چشم پر آب یعنی چہ

میں نے کہا ”اے صاحب! عشق کرنے کو بھی حوصلہ اور

دل شوریدہ درکار ہے مگر میں پہلے ہی کہہ چکا کہ ایک لگاؤ

البتہ طبیعت میں ہے جس سے بے اختیار ہو جاتا ہوں -

لپکا ہے پڑا بزم حسیناں کا ہمیں بھی

راتوں کو پہنچ جاتے ہیں ہم بھیس بدل کر

پھر میں نے دبی زبان سے یہ شعر پڑھا :

سودائے تازہ بسر زلف کردہ ایم

آگاہ نیستیم ز سود و زیاں ہنوز

دل اک بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے

خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

اس پر سب ہنس پڑے - ہر چند میں نے یہ الفاظ کہے، مگر

اپنے اوپر نفرین کرتا تھا کہ کیوں میں نے یہ کہا اور رونے کو

ضبط کس لیے نہ کیا، آنسو پی گیا ہوتا - مگر اب کیا ہو سکتا ہے

۱ - حسن شاہ آدمی خوش رو اور نوجوان تھے اور وہ البیلیاں سب کی

سب طبیعت دار تھیں - ہر ایک کو بچائے خود ان کی طرف میلان ہوا -

ان کا بھید لینا ضرور پڑا، اس لیے یہ اڑنگھائیاں اور دور کی چوٹیں

ہونے لگیں - (مترجم)



سراغِ قافلہ! اشک کیجیے کیوں کر  
 نکل گیا ہے وہ کوسوں دیارِ حرماں سے  
 ایسی ہی خوش گپیاں ہو رہی تھیں، کہ دوبارہ کنیز آئی  
 بی بی غصہ کرتی ہیں، جلد آئیے۔“ میرزائی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے  
 کہا ”آپ سب صاحبوں نے ایسی مہربانی کی اور اس قدر مخطوظ  
 رمایا کہ جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ بھوک پیاس تک جاتی  
 رہی۔ خدا سب کو ہمیشہ خوش رکھے۔“ چونکہ رات زیادہ  
 چکی تھی، میرزائی نے مجھ سے زیادہ اصرار بیٹھنے کا تو نہیں  
 کیا مگر کہا کہ دو باتیں قبول فرمائیے۔ ایک تو یہ کہ  
 ہمارے آدمیوں نے دولت خانہ نہیں دیکھا ہے، اپنا خدمت گار  
 چھوڑتے جائیے کہ آپ کا حصہ بھیج دیا جائے، دوسرے یہ کہ  
 کبھی کبھی ادھر بھی ہو نکلا کیجیے۔“

اس طرف بھی آنکل او چاند کے ٹکڑے کبھی  
 میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی  
 میں نے کہا ”انشا اللہ ضرور بہ وقت فرصت آیا کروں گا اور  
 آدمی بھی چھوڑے جاتا ہوں۔“ میرزائی تو رخصت ہو کے چلتی  
 ہوئی، میں بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سب بھی اٹھے۔  
 گلبدن نے کہا کہ میر صاحب! پھر بھی ضرور آئیے گا، آپ کو واللہ۔  
 میں نے کہا:

غلامِ حضرت عشقم کرم بہائے من است

ہر آن کہ بندہ بخواند سرا، خدائے من است

”آپ سب صاحبان کی عنایت چاہیے“ اور سب کی طرف ہاتھ  
 سے اشارہ کیا۔ میری جاں جہان نے تنک کے کہا کہ بہ خیریت،  
 بی گلبدن آپ پر عاشق ہیں۔ البتہ ان کی مہربانیوں کی آپ منتظر  
 رہیں اور وہ آپ کی۔ میں نے کہا ”خیر ہم یوں بھی اچھے رہے،“



کوئی عاشق ہے تو کوئی معشوق سہی۔“ فرمایا کہ دونوں ہی ہوں گے، دوسرے کو کیا غرض۔ میں نے کیا کہ خیر:

وہ نادان انجان بھولے ہیں ایسے  
کہ سب شیوہ دشمنی جانتے ہیں  
اب تو چار ناچار چلنا ہی پڑا۔ رخصت ہوتے ہوتے یہ شعر  
پڑھ دیا:

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے  
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا  
چونکہ دل آنے کو چاہتا نہ تھا اور اب کوئی حیلہ بھی نہ  
تھا، لہذا میں نے گلبدن سے کہا ”لو کیا یاد کرو گی، چلتے چلتے  
چند شعر سنائے دیتے ہیں۔“ اس نے کہا ”واہ! نیکی اور پوچھ  
پوچھ، ضرور ارشاد فرمائیں۔“  
اشعار یہ ہیں:

بلبل بہ گل نشان دہد از رنگ و بوئے تو  
پروانہ با چراغ کند جستجوئے تو  
تا باشدم بہانہ از بہر بازگشت  
دل را بجا گذارده رقم بکوئے تو

خواجہ دانست کہ من عاشقم و ہیچ نہ گفت  
حافظ ار نیز بدانند کہ چنیم چہ شود  
نہ تنہا باتو نازے هست واقف آن پری رو را  
ز شوخی عالمی دارد کہ باعالم نمی سازد  
گلبدن وغیرہ بہت ہی خوش ہوئیں اور محمداعظم سے کہا  
کہ تم نے غضب کیا، اب تک آپ کا ذکر نہ کیا۔ آپ تو سراپا  
باع و بہار ہیں۔ کاش ہم کو پہلے سے آپ کا حال معلوم ہوتا تو



بڑے لطف سے گزرتی۔“ میں نے کہا ”یہ سب آپ کی مہربانی ہے۔ چونکہ ”کل امر مرہون باوقا تھا“ مشہور ہے اس لیے قبل از وقت کیسے ملاقات ہوتی۔“ اس نے کہا ”خیراب ہوئی ہے تو اس کا بہا ضرور ہے، ایسا نہ ہو بھول جائیے۔“ میں نے کہا ”نہیں نشا اللہ ضرور آؤں گا“ اور چل کھڑا ہوا۔

جاتے ہیں تیرے کوچے سے قاتل خفا نہ ہو  
ٹکڑے تو ڈھونڈ لیں دل صد پاش پاش کے  
جب گھر پہنچا تو دل میں کہا ”یہ اچھی ہوئی، برے  
بھنسے، خدا ہی حافظ ہے۔“

جور فراق بھی ستم آساں بھی ہے  
دل کی طرف سے یاس بھی ہے خوف جاں بھی ہے  
اس تازہ چوٹ اور شیفگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کبھی کبھی  
پختہ میں شعر بھی کہہ لیتا اور استادوں کے بھی اردو شعر  
ہت سے پڑھا کرتا تھا، مگر بخوف طوالت ان کو لکھا نہیں۔  
گھر میں آکے عجب حالت کرب میں تھا۔ کبھی آج کی صحبت  
ور اس سے بات چیت ہونے کی خوشی ہوتی تھی، اور کبھی اپنی  
حالت زار پر افسوس ہوتا تھا، اور کبھی سوچتا تھا کہ خدایا اس  
کا انجام کیا ہوگا اور صورت نامہ و پیام اور صحبت وصال و ملاقات  
کس طرح حاصل ہوگی۔ یہ مفت کا درد سر اور عذاب جان خدا  
جانے کیا رنگ لائے :

بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج  
دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

۱۔ یہی سبب ہے کہ اصل ناول فارسی زبان میں ہونے کے باوجود  
اردو اشعار بھی بکثرت درج ہیں۔ (مترجم)



انہیں آلجہنوں اور جان کاھیوں میں بیمار ہو گیا۔ میرے  
نانا صاحب یہ خبر سن کر دوڑے آئے اور دفع تپ و درد سر  
کے لیے نسخہ تجویز کیا۔ میں اپنے جی میں ہنستا تھا کہ مرض  
کیا ہے اور دوا کیا تجویز ہو رہی ہے :

نشتر چہ زنی رگ جنوں را

آگاہ نہ تپ دروں را

پرساں حال زار نہیں کوئی ہجر میں

ہم دل کا درد کس کو بتائیں کراہ کے

انہیں دنوں میرا بنگلہ بھی تیار ہو گیا۔ صاحب بہادر نے  
کہا ”اب اس میں کیوں نہیں اٹھ آتے۔“ مجبوراً روشن علی صاحب  
کے مکان سے اٹھ آیا۔ اگرچہ دل نہیں چاہتا تھا، کیونکہ دو  
وقتہ آس گلی سے آنے جانے میں امید تھی کہ شاید پھر خیمے میں  
جانا ہوگا، مگر صاحب کا حکم نہ ٹال سکا۔ اتنی مدت میں  
اتفاق کی بات کہ محمد اعظم سے بھی ملاقات نہ ہوئی کہ کچھ  
حال ہی معلوم ہوتا :

درد تھا اک، دل بیمار کا غم خوار قدیم

اب یہ صورت ہے کہ وہ بھی نہیں پرساں ہوتا

مگر جس دن میرا اسباب آتا تھا اور میں اس مکان سے رخصت  
ہو کے آ رہا تھا، محمد اعظم کو اس مکان سابق پر کھڑا دیکھا۔  
مجھ سے مزاج پرسی کے بعد درخواست کی کہ اگر فرصت ہو تو دم بھر  
کے لیے ہوتے جائیے؛ میں تو چاہتا ہی تھا۔ مگر وہ اندر تو  
مجھے لے نہیں گیا، وہیں کھڑے کھڑے یہ خبر تازہ سنائی کہ  
بخشی صاحب کل براہ دریا کلکتے جاتے ہیں اور ہم کو بھی جواب  
دے دیا۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ چنار گڑھ جائیں۔ میرے ہوش  
اڑ گئے کہ الہی یہ کیا غضب ہوا :



مدت سے لگ رہی تھی لب بام ٹکٹکی  
 تھک تھک کے گر پڑی نگہ انتظار آج  
 مگر میں نے دل میں کہا 'خدا مسبب الاسباب ہے، کوئی  
 صورت کر ہی دے گا،':

زاہد برو کہ طالع اگر طالع من است  
 جانم بدست باشد و زلف نگار ہم  
 اتفاق سے اس وقت اندر بھی جانا نہ ہوا اور میری معشوقہ  
 بھی باہر نہ آئی۔ بہت ہی رنجیدہ ہوا۔ بنگلے پر آیا تو یہ نیا  
 سودا ساتھ لایا۔ اب اضطراب و غم کا کیا پوچھنا تھا۔ کسی  
 طرح چین نہیں، آرام نہیں، ہزاروں خیالات کا ہجوم اور چارہ کار  
 مفقود؛ نہ مونس و ہمدم، نہ شفیق، نہ ہم راز۔ کہوں تو کس سے  
 کہوں اور کروں تو کیا کروں:

شریک حال عاشق بے کسی میں کون ہوتا ہے  
 جو نکلی بھی تو کچھ دل سوز آہ آتشی نکلی  
 کروٹیں بدلتے بدلتے پہلو دکھ گئے اور تارے گنتے گنتے  
 آنکھیں پتھرا گئیں۔ دن کاٹنا پہاڑ ہو گیا اور رات کا دامن گویا  
 دامن قیامت سے بندھا تھا۔ مومن

دن بھی دراز رات بھی ہو گئی ہجر یار میں  
 کافے سے فرق آگیا گردش روزگار میں  
 رات بھر نیند نہ آئی۔ صبح ہوتے ہوتے آنکھ لگ گئی تو  
 خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا "اٹھ،"  
 میں اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جناب والد مغفور ہیں۔ میں  
 بے اختیار قدموں پر گر پڑا۔ فرمانے لگے "تجھے اس حال میں دیکھ  
 کے چین نہ آیا۔ تم ہرگز پریشان و ہراساں نہ ہو۔ خدا کارساز  
 ہے، مایوس نہ ہونا چاہیے، آسے یاد کرو اور سیرکتب میں اپنا



جی بہلاؤ۔“

اتنے میں میری آنکھ کھل گئی - آنسو بھر آئے کہ اے واے  
میں نے کچھ اپنے لیے زیادہ نہ پوچھ لیا - مگر قلب کو سکون  
تھا اور اس حالت شبینہ میں فرق پایا - دل میں سوچا کہ حسن شاہ !  
رونا دھونا دازائی سے بعید ہے اور اس سے ہوتا ہی کیا ہے :  
بال و پر ٹوٹے ہوئے پرواز کی طاقت نہیں  
تاک میں صیاد اور گلشن کی دیواریں بلند  
اگر ہو سکے تو اس سوداے خام کو چھوڑو اور اپنی راہ  
لو ، اور اگر ضبط نہیں ہو سکتا ہو تو خدا پر بھروسہ رکھو ، مشیت  
میں کیا ہے - ہمت ہارنا نامردی ہے - اگر اس رونے دھونے  
اور رنج و غم میں جان دے دوگے ، کیا فائدہ ؟ پھر وصال کیا  
اور ہجر کیسا - تم ہی انوکھے تو پھنسے نہیں ہو ، ہزاروں اس  
وادی میں آئے اور ایک نہ ایک دن کامیاب ہو گئے - گو بہت سے  
نامراد بھی گئے ، مگر نامرادی اور ناکامیابی کے یہی ڈھنگ ہیں  
جو تم کر رہے ہو - زندگی ہے تو سب کچھ ہو رہے گا -  
لالہ رام نرائن -

### رباعی

آزادہ' شدیم بندگی را عشق است  
در راہ طلب دوندگی را عشق است

۱ - واہ لالہ جی آخر بھاگ نکلے اور یہ نہیں سنا :

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق  
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

رباعی کا مضمون ، الفاظ کی شستگی ، خصوص دوندگی کا کیا کہنا  
(مترجم) -



امروز چہ می خوری غم فردا را

اے یار عزیز زندگی را عشق است

انہیں خیالات میں صبح ہو گئی - نماز وغیرہ سے فراغت کر کے  
میں نے تبرید لی اور کتابوں کا صندوق کھولا - پہلے جو جزدان  
کھولا ، اس میں والد مرحوم کی بیاض نکل آئی - چونکہ اس میں  
سب کچھ تھا ، اسی کو پلنگ پر آ کے دیکھنے لگا - چند ورق الٹے  
ہی تھے ، ایک جگہ دو تین عمل لکھے نظر آئے - ایک عمل  
عقدالطریق کا بھی تھا - میرے جی میں آیا کہ اسے پڑھنا چاہیے  
تاکہ اعظم جی کا جانا موقوف ہو جائے - حساب جو کرتا ہوں  
تو وہی دن عمل کے واسطے معین تھا - اس کو شگون نیک  
سمجھ کر میں نے عمل پڑھا اور عصر کے وقت سوار ہو کر ادھر  
گیا مگر وہاں کوئی نہ ملا - میں نے بخشی صاحب کے کوچ کی  
خبر لینے کے بہانے سے اپنے خدمت گار کو محمد اعظم کے پاس  
روانہ کیا اور خود دریا کی طرف بڑھا -

جب اپنے بنگلے کو واپس آیا تو خدمت گار نے بیان کیا  
کہ محمد اعظم کہتا تھا کہ بخشی صاحب دو دن ہوئے ، چلے  
گئے اور ہم کو انعام و اکرام جو کچھ دینا تھا ، دے گئے ،  
اب ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں - کل خیمے یہاں سے اکھاڑ  
کے سرراہ نصب کریں گے - کشتی کی تلاش کر رہے ہیں ،  
ہنوز کوئی ٹھہری نہیں - اگرچہ یہاں بھی کئی انگریزوں نے نوکری  
کا پیام دیا مگر ہم کو کوئی ایسا صاحب حوصلہ نظر نہیں آتا

۱۔ گویا میر صاحب کو اپنے والد بزرگ کی نسبت سے عمل تسخیر  
حاصل ہو گیا اور بے چارے کی سادگی دیکھیے کہ ابتداءے عشق ہی میں  
انتہا کے خواب دیکھنے لگے - (مترجم)



کہ ہمارا بار اٹھا سکے ، اس لیے مصمم ارادہ ہے کہ چنار گڑ  
میں ہولیر صاحب کے پاس جائیں۔ پہلے بھی اس سے وعدہ ک  
چکے ہیں۔ اس خبر سے میں زیادہ متوحش ہوا مگر :  
در مذہب عشق نا امیدی کفر است  
امداد غیبی پر بھروسا تھا۔

دو تین دن اسی بیم و رجا میں گزرے ، چوتھے دن میں  
خدمت گار کو خبر لانے کے لیے پھر محمد اعظم کے پاس بھیجا۔  
وہ خود اسی کے ساتھ سراسیمہ پریشان چلا آیا :

بے قراری نہ جگہ پھیل کے لینے پائی  
آن کے کوچے میں لگا آئے ٹھکانا دل کا

میں نے کہا ”خیر تو ہے ؟ کیوں اس قدر بد ہو اس ہو۔“  
اس نے کہا ”ہم پر ایک آفت تازہ نازل ہو گئی ہے جس سے  
سب کے سب حیران ہیں۔ کل رات کو گلبدن خانہ خراب کسی  
انگریز کے ساتھ بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش کیا ، کہیں پتا  
نہیں ملتا ، اور اتنے بڑے کارخانے کا دارومدار اسی کی کہائی پر  
تھا۔ اب کہاں کا سفر اور کس کا مقام۔ ہوش اڑے ہوئے ہیں  
کہ یہ بوجھ کیسے اٹھے گا اور کیونکر بیڑا پار لگے گا ؟ گذران  
کی صورت کیا ہوگی۔“

میں نے کہا ”خدا رزاق ہے۔ لیکن کچھ فکر بھی کی گئی  
ہے یا یوں ہی بیٹھے ہو؟“

اس نے کہا ”فکر کیا ہے ، یہ مشورہ قرار پایا ہے کہ ہم  
سب تو یہیں رہیں اور چنبل جان چند ملازم لے کے کسی تیز رفتار  
کشتی پر سوار ہو کے پورب کو جائے ، کیونکہ سنا گیا ہے کہ  
وہ انگریز پورب کی طرف گیا ہے ، شاید مل جائے ؛ مگر ہم جب  
تک یہاں کیوں کر بسر اوقات کریں گے۔ خانم جان کی نوکری اور



کسب کرنے سے اعظم جی رضا مند نہیں ہیں اور بی جان کی اس  
 گر گرم بازاری نہیں کہ معقول تنخواہ کوئی دے سکے۔ اگر  
 پ کوئی عمل عنایت کریں تو بہتر ہے۔“

میں نے کہا کہ ایک دن اور ایک رات گذر گئی، اب عمل  
 کام نہیں دے سکتا۔ اور اگر چار پہر کے اندر خبر ہوتی تو  
 بے شک میں ایک مجرب تعویذ دیتا۔ تاہم اس کے اطمینان  
 کو دستک دے دی اور کچھ لکھ کے بھی دے دیا۔ وہ چلا گیا۔  
 جب میں نے یہ خبر سنی تو کسی قدر تسکین ہوئی اور  
 دوسری فکر سوچنے لگا :

یہ انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو

مٹھو نامی ایک شخص قلتبان ا ہمیشہ منگ صاحب کے لیے  
 عورتیں لایا کرتا تھا۔ اس کو میں نے اپنے پاس بلوایا، کچھ انعام  
 دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے میں نے کہا ”اس کشمیری  
 طائفے کو جانتا ہے اور اس کے یہاں تو آتا جاتا ہے؟“  
 اس نے کہا ”ہاں سب کو جانتا ہوں۔“

اس زمانے میں چار طائفے کشمیری کانپور میں مقیم تھے۔  
 سب کے حالات اس نے بیان کیے۔ گلبدن کا بھاگنا اور اعظم جی  
 کا چنار گڑھ کی طرف قصد کرنا بھی بیان کیا۔ تب میں نے کہا  
 کہ میں چاہتا ہوں کسی طرح تو اس طائفے کی تعریف صاحب  
 کے سامنے بیان کر، جس میں صاحب ان کو نوکر رکھ لیں۔  
 اس نے مستعدی کے ساتھ اقرار کیا۔ میں نے اس کو اور  
 بھی انعاموں کا لالچ دے کر رخصت کیا۔

اس نے اسی وقت صاحب کے ہنگلے میں جا کے باتیں بنانا

۱۔ دلال یا ایجنٹ جو عیاش رؤساء کے لیے عورتیں مہیا کرتے تھے۔  
 (مرتب)



شروع کیں اور اس طرح چرب زبانی کی کہ صاحب کو رضا مند کر لیا۔ مگر صاحب نے کہا ”وہ لوگ بیش قرار تنخواہ مانگیں گے، ان کے مصارف بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ اس قدر اخراجات کا تحمل مجھ سے نہ ہو سکے گا۔“

مٹھو نے کہا کہ جو عورت سر منشاے معیشت اس طائفے میں تھی اور بڑے بڑے سردار اس کے خواہاں تھے، وہ تو بھاگ گئی، اب کم موابج پر بھی وہ رضا مند ہو جائیں گے۔ علاوہ اس کے گو خرچ زیادہ سہی، مگر جب کہ حضور کا نام تمام انگریزوں میں عیاشی میں مشہور ہے، تو ایسے طائفے کو نوکر رکھنا باعث ناموری ہے۔ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں سے بات چیت کر کے معاملہ کروں؟“

صاحب نے کہا ”اچھا آج میں سوچ لوں، کل جواب دوں گا۔“

تیسرے پہر کو جب صاحب سو کے اٹھے، مجھے بلوا کے کہا کہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ آئندہ مستقل طور پر ہندوستانی عورت کو نہ رکھوں گا۔ کھڑا کھیل، فرخ آبادی کا مضائقہ نہیں، مگر آج مٹھو نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے، تمہاری کیا صلاح ہے؟ میں نے کہا کہ آپ مختار ہیں، اگرچہ نام تو ہے مگر خرچ کثیر پڑے گا، اس کا تحمل دشوار ہے۔

صاحب نے کہا کہ میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ میں نے کہا

- 
- ۱۔ اس زمانے میں انگریز بھی ہندوستانی رؤساء کی طرح اس بات پر فخر کرتے اور اس کو باعث شان و ناموری سمجھتے تھے۔ (مرتب)
  - ۲۔ یہ جملہ محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ مقررہ اجرت ادا کی اور وقتی تفریح کر لی۔ (مرتب)



میں تو کبھی اس بات کی صلاح نہ دوں گا ، فضول خرچی سے کیا نائدہ ، اگرچہ جانتا ہوں آپ کی طبیعت جس طرف آ جاتی ہے ، پھر اس کے انجام پر نظر نہیں فرماتے اور اپنی مرضی کے موافق کر گذرتے ہیں ، مگر میں تو یہی کہوں گا کہ بہتر نہیں ہے۔“

کہنے لگا ”میں نے دو دفعہ بخششی صاحب کے یہاں ان کا باج دیکھا اور گانا سنا ہے۔ فارسی غزلیں نہایت خوبی سے گاتی ہیں اور اس طرح بتاتی ہیں کہ طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔“

میں نے کہا ”تو بس معلوم ہو گیا آپ کا مزاج پہلے ہی اغب ہو چکا ہے ، میرے مشورے کی کیا حاجت۔ اور یہ بھی مرض کر چکا ہوں کہ جس طرف آپ کی طبیعت آ جاتی ہے اسے کر ہی کے چھوڑتے ہیں۔ مگر میں اپنے جلتے تو ایسے اسراف کی ائے نہ دوں گا ، آئندہ آپ مالک ہیں۔“

صاحب نے ہنس کر فرمایا ”تم خفا نہ ہو، میں وہی کروں گا جو تم کہو گے ، مگر کل ان کا ایک دفعہ گانا سن لو ، اگر تمہارے ہی پسند آ جائے تو میں نوکر رکھ لوں گا ورنہ خیر۔“

میں نے کہا ”یوں تو میں آپ کا تابعدار ہوں لیکن میں اس بات میں اپنی رضا مندی کبھی ظاہر نہ کروں گا۔ اگر آپ کی عوشی یہی ہے تو پہلے ان کے گویوں کو بلا کے سنیے کہ اگر پسند آئے تو خیر ، ورنہ کچھ انعام دے کے رخصت کر دیجیے گا۔ مگر پھر ایک بار غور فرما لیجیے کہ بہ صورت پسند آپ نوکر رکھ لیں گے تو یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ ان کے اخراجات کس قدر ہیں اور آیا اس کا تحمل ہو سکے گا؟ ایسا نہ ہو کہ چند روز نوکر رکھ کے پھر موقوف کر دیجیے تو اور بھی سبکی اور ہنسی ہو۔“

صاحب بہادر ذرا اس پر تیز ہوئے کہ میں اس قدر



تنگ حوصلہ نہیں ، بار بار اخراجات کی نسبت گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ۔

میں نے کہا ”اگر ایسا ہے تو خیر۔“

صاحب نے اسی وقت مٹھو کو بلا کے حکم دیا کہ کل پہلے مردانہ طائفے کا ہم گانا سنیں گے ، ان کو اطلاع دے دو ۔ وہ وہاں سے میرے پاس آیا اور سب حال بیان کیا ۔

میں نے کہا ”ہاں مجھ سے بھی ذکر آیا تھا اور میں نے اس کے خلاف مشورہ دیا ۔ اس میں ایک مصلحت ہے ۔“

اس نے کہا ”اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں اور صبح کو ان کو لے آؤں گا ۔“

صبح کو میں بیٹھا ہی تھا کہ محمد افضل محمد اعظم کا بیٹا میرے پاس آیا اور میرزائی اور محمد اعظم کی طرف سے سلام کہا اور کہا کہ آج ہمارا مجرا آپ کے صاحب بہادر کے یہاں ہوگا ، یقین ہے کہ آپ بھی اس وقت تشریف رکھتے ہوں گے ۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری تعریف کر دیجیے گا ، کیوں کہ ہم نے سنا ہے ، صاحب آپ کو بہت مانتا ہے اور اس کے مزاج میں آپ بہت دخیل ہیں ۔“

میں نے کہا ”کہہ دینا کہ تم خاطر جمع رکھو ، میں حتی الامکان پہلو تہی نہ کروں گا ۔“ اس نے کہا کہ مٹھو کہتا تھا کہ بغیر منشی صاحب کی مرضی کے تمہارا نوکر ہونا ممکن نہیں ، اس لیے ہم بہت اصرار سے عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ کے تابعدار اور آپ کے خاندان کے قدیم نیاز مند ہیں ۔ آپ ضرور ہمارے حق میں احسان اور نیکی فرمائیں گے ۔ ان دنوں ہم لوگ بہت ہی مراسیمہ اور بے سرو سامان ہو رہے ہیں ۔

میں نے کلمات تشفی اور اطمینان کے کہہ کے اس کو رخصت



یا اور خدا کا شکر کیا کہ خود بخود یہ لوگ میرے کنوڑے  
پر منت پذیر ہوئے۔

دوپہر کو صاحب بہادر جب حاضری سے فارغ ہوئے، مردانہ  
ٹائفہ آیا۔ صاحب نے مجھے بھی بلوا بھیجا۔ چونکہ پہلا مجرا اور  
نت امتحان تھا، انہوں نے اپنے کمال کو خوب ظاہر کیا اور  
نئے فن کو استادانہ ادا کیا۔ غزلیں بھی معرکے کی گائیں جس سے  
صاحب کا یہ حال ہوا کہ سر بھی ہلاتا، پاؤں بھی زمین پر مارتا  
تھا، اور میری تو پوچھو ہی نہیں۔ چونکہ دل تازہ چوٹ کھائے  
ہوئے تھا، بے اختیار رو پڑا۔ صاحب مجھ سے بار بار اشعار کے  
معنی پوچھتا تھا۔

دو گھنٹے مجرا رہا، اس کے بعد صاحب اندر اٹھ گیا اور  
مجھے بلا کے کہا کہ دیکھا تم نے، کیا اچھا یہ لوگ گاتے ہیں۔  
میں نے کہا ”واقعی میں نے بھی بڑے بڑے کلاونٹوں  
ویوں کو سنا ہے مگر یہ اپنے فن میں یکتا ہیں۔“

صاحب نے کہا ”میں نہ کہتا تھا کہ تم بہت پسند  
کرو گے۔“

تب تو میں نے کہا کہ اگر ایسا میں جانتا، ان کے مجرے  
کی صلاح بھی نہ دیتا۔

اس نے کہا ”آخر کیوں؟“ میں نے کہا ”در حالیکہ آپ  
نے اس قدر پسند کر لیا ہے، اب خواہ مخواہ آپ انہیں نوکر  
کے لیں گے۔ اور میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ آپ زیر بار  
ہوں۔“

اس نے کہا ”جب کہ تم اس قدر اس کے گانے سے خوش  
ہو گئے ہو، پھر کیوں روا دار نہیں ہوتے۔“  
میں نے عرض کیا ”اس لیے کہ مبادا چند روز کے بعد آپ



موقوف کر دیں۔“

اس پر بگڑ کے فرمایا کہ یہ بات بار بار مت کہو، مجھے  
کیا نرا کم ڈارف تم نے سمجھ لیا ہے؟

میں نے کہا ”تو پھر اب مجھے کوئی حجت نہیں ہے۔“  
صاحب نے فرمایا کہ ان کو انعام دے کے رخصت کر دو۔  
میں نے کہا کہ اس وقت یوں ہی جانے دیجیے۔ شب کو زنانہ  
طائفے کا بھی مجرا دیکھ لیجیے، اس وقت اکٹھا انعام دے دیجیے گا۔  
اور مٹھو کو علیحدہ بلا کے میں نے کہہ دیا کہ محمد اعظم  
کو سمجھا دے، میں نے تمہاری قرار واقعی سفارش کر دی ہے،  
اب تم سلام کر کے چلے جاؤ، شب کو زنانہ طائفے کا مجرا ہوگا۔  
وہ تو سب رخصت ہوئے، صاحب نے پوچھا کہ کچھ  
انعام بھی تم نے دیا؟

میں نے کہا ”اس وقت کیا دیتا، رات کو یک مشت دے  
دیا جائے گا۔“

اس نے ہنس کے کہا کہ ”برائے‘ خرچ بی بی دل شا گوارا  
نمی کند، شا چہ طور جوان ہستید۔“  
میں نے کہا ”یہ بات نہیں ہے بلکہ سرکار کی خیر خواہی  
کو میں سب باتوں پر مقدم سمجھتا ہوں۔“

صاحب نے فرمایا ”اچھا جو تمہارا جی چاہے کرو۔“  
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا  
دیکھیے وہ کیا کریں ہم کیا کریں

۱۔ اس فقرے کو اصل ہی لکھ دیا، اس میں لطف ہی اور ہے،  
ترجمے میں یہ بات کہاں۔ (مترجم)  
(یعنی)۔ ”عورتوں پر خرچ کرنے کے لیے تمہارا دل گوارا نہیں کرتا،  
تم کیسے جوان ہو۔“ (مرتب)



رات کو صاحب نے اپنے چند انگریز دوستوں کو بھی مدعو کیا اور کھانے کے بعد آٹھ بجے ناچ شروع ہوا۔ صاحب نے ہرکارہ بھیجا کہ آپ کو بلاتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا ”جب کام سے فرصت ہوگی آؤں گا۔“ صاحب نے پھر آدمی بھیجا کہ سب کام چھوڑ کے چلے آؤ؛ چنانچہ میں گیا۔ صاحب نے اپنے برابر کرسی پر مجھے بٹھایا اور گانے کا حکم دیا۔ خانم جان نے پہلے مبارک باد گائی، پھر یہ غزل شروع کی:

خوش تر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیسست  
چونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری معشوقہ کو حافظ کی غزلیں یاد ہیں اور ان دنوں میں بھی ”دیوان حافظ“ بیشتر دیکھتا تھا، لہذا اس غزل کی فرمائش کے لیے میں نے صاحب سے کہا:

### غزل

حال دل باتو گفتنم ہوس است  
خبر دل شنفتنم ہوس است  
طمع خام ہیں کہ قصہ فاش  
از رقیبان نہفتنم ہوس است  
شب قدرے چنیں عزیز و شریف  
با تو تا روز خفتنم ہوس است  
از برائے شرف بنوک مژہ  
خاک راہ تو رفتنم ہوس است  
اے صبا امشب مدد فرمای  
کہ سحرگہ شگفتنم ہوس است  
ہمچو حافظ بزعم مدعیان  
شعر رندانہ گفتنم ہوس است



صاحب بہادر بار بار مجھ سے معنی پوچھتا تھا اور اپنی زبان میں دوسرے انگریزوں کو سمجھاتا تھا۔ اس کے بعد خانم جان نے یہ غزل شروع کی :

رسید مژدہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند  
چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند  
غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانہ  
کہ این معاملہ تا صبح دم نخواہد ماند  
سحر ز ہاتف غیم رسید مژدہ بگوش  
کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نخواہد ماند

ایک دو بار تو صاحب نے مجھ سے معنی پوچھے پھر ایسا محو ہوا کہ مبہوت بن گیا۔ دوسرے انگریز بھی بہت ہی محظوظ ہوئے۔ بار بار ہاتھ ' پاؤں پٹکتے تھے۔

جان ہیڈ صاحب اور وارنٹ صاحب نے دو دو اشرفیاں میرزائی کو انعام دیں اور بہت ہی تعریف کی۔ آدھی رات تک جلسہ رہا۔ صاحب نے گھڑی دیکھ کے کہا کہ منشی صاحب بارہ بج گئے۔ میں نے کہا کہ اب آپ اپنے ہاتھ سے ' پاندان اور چو گھڑا ان کو دے دیجیے، یہ رخصت ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صبح کو جب میں صاحب کے پاس گیا مجھ سے فرمایا کہ ول ' حسن شاہ تم رات کو بیشک عاشق ہو گئے۔ میں نے کہا "یہ کیا" کہنے لگا "سب سے زیادہ تم روتے تھے، معلوم ہوا گانا بہت آپ کے پسند آیا۔" میں نے کہا "گانا چیز ہی ایسی ہے۔"

۱ "حرکات میمونی" (مترجم)۔

۲ - گویا صاحب بہادر راہ و رسم منزل سے بخوبی واقف تھے۔ (مرتب)۔

۳ - "Well" انگریز کا مخصوص طرز تخاطب۔ (مرتب)۔



بچہ پر کیا موقوف ہے ، حیوان تک سن کے مست ہو جاتے ہیں ۔  
 اور میرے رونے کی خصوصیت کچھ عورتوں کے گانے پر نہیں ،  
 ان کو مردوں نے گایا تھا ، جب بھی میں بے حال ہو گیا تھا ۔“  
 صاحب نے کہا ”تم بہت نازک دل ہو۔“ میں نے کہا ”میرے  
 دل کا حال یہ ہے ۔“

جہاں دیکھا حسین بس پس گیا دل  
 نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دل  
 کہنے کو تو میں کہہ گیا لیکن منفعل ہوا کہ میں نے  
 کیوں نہ ضبط کیا ۔ پھر صاحب نے کہا ”میں مٹھو کو حکم  
 دیتا ہوں کہ ان سب لوگوں کو مع اسباب اٹھوا لائے ۔ مگر  
 ان کے رہنے کے لیے کوئی جگہ تجویز کرنا چاہیے ۔ زناہ مکان میں  
 تو ان کا گذر نہ ہو سکے گا۔“

میں نے کہا ”جو خیمہ ان کے پاس ہے اسی کو کھڑا  
 کر دینا چاہیے ۔“

صاحب نے کہا ”کس جگہ خیمہ استادہ کرایا جائے ؟“  
 میں نے کہا ”آپ کے بنگلے کے سامنے مناسب ہے ۔“  
 اس نے کہا ”وہ چنداں وسیع نہیں ہے ، ہاں اس میدان  
 میں ہو سکتا ہے جو کبوتر خانے اور زناہ مکان کے درمیان  
 ہمارے بنگلے کے سامنے ہے ۔ وہ جگہ وسیع بھی ہے اور گوشے میں  
 ہی واقع ہے ۔“

میری تربت ہی پہ ہو کر رہے رہ خانہ غیر  
 اور رستہ تمہیں ملتا نہیں چلنے کے لیے  
 میں نے کہا ”وہاں نشیب و فراز زیادہ ہے بخلاف اس میدان  
 کے جو آپ کے بنگلے کے سامنے ہے ۔“  
 صاحب نے کہا کہ ہاں مگر برسراہ واقع ہے اور کرنیل



صاحب بہادر ادھر ہی سے آتے جاتے ہیں، یہاں مناسب نہیں۔  
وہی میدان صاف کراؤ۔

میں نے کہا ”آپ کی مرضی یہی ہے تو مجھے کیا عذر،  
اگر حکم ہو تو میں اپنا بنگلہ تک خالی کر دوں۔“  
اس پر جھلا کے کہا ”شاید تم ان کے رہنے کے روادار  
نہیں ہو جو یہ باتیں کرتے ہو۔“

جب میں نے دیکھا کہ صاحب ناخوش ہوتا ہے، اس  
وقت بیل داروں کو بلوا کے درستی کا حکم دیا۔  
اتنے میں مٹھو نے خبر دی، ان کا رتھ آگیا، صاحب ہنست  
ہوا بنگلے سے ان کی طرف گیا، ان کو اتروا کے لایا اور سرگرم  
اختلاط ہوا۔

تم آئے کہ لاکھ آفتیں دل پہ آئیں  
مجھے لوٹنے کارواں لے کے آئے

میں نے بیل داروں کو کام میں لگا دیا اور اپنے بنگلے میں  
متفکر آکے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا ہو گا۔ گلبدن  
ہے نہیں کہ وہ نوکر ہو سکے۔ اب رہی خانم جان پس تف ہے  
میری حمیت پر کہ دیدہ دانستہ اس کو گوارا کروں۔ آج تک  
تو وہ بچی ہوئی تھی، اب خدا ہی ہے جو محفوظ رہ سکے۔ کاش  
ان لوگوں سے ناواقف رہتا یا ان کی ملازمت کو منظور نہ کراتا۔  
اپنے ہاتھوں میں نے یہ مصیبت مول لی۔

بدگانی بھی محبت میں بری ہوتی ہے

وہ یقین ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہ ہو

اب ان کے گھر کا رنگ ملاحظہ کیجیے۔ آپس میں یہ ذکر  
تھا کہ خانم جان کے ہاتھ ہماری بسر اوقات ہے۔ اگر یہ نوکر  
نہ ہو گی تو کوئی صورت بسر اوقات کی نہیں ہے۔ چنانچہ سب



نے اعظم جی کو بھی اس بات پر راضی کر لیا اور سٹھو کی  
عرفت ڈھائی سو روپے ماہوار اور تیس روپے مجرے کا انعام خانم  
بان کے نام پر طے ہو گیا۔

جب مجھے یہ خبر پہنچی تو میں اپنی غیرت اور تڑپ کا حال  
بان نہیں کر سکتا، مگر خاموش! خدا کی مرضی پر چھوڑے ہوئے  
بیٹھا۔ دل کے اضطراب اور الجھن کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔  
اس اثنا میں ہرکارہ آیا کہ صاحب بلا تے ہیں۔ باہر گیا تو  
سی میدان میں آپ مع مجمع کھڑے تھے۔ چونکہ مجھے تاب نہ تھی  
ور سخت مغموم تھا، اور بھی میرا چہرہ برافروختہ ہو گیا۔  
مجھے دیکھتے ہی خانم جان سے چپکے چپکے صاحب نے کہا  
'دیکھو ہمارا منشی کیسا خفا ہے، تم لوگوں کے رہنے کا روا دار  
ہیں ہے۔'

اس نے کہا "مجھے ان کی اور ان کے غصے کی کیا پرواہ۔"  
صاحب نے کہا کہ غضب کرتی ہو، ایسا نہ کہو، میں  
منشی سے بہت ڈرتا ہوں۔ مبادا مجھے اور تمہیں دونوں کو  
سار بیٹھے۔"

اس نے کہا کہ آپ مار کھایا کریں، مگر کیا مجال میری  
طرف آنکھ بھی اٹھا کے دیکھ لیں۔"

اتنے میں میرزائی نے آکر سلام کیا۔ صاحب نے وہی الفاظ  
میرزائی سے بیان کیے۔ اس نے کہا "کیا مضائقہ ہے، آپ  
سید ہیں، اگر ہم کو تنبیہ فرمائیں، ہماری سعادت ہے، ہم ان  
کی لونڈیوں کی برابری بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

صاحب نے ہنس کے کہا "تم یہ کہتی ہو اور خانم جان یوں  
کہتی ہے۔"

اس نے کہا "وہ بیوقوف ہے، کہنے دیجیے، نادانی سے



کہتی ہے۔“

صاحب نے ہنس کے کہا کہ خانم جان کو حسن کے حوالے کرتے ہیں، اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ حسن شاہ تم اس کے استاد بنو، اسے ہم نے تمہیں دے دیا۔“

اگرچہ یہ باتیں میں فال نیک سمجھا مگر بظاہر میں صاحب سے کہا کہ آپ عورتوں کو دیکھ کے اس قدر خوف ہوئے کہ مجھ سے بھی دل لگی کرتے ہیں۔ ان کے استاد آئیں ہوں گے یا محمد اعظم، مجھ کو کیا واسطہ؟

یہ کہہ کے میں اپنے بنگلے کو چلا۔ صاحب نے کہا ”جاتے کہاں ہو؟ میں نے خیمہ لگانے کی تجویز کو بلایا، چلے جاتے ہو۔“

میں نے کہا ”کیا کروں، آپ کا مزاج اس وقت مذاق مائل ہے، آپ بنگلے میں تشریف لے جائیں، میں خیمہ کھنکھ کر دوں گا۔“

صاحب نے کہا ”بہتر ہے میں جاتا ہوں“ اور آہستہ سے خانم جان سے کہا کہ دیکھو ہمارے منشی کیسے بگڑتے ہیں“

اس نے کہا ”صاحب آپ شاید ان پر عاشق ہیں جانے اس قدر ناز برداری کرتے ہیں۔“

صاحب نے کہا ”تم کو معلوم نہیں، میرے سارے کاروبار کی درستی اسی کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر میں ذرا بھی بے اعتنائی کروں، ابھی نوکری چھوڑ کے چلا جائے، بہت ہی ناز کا مزاج ہے۔“

اگرچہ یہ باتیں آہستہ آہستہ ہوتی تھیں مگر میں نے سب سہ لیں اور انجان بنا رہا۔ اور خیمے کے انتظام وغیرہ سے فراغت کر کے میں اپنے بنگلے میں چلا آیا اور دن بھر نہایت بے چین رہا۔



تیسرے پہر تک ان لوگوں کا تمام اسباب اور ہمراہی وغیرہ  
ب آگئے۔ جوں جوں دن تمام ہوتا تھا، میرے حواس جاتے  
اور قلق بڑھتا تھا کہ یہ کیا لغو حرکت مجھ سے ہوئی :

دل مضطرب کو بغل میں چھپا کر

پشیمان ہوئے ہم جہاں لے کے آئے

یوں ہی اضطراب میں رات ہو گئی۔ نماز عشا سے فراغت

کے ایک ختم جناب والد کے سفینے سے نکال کے اپنی معشوقہ

حفظ آبرو اور حرام سے بچاؤ کے لیے پڑھنے لگا :

صیاد کو جو یا رب مجھ پر ترس نہ آئے

باغوں میں موسم گل لاکھوں برس نہ آئے

اب وہاں کا ماجرا سنئے کہ اگرچہ وہ سب رضامند تھے

مگر خانم جان دل میں ہرگز اس بات پر راضی نہ تھی اور

طلق سکوت کی حالت میں خدا سے اپنی حفظ ناموس کی دعا

رتی تھی۔ رات کو ان حرام خوروں نے معمول کے موافق

س پاک طینت کو بنا چنا کے صاحب کے پاس پہنچا دیا۔

وہ چلی تو گئی مگر جب صاحب نے اور قصد کیا، اس

نے داد بے داد مچائی اور زار و قطار رونا شروع کیا جس سے

صاحب بہادر کے آئے گئے حواس غائب ہو گئے۔ آدھی رات تک یہ

حالت رہی، آخر میرزائی کو بلا کے کہا کہ جب یہ بی بی راضی

ہو گیا تو کیوں تم نے بھیجا۔ میرزائی خانم جان کے قدموں پر

پڑی اور انتہا سے زیادہ منت سماجت کی کہ آج کی شب راضی

ہو جائے مگر اس نے نہ مانا۔

خدا کی موسیٰ کو تو عادت ہے تمہیں رحم کرو

ذرا آنچل سے چھپا لو رخ روشن اپنا

تب صاحب نے کہا ”اس کو لے جاؤ ورنہ یہ جان دے



دے گی۔ ہم اس قدر زبردستی کے ساتھ ضرورت نہیں سمجھتے اور اس وقت بی جان کو بھیج دو، مگر میں سو روپے سے زائد ماہوار نہ دوں گا۔“

میرزائی نے اس وقت بی جان کو صاحب کے پاس پہنچا دیا اور خانم جان نلوہ بچ گئی۔

مجھ کو بچا لیا مرے پروردگار نے

رات خیر سے کٹ گئی۔ صبح کو ان کے آپس میں بڑی غوغا پھوٹو شروع ہوئی اور خانم جان پر ہر طرف سے بوچھاڑ ہونے لگی۔ وہ کسی کو کچھ جواب نہ دیتی تھی مگر برابر غیر منقطع روتی تھی؛ یہاں تک کہ آنکھیں سوج گئیں مگر آنسو نہیں تھمتے تھے۔

اسی اثنا میں منگ صاحب آیا اور خانم جان کو رونے دیکھ کر پوچھا کہ اب کیوں روتی ہے؟ میرزائی نے طنز سے کہا کہ روتی نہیں ہے، ہم کو خراب کرتی ہے۔ ایسی ناشدنی زندہ رہی تو کیا، مری تو کیا۔ یہ ٹسوے بہانے بیٹھی ہے اور ہم اس کو روتے ہیں کہ ہماری گذر سو روپے میں کیوں کر ہوگی۔ اب خدا کی رحمت دیکھیے۔

ناکامیوں سے گو ہوئے رسوائے خلق ہم

اشکوں سے ہے امید کہ وہ آبرو کریں

صاحب نے کہا ”اچھا خانم جان اگر روئے نہیں، ہم

اس کی بھی تنخواہ مقرر کر دیں گے۔“

یہ سنتے ہی آپ جھٹ پٹ آنسو وائسو پونچھ صاحب کے پاس جا بیٹھیں اور کہا کہ میں صرف دو باتوں کے واسطے روتی

۱۔ نسخہ اول میں ’باتوں‘ کی بجائے ’رات‘ ہے۔ غالباً کاتب نے غلطی سے ’بات‘ کو ’رات‘ لکھ دیا ہوگا (مرتب)۔



نہی - ایک یہ کہ چند روز اور مجھے یہ بات منظور نہیں ہے ورنہ  
 کہ تو جانتی ہی ہوں کہ ہر گاہ ان لوگوں میں رہتی ہوں ،  
 کب تک بچوں گی ، دوسرے یہ کہ سو روپے میں ان کی بسر اوقات  
 کیسے ہو گی جس کا باعث میں ہی کم بخت ہوں -

صاحب نے کہا ”اچھا پچاس روپے ماہوار تم کو بھی  
 سیوہ خوری کو دیں گے“ -

خانم جان نے کہا ”میری حمیت اس کی مقتضی کا ہے  
 کو ہو گی کہ بی جان کے سو روپے ہوں اور مجھے پچاس ملیں -“  
 صاحب نے کہا ”وہ مجھ سے راضی ہو گئی اگر تم راضی  
 ہوتیں تو تم کو ڈھائی سو روپے ماہوار دیتا تھا -“

اس نے کہا کہ پھر پچاس بھی کس لیے آپ دیتے ہیں -  
 صاحب نے کہا ”جس میں تم روؤ نہیں اور آزرده نہ ہو -“  
 کون یہ دیکھ سکے کوئی حسین روتا ہے  
 ہو بناوٹ سے بھی رونا تو قلق ہوتا ہے

اور دوسرے یہ کہ بی جان کی باتوں سے جی نہیں بہلتا -  
 تمہاری پیاری پیاری باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں -“

اس عیار نے کہا ”جب یہ بات ہے تو تنخواہ میری کم کیوں  
 کرتے ہو - جو لوگ سیرت اور خوش بیانی کے قدردان ہوتے  
 ہیں ، وہ دوسری باتوں پر اس کو فوق دیا کرتے ہیں -“

صاحب نے ہنس کے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم سنی  
 کی غیرت سے تم کو بی جان سے کم تر رہنا گوارا نہیں ، خیر تو تم  
 کو بھی سو روپے ماہوار دیں گے ، مگر خبردار اب رونا نہیں -“  
 آپ نے آٹھ کے بندگی کی اور کہا ”اب رونے دھونے کی  
 کیا ضرورت ہے ، خدا آپ جیسے قدر دان کو سلامت رکھے -“



جب صاحب بنگلے میں چلا آیا ، خانم جان نے اپنے محفوظ رہنے اور نیز ماہواری مقرر ہوجانے کے شکرے میں نذر و نیاز کی ، ورنہ صرف بچاؤ موجب مسرت نہ تھا ، کیونکہ وہ لوگ مارے طعنوں تشنیعوں کے بے چاری کو باؤلا کر دیتے ۔

دوپہر کو صاحب نے مجھے طلب کر کے کہا کہ میں نے سو روپے بی جان کے اور سو روپے خانم جان کے مقرر کر دیے ۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ؟ صاحب نے فرمایا کہ خانم جان مجھ سے راضی نہ ہوئی اس لیے یہ تفریق کر دی گئی ۔ میں نے کہا ”جب وہ راضی نہ ہوئی تو تنخواہ کیوں مقرر کی ۔“

صاحب نے کہا ”خانم روتی بہت تھی ، اور اس کا رونا اچھا نہ معلوم ہوا ؛ سوائے اس کے سو روپے میں ان لوگوں کی بسر بھی نہ ہوتی ، لہذا دونوں کی برابر تنخواہ مقرر کر دی ۔ خیر اب بھی پچاس روپے کی بچت ہوئی ۔“

جب میں مکان پر آیا سجدہ شکر ادا کیا :

شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم از خدا

بر منتہائے مطلب خود کامراں شدم

غرض کہ سب طرح اطمینان ہو گیا ۔ میں نے اپنے بنگلے کو آراستہ کرایا اور خیمے کی طرف غلام گردش میں فرش فروش کرا کے اسی طرف اپنی نشست مقرر کی اور منتظر وقت رہا ۔

۱۔ ایک صاحب نے مجھ سے یہ کتاب لے کے دیکھی ، بہت ہی محظوظ ہوئے اور خانم جان کی بہت تعریف کی ۔ اس کے بعد ایک تعجب سے فرمانے لگے ”منگ صاحب نے خانم جان کو چھوڑ دیا ہوگا ! اور وہ عاصمہ رہی ہوگی !“

میں نے کہا ”وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں (مترجم)

۲۔ خشک ”شکر“ بھی نہ کرتے تو کوئی کیا کر لیتا ، یہ بھی

غنیمت ہے ۔ (مترجم)



## محبت کے پینگ بڑھتے ہیں

آپس میں نوک جھوک اور خط و کتابت کی ابتدا  
ہوتی ہے

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں  
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں  
چند روز اسی طرح گذر گئے۔ میں اپنے بنگلے کی غلام گردش  
میں بیٹھا رہتا تھا اور دن میں کئی بار ادھر ادھر چلتے پھرتے  
اس نگار کو دیکھ لیتا، یا جب خیمے میں تعلیم ہوتی تھی،  
بی جان اور خانم جان مل کے گاتی تھیں، میں اپنے بنگلے میں  
سنا کرتا تھا۔ کبھی صاحب کے یہاں اسے دیکھ لیتا تھا۔  
غرض کہ:

سرسری ان سے ملاقات تھی گاہے گاہے  
محل غیر میں گاہے سر راہے گاہے

مگر خیمے میں جانے کا اتفاق نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مہینہ اسی  
طرح گذر گیا اور کوئی صورت پیام و سلام کی نہ نکلی، بات چیت  
ہونا کہاں؛ اس وجہ سے مجھے نہایت قلق و اضطراب تھا، مگر  
کچھ بن نہ پڑتا تھا۔ بہ این ہمہ جب کبھی میں صاحب کے  
پاس ہوتا اور آپ بھی آتیں، کچھ ایسی چھیڑ کرتیں کہ  
خواہ مخواہ مجھ سے اور صاحب سے تکرار ہو۔ مگر خدا کی عنایت  
سے بہ خیر گذرتی تھی اور میں چپکا ہو رہتا کہ یہ بھی اس کا  
ناز ہے۔



## سیر باغ

ہم راہ غیر جاؤ نہ تم سیر باغ کو

جور و ستم اٹھائیں گے ہم راہ راہ کے

ایک دن آپ نے صاحب سے سیر باغ کی اجازت لی - صاحب

خود ہی ان کو ہم راہ لے کے باغ گیا - ہر قسم کے پھول لالہ

و نا فرمان ، داؤدی و یاسمن کے کھلے ہوئے تھے - اس وقت آپ

نے چلتے پھرتے ایک غزل حافظ کی شروع کی :

شہریست بر ظریفان از ہر طرف نگارے

یاراں صلائے عشق است گر میکنید کارے

جب اس شعر کو پڑھا :

در بوستان حریفان مانند لالہ و گل

ہر یک گرفتہ جائے بر یاد روئے یارے

صاحب سے کہا کہ اس کے معنی تو فرمائیے - اس کی سمجھ

میں جو کچھ معنی آئے ، بیان کیے - آپ نے کہا ”اس کے یہ

معنی ہرگز نہیں ہوسکتے۔“ تب تو صاحب نے رام کشن باغبان کو

بھیجا کہ منشی صاحب کو بلا لاؤ - میں گیا تو عجیب

تماشا دیکھا کہ ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں ، جوانان چمن

اپنا جو بن دکھا رہے ہیں ، اس میں یہ مجمع خوش فعلیاں کر رہا ہے -

صاحب نے مجھ سے تمام ماجرا بیان کیا اور خانم جان سے کہا

”ہاں وہ شعر پھر تو پڑھنا“ اور مجھ سے کہا ”تم اس کے معنی

بیان کرو اور فیصلہ کرو کہ میں نے صحیح معنی بیان کیے ہیں یا

خانم جان نے - میں بڑی مشکل میں پڑا کہ کس کو جھٹلاؤں ،



اور کسے سچا ثابت کروں۔ آخر سوچ کے میں نے صاحب سے کہا کہ ایک شعر مجھ کو بھی اس غزل کا یاد آ گیا ہے، پہلے وہ سن لیجیے :

چوں این گرہ کشایم وین راز چوں نمایم

دردے و سخت دردے کارے و سخت کارے

خانم جان اس کو سنتے ہی قمقمہ مار کے بول اٹھی ”لو اور سنو، آپ کچھ سمجھے؟ آپ کے منشی صاحب فرماتے ہیں، صاحب نے معنی تو کہے غلط، اب میں کیوں کر اس کو غلط کہوں؛ سخت مشکل اور تردد میں پھنسا ہوں۔“

صاحب نے کھسیا نے ہو کے کہا ”کیوں حسن شاہ! خانم جان سچ کہتی ہے؟“ میں نے کہا :

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

البتہ میں حیران بے شک ہوں کہ دو شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق معنی کہے۔ اب میں کس کو ٹھیک بتاؤں، یہ جز اس کے کہ تیسرے معنی بیان کروں، کیونکہ خود حافظ فرماتے ہیں کہ باغ میں ہر حریف نے اپنے یار کی یاد میں جام لیا ہے، اور معنی بھی ہر شخص نے اپنے فہم کے موافق کہے، لہذا آزادی کا اقتضا یہ ہے کہ جس طرح اپنی پسند پر جام لیا ہے، معنی بھی اپنی پسند کے دونوں نے صحیح کہے ہیں۔ یعنی آپ کہتے ہیں کہ ہر شخص نے اپنے معشوق کی یاد میں شراب پی اور بی خانم جان کہتی ہیں ہر عاشق نے طرح طرح کے پھولوں کو دیکھ کے اپنے معشوق کے ہم رنگ پھول کی مناسبت

۱۔ خانم جان نے اس کا کیسا خوب صورت نتیجہ نکالا ہے، دیکھنے

کے قابل ہے (مترجم)



سے جام شراب لیا۔ پس ان دونوں معنوں میں کسی کو صحیح نہیں کہہ سکتا۔

صاحب نے ہنس کے کہا کہ ”حسن شاہ! تم نے خوب فیصلہ کیا“ اور چند پھول گیندے کے لیے مجھے دیے کہ اس سے خانم جان کو خوب مارو۔ مجھ کو جب سے چڑھا رہی تھی کہ تم نے شعر کے معنی غلط کہے۔

میں نے کہا ”مجھے کیا ضرور کسی کو ماروں۔“ تب آپ نے فرمایا ”صاحب ان کو گیندے کے پھول نہ دیجیے، چونکہ انہوں نے آپ کی نافرمانی کی لہذا ان کو گل نافرمان دینا چاہیے“ اور یہ کہہ کے نافرمان کے پھول صاحب کو دیے کہ منشی صاحب کو دیجیے۔“

صاحب نے سادگی سے وہ پھول مجھے دینا چاہے۔ میں نے کہا ”میں تو کسی پھول کے لائق نہیں ہوں۔ اگر ایسا ہی آپ کو منظور ہے، گل لالہ مجھے عنایت کیجیے۔ یہ پھول تو اوروں ہی کا حصہ ہے۔“

گل ہدستم چہ دہی در کف من خار خوش است  
 این گل تازہ براں گوشہ دستار خوش است  
 صاحب نے کہا ”دیکھو منشی نے کیا اچھا شعر اس وقت پڑھا ہے۔“

بی جان نے کہا ”آپ کی تعریف کیا ہو سکے، بڑے مزے دار آدمی ہیں۔“

صاحب نے دو گلدستے مجھے دیے اور رام کشن باغبان کو ساتھ کیا۔

میں وہاں سے چلا آیا اور سنا کہ خانم جان صاحب سے کہتی تھی کہ آپ کے منشی صاحب تو بڑے مصاحب اور دانا



دسی ہیں۔  
صاحب نے کہا ”میں اس کی قدر جانتا ہوں ، تمہیں کیا  
علوم۔“

راستے میں میرزائی باغ کو آتے ہوئے ملی۔ مجھ سے بہت  
پاک سے باتیں کرنے لگی ، اور کہا کہ یہاں سے تو ہم وہیں  
چھے تھے کہ دو ایک بار آپ کے قدم آئے تھے۔ اب بایں قرب  
پ کی صورت دیکھنے کو ترس گئی۔ اتنی بے اعتنائی اور بے مروتی  
چھی نہیں ہے۔ خدا جانتا ہے کوئی دن ایسا نہ ہوتا ہوگا کہ  
پ کا ذکر خیر نہ آتا ہو ، مگر آپ نہیں آتے۔

میں نے کہا ”سرکاری ضرورتوں سے بالکل فرصت نہیں ہوتی۔  
اس قدر کثرت سے کام ہے کہ سر اٹھانے کی مہلت نہیں ہے۔“  
اس نے کہا ”یہ صرف حیلہ ہے۔ اللہ ! آپ رات دن سرکاری  
کام ہی کیا کرتے ہیں؟“

تب میں نے کہا ”سچ تو یہ ہے ، اب تم ہمارے آقا کی  
جو کر ہو ، تم کو تکلیف دینا اور میرا آنا جانا مناسب نہیں ہے ،  
اس میں بہت سی قباحتوں کا اندیشہ ہے۔“  
اس نے کہا کہ یہ بات ہے تو میں آج ہی صاحب سے  
جواز لوں گی۔

میں نے کہا ”خبردار ایسا نہ کرنا ، اس میں اور بھی قباحت  
ہے۔ میں خود ہی کبھی کبھی چلا آیا کروں گا۔“  
ان باتوں کے بعد وہ ادھر گئی ، میں اپنے بنگلے میں آیا ،  
اور حیران تھا کہ یا الہی جس پر مرتا ہوں ، وہ اس طرح میرے  
درپے آزار ہے کہ صاحب کے سامنے خواہ مخواہ ایسی حرکتیں کرتی  
ہے جس سے وہ خفا ہو جائے۔ کیا میرے درد دل میں اثر ہی  
نہیں ہے یا دیدہ دانستہ میرے ستانے کو یہ باتیں کرتی ہے۔



دیکھوں میرا انجام کار کیا ہوتا ہے :

دل کو ان کے بھی کرے عشق کی تاثیر گزار

ہم تو حاضر ہیں طبیعت کے بدلنے کے لیے

اسی پیچ و تاب میں تھا کہ صاحب نے باہر سے پکارا

”منشی صاحب! ہم سب تمہارے باغ کی سیر کو آئے ہیں، آپ

باہر ہی نہیں نکلتے۔“

میں نے باہر آ کے دیکھا تو صاحب سب کو لیے ہوئے

موجود ہیں۔ مجھ سے کہا ”خانم جان اور بی میرزائی تمہارے

باغیچے کی سیر کرنا چاہتی ہیں۔“

میں نے عرض کیا ”یہ چمن پڑمردہ اس لائق کہاں ہے کہ

کوئی اس کی سیر کرے اور خوش ہو۔ مگر جو کچھ ہے آپ کا

عطیہ ہے۔“

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

میں نے باغیچے کا دروازہ کھلوا دیا اور فوارے چھڑوا دیے۔

امیرزائی نے کہا ”حضور! آپ کے منشی صاحب کیسے خوش سلیقہ

ور میرزا منش ہیں۔ دیکھیے کس خوبی سے چمن بندیاں اور

خیابانوں کی تقسیم کی ہے، بے اختیار جی لوٹا جاتا ہے۔ مگر

افسوس! منشی صاحب کی ہم پر عنایت نہیں ہے۔ کبھی ہمارے یہاں

تشریف نہیں لاتے، الگ ہی الگ رہتے ہیں۔“

صاحب نے کہا ”ہمارے منشی جی جھپیو اور تنک مزاج

بڑے ہیں۔ اگر کوئی سو بار خوشامد کرے تو شاید ایک بار

اس کے گھر جائیں۔ کسی کو خاطر میں تھوڑا ہی لاتے ہیں۔

۱۔ نسخہ اول میں پہلے مصرع کی صورت یہ ہے :

”وہ آئیں گھر میں یہ میرے خدا کی قدرت ہے“



برے انگریز دوستوں سے اسی طرح بے اعتنائی کرتے ہیں ، بلکہ  
 دود مجھ سے دور دور رہتے ہیں ، پھر اوروں کا کیا ذکر۔“  
 تھوڑی دیر بعد جب سب چلنے کو ہوئے ، خانم جان نے  
 کہا ” اب تو ہم آئے ہیں ، دو پھول ضرور لیں گے ، چاہے  
 منشی صاحب خوش ہوں یا ناخوش۔“ اور لگی پھول توڑنے۔ میں  
 نے اپنے دل میں کہا ”پھول تو کیا میری جان قربان ہے۔“

وہ ہنس کے دیکھتے ہیں داغ کے داغ

کسی کی سیر ہو گلشن کسی کا

پھول توڑ توڑ کے سب کو تھوڑے تھوڑے دیتی تھی ، اور  
 وچار اپنے کانوں میں بھی پہن لیے۔ میرزائی نے کہا ”بس کرو  
 بی ، اب کتنے پھول توڑو گی۔“ آپ نے کہا ”ہم تو اسی  
 من سے پھول لیں گے ، منشی صاحب برا مانیں تو خوش رہیں۔“  
 بعد فراغت کے صاحب سے کہا کہ آپ بھی لیجیے ، اور گیندے  
 پھول اس کے ہاتھ میں دے دیا کہ لو کھیلو ، اور ایک  
 پھول لالے کا خوب مل دل کے میری طرف مخاطب ہو کے فرمایا  
 ”یہ آپ لیجیے۔“ میں نے لے لیا اور اس کو دیکھتے ہی میرے  
 سسو نکل آئے۔ میں نے اس سے یہ بات نکالی کہ :

”اے دل خوں شدہ خوش باش و اضطراب مکن“

آخر اس پری وش نے کہا کہ اب سیر کر چکے ، جاتے ہیں ،  
 منشی صاحب کا باغ خدا کرے ہمیشہ پہلا پھولا رہے !  
 سیر کی ، پھول چنے ، خوب پھرے شاد رہے  
 باغباں جاتے ہیں ، گلشن ترا آباد رہے  
 میں نے اپنے دل میں کہا :



ہمراہ غیر است و بامن صد عنایت می کند  
 یا رب این لطف است یا رفع خجالت می کند  
 قریب شام کے وہ سب وہاں سے گئے - میں آج کے واقعات  
 پر ایک حالت بیم و رجا میں مبتلا اپنے بنگلے میں آیا اور ساری رات  
 تڑپ تڑپ کے کاٹی -

رات ساری مری دونوں کی تسلی میں کٹی  
 ہاتھ دل پر سے اٹھایا تو جگر پر رکھا  
 قریب صبح اس کو خواب میں دیکھا - گویا فرماتے ہیں کہ  
 کہہیے کیا حال ہے؟ مزاج کیسا ہے؟ میں نے کہا ”تمہارے  
 لیے مرتا ہوں اور تم خبر نہیں لیتیں“ - اس پر فرمایا کہ اپنے  
 دل کو پریشان مت کرو، انشا اللہ :

بہ روزے کامگاری بینی از من  
 ہزاراں حق گزاری بینی از من  
 میں نے کہا :

جام جہاں نما ست ضمیر منیر دوست  
 اظہار احتیاج خود آں جا چہ حاجتست  
 اس پر فرمایا :

صبر کن حافظ بسختی روز و شب  
 عاقبت روزے بہ یابی کام را  
 میں چاہتا تھا کہ ہاتھ پکڑ لوں، اٹھا کہ آنکھ کھل گئی  
 اور اپنے کو تنہا دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور صبح تک نیند نہ  
 آئی -

خواب میں وعدہ تو مجھ سے کر گئے ہیں وہ ضرور  
 دیکھیے ملتی ہے مجھ کو خواب کی تعبیر کیا  
 نماز پڑھ کے بوجھے پر سوار ہوا اور دریا کی طرف جی بہلانے



ملا گیا ، تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ اور قصد تھا کہ شام کو  
بھر سوار ہوں گا اس لیے بوجہ غلام گردش میں رکھوا دیا۔  
ظہر کے وقت غلام گردش میں ٹہلتا ٹہلتا اسی بوجے میں  
ٹھ گیا اور سب آئینے اس کے چڑھا دیے اور اپنی جاناں کی یاد  
میں شعر پڑھنے لگا۔

اسی حال میں تھا کہ ناگاہ خیمے کی طرف سے کوئی چیز زور سے  
آئی اور آئینے پر پڑی ، چھن سے شیشہ ٹوٹ گیا۔ میں گھر  
کے باہر نکل آیا، چاروں طرف دیکھا ، کوئی نہ تھا۔ آخر ڈھونڈنے  
کا ، کس چیز سے شیشہ ٹوٹا ہے ! ایک طرف زمین پر ایک انگوٹھی  
پڑی ہوئی دیکھی ، اس کو میں نے اٹھا لیا۔ سونے کی انگوٹھی  
پر یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کو فال نیک خیال  
کیا اور خیمے کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی شخص قنات کو  
بلا کر کے جھانک رہا ہے۔ میں ادھر بڑھا اور یہ شعر پڑھا :  
کے دھد دست این غرض یا رب کہ ہم دستاں شوند  
خاطر مجموع سا زلف پریشاں شا  
جواب ملا :

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد نا پدید  
ھیچ راہے نیست کورانیست پایاں غم مخور  
پھر میں نے کہا :

ما براں مقصد عالی نتوانم رسید  
ہاں مگر پیش نہد لطف شا گامے چند  
اس کا جواب آیا :

بہ مطلب میرسد جویائے کام آہستہ آہستہ  
ز دریا می کشد صیاد دام آہستہ آہستہ



میں نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور قنات کے قریب جا کر  
کہا :

یا من ناصبور را پیش خود از وفا طلب

یا کہ تو پاک دامنی صبر من از خدا طلب

فرمایا کہ بار بار کہنے سے کیا حاصل - میں نے کہا :

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست

فوراً دوسرا مصرع اس نے پڑھ دیا :

در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت است

اس کے بعد غائب ہو گئی -

تو نے آج او بے وفا کیا جاتی دنیا دیکھ لی

راہ پر آنے لگا عہد وفا ہونے لگے

ہزاروں شکر کرتا تھا کہ یہ معلوم ہو گیا کہ میرا خیال

اس کو بھی ہے اور خواب سحر کی تعبیر اس قدر جلد ظاہر ہوئی

اب امید ہے کہ نامہ و پیام کی بھی کوئی صورت نکل آئے -

سامنے بھی کبھی آ جائیں گے اتنا تو ہوا

جلوہ دکھلانے لگے وہ پس چلمن اپنا

عصر کے وقت میرا قصد ہوا کہ بوجے پر سوار ہو کے سیر

کو جاؤں ؛ مگر پھر سمجھا کہ شاید وہ ستم گر آ کے جھانکے، اس

لیے غلام گردش میں بیٹھ گیا -

تھوڑی دیر میں سنا کہ صاحب نے بوجہ منگوا یا ہے - میں نے

کہا غضب ہوا - صبح کو درست ہو جاتا، اب اس وقت ناحق

آدمیوں پر خفا ہوگا اور میری عدم خبر گیری کا بھی خیال ہوگا

یہ سوچتا ہی تھا کہ ٹیکا رام ہرکارہ آیا کہ صاحب بلاتے ہیں

میں گیا تو دیکھا کہ بی خانم جان اور بی جان موجود ہیں - میر

ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو یہ ذات شریف ہی کا شوشہ چھوڑا ہوا ہے



صاحب نے کہا ”منشی تم میری چیزوں کی کچھ بھی خبر نہیں رکھتے ہو۔ دیکھو تمہارے بنگلے میں کسی نے بوجے کا شیشہ توڑ ڈالا۔ ابھی پورا مہینہ نہیں ہوا کہ چھ سو روپے کا میں نے مول لیا ہے۔“

میں نے کہا کہ ہاں اسی وقت میں نے بھی دیکھا، اور چاہتا تھا کہ کاریگر بلوا کے ابھی درست کرا دوں، مگر آپ نے منگوا بھیجا، اس لیے مجبور ہو گیا۔“

کہنے لگا ”میں نے نہیں منگوایا ہے؛ خانم جان چاہتی ہے کہ ہوا خوری کو سوار ہو کے جائے۔“

میں نے دل میں کہا ”ہوا نہ میرا خیال صحیح۔ یہ آپ ہی کی شرارت ہے۔“ اور صاحب سے کہا ”کیا مضائقہ ہے، شیشہ مانع سیر نہیں ہے، سوار ہو جائیں، کل درست ہو جائے گا۔“ اس نے کہا ”آخر یہ بھی کچھ معلوم ہے کہ شیشہ ٹوٹا کیوں کر۔“

میں نے کہا ”یہ مجھے بھی معلوم نہیں، البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ دوپہر کو میں سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھا، گویا میں بوجے پر سوار دریا کی طرف سے آ رہا ہوں، بنگلے کے پاس جب پہنچا تو آپ کو اور ان دونوں بی صاحبوں کو دیکھا، جو آپ کے پاس بی خانم جان کھڑی ہیں۔“

زمانے کے قاتل خدائی کے سرکش

یہی ہیں جو گردن جھکائے ہوئے ہیں

مجھ سے کہنے لگیں کہ اس بوجے پر تم کیوں سوار ہوئے، یہ تو صاصب سے میں نے لیا ہے۔“

میں نے کہا ”تم کو خیریت ہے، جب تک میں بوجے پر سوار ہوں میرا ہے، جب تم صاحب سے لے لینا، مجھے غرض نہیں۔“



اس پر یہ ایسا بگڑیں کہ جو چیز ان کے ہاتھ میں تھی ،  
میری طرف پھینک ماری ۔ میں تو بچ گیا مگر شیشے کے ماتھے  
گئی اور چور چور ہو گیا ۔

صاحب سمجھا کہ ظرافت سے اس نے یہ خواب گھڑا ہے اور  
خانم جان کے سر ہو گیا اور بولا کہ ول خانم جان ! بے شک  
منشی سچ کہتے ہیں ، تم نے شیشہ توڑا ہے ، ابھی درست کرا دو  
اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ بغیر درست کیے میں نہ چھوڑوں گا ۔  
اس نے جھلا کے ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ ایک آپ سچے ،  
ایک آپ کے منشی صاحب ، صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ  
کے منشی صاحب کی مرضی نہیں ہے کہ میں اس پر سوار ہوں ۔  
اگر میں یہ جانتی کہ بوجہ حضرت ہی کا ہے تو کبھی نام بھی  
نہ لیتی ۔

صاحب نے کہا کہ خانم جان ! تم دل لگی میں بگڑتی  
کیوں ہو ۔ خیر وقت تنگ ہوتا ہے سوار ہو جاؤ ۔  
جانا آنا تو خاک پتھر منظور ہی کسے تھا ، صرف شرارت  
اور چھیڑ خانی تھی ۔ کہنے لگی ”اب وقت نہیں رہا ، میں نہیں  
جاؤں گی ، کل دیکھا جائے گا۔“ یہ کہا اور خیمے کی طرف چمپت  
ہوئی ۔ میں نے دل میں کہا :

گہے لطف و گہے قہر ست کار دل ربائے من

مگر لطف از برائے دیگران قہر از برائے من

اور حیران تھا کہ خدایا ! یہ کیا اس کو سوجھی ہے کہ  
صاحب کے سامنے ذلیل کرنا چاہتی ہے ، حالانکہ آج کسی قدر  
تسکین بھی کر دی تھی ، پھر یہ عیاریاں اور شرارتیں کس لیے ہیں ۔

کہ جفا و جور گاہے لطف و احساں می کنی

بادشاہی ہر چہ می خواہد دلت آن می کنی



اتفاقاً اس دن دس بارہ انگریزوں کی ہمارے صاحب کے یہاں دعوت تھی۔ رات کو مجھے کے وقت میں صاحب کے برابر حسب معمول کرسی پر بیٹھا تھا۔ صاحب نے میرزائی سے اس غزل کی فرمائش کی :

غزل حافظ :

مطرب خوشنوا بگو تازہ بہ تازہ نو بہ نو  
 بادۂ دل کشا بچو تازہ بہ تازہ نو بہ نو  
 جب یہ غزل تمام ہوئی اور رنگ جمنے لگا، میں نے میرزائی سے کہا کہ یہ غزل گاؤ :

### غزل

خلوت گزیدہ را بہ تماشای چہ حاجت است  
 چون کوئے دوست هست بہ صحرا چہ حاجت است  
 اے پادشاہ حسن خدا را بسوختیم  
 آخر سوال کن کہ گدا را چہ حاجت است  
 جانا بہ جاجتے کہ ترا هست باخدا  
 آخر دمی پرس کہ ما را چہ حاجت است  
 ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست  
 در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است  
 محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست  
 چون رخت ازان تست بہ یغما چہ حاجت است  
 جام جہاں نما ست ضمیر منیر دوست  
 اظہار احتیاج خود آن جا چہ حاجت است

۱۔ نسخہ اول میں ”بسا“ ہے (مرتب)



اے عاشق گدا چو لب ورح بخش یار  
 می داندت و نایفہ تقاضا چہ حاجت است  
 حافظ تو ختم کن کہ هنر خود عیاں شود  
 با مدعی نزاع و محابا چہ حاجت است

اس کے بعد اس کافر ادا نے یہ غزل شروع کی : (غزل حافظ)

ساقیا بر خیز و در دہ جام را  
 خاک بر سر کن غم ایام را  
 ساغر سے بر کفم نہ تا ز بر  
 بر کشم این دلق ازرق فام را  
 بادہ در دہ چند ازین باد غرور  
 خاک بر سر نفس بد فرجام را  
 محرم راز دل شیدائے خویش  
 کس نمی بینم ز خاص و عام را  
 با دلآرامی مرا خاطر خوش است  
 کز دلم یک بارہ برد آرام را  
 گرچہ بدنامیست نزد عاقلان  
 ما نمی خواهیم ننگ و نام را  
 دود آہ سینہ سوزان من  
 سوخت ایس افسردگان خام را  
 صبر کن حافظ بسختی روز و شب  
 عاقبت روزے بیابی کام را

مقطع کو بہ تکرار گاتے گاتے بڑھی اور میرے اور صاحب کے  
 درمیان میں تپائی پر چوگھڑا رکھا تھا ، اس کو آٹھا لیا اور میری

۱۔ نسخہ اول میں ”برکنم“ چھپا ہے (مرتب)



بہ غور دیکھ کے ہندی میں آہستہ آہستہ کہا ”سنا تم نے؟“  
 کہا اور پلٹ گئی اور الائچی وغیرہ جو کچھ اس میں تھا ،  
 کو تقسیم کر دیا ۔ میں نے جی کڑا کر کے خود اس سے  
 کہ اگر یہ غزل یاد ہو تو سنائیے ۔ میرزائی نے اس سے  
 چھا کہ میر صاحب کیا کہتے ہیں ؟ تو فرماتی کیا ہیں  
 بری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ، کیا کہا ۔“ حالانکہ ظالم نے اچھی  
 سنا تھا ۔ میرزائی نے مجھ سے پوچھا ”میر صاحب ! کیا ارشاد  
 ؟“ میں نے کہا ”یہ غزل گاؤ“ :

## غزل

اے سرو ناز حسن کہ خوش سی روی بہ ناز  
 عشاق را بہ ناز تو ہر لحظہ صد نیاز  
 فرخندہ باد طالع نازت کہ در ازل  
 بپریدہ اند بر قد سروت' قبائے ناز  
 آن را کہ بوئے عنبر زلف تو آرزوست  
 چون عود گو بر آتش سودا بسوز و ساز  
 پروانہ را ز شمع بود سوز دل ولے  
 بے شمع عارض تو دلم را بود گداز  
 دل کز طواف کعبہ رویت وقوف' یافت  
 از شوق آن حریم ندارد سر حجاز  
 صوفی کہ بے تو توبہ ز سرے کردہ بود دوش  
 بشکست عہد چون در میخانہ دید باز

۱ - نسخہ اول میں ”سروت“ ہے (مرتب)

۲ - نسخہ اول میں ”وقوت“ ہے (مرتب)



چوں بادہ باز بر سر خم رفت کف زناں  
حافظ کہ دوش از لب ساغر شنید راز  
غرض کہ بڑے لطف میں یہ جلسہ گزرا - اشعار معاملہ سے  
کسی قدر میں اپنی تسکین دے لیتا تھا اور رات دن منتظر عنایت  
خداے کار ساز -

## خط و کتابت

چلی آتی ہے اٹھلاتی ہوئی کیوں  
کوئی پیغام لائی ہے صبا کیا!  
میں ایک دن صبح کی نماز اور وظیفے سے فراغت کر کے  
بنگلے کی غلام گردش میں بیٹھا تھا۔ ایک لڑکا کھیلتا ہوا میرے  
قریب آیا اور سلام کیا۔ میں نے کہا ”تو کون ہے؟“ کہنے لگا  
”فلانے باورچی کا لڑکا ہوں جو اعظم جی کے یہاں نوکر ہے۔“  
میں نے نام پوچھا، کہا ”رحم اللہ۔“ میں نے کہا ”ادھر آج  
کیوں آیا؟“ بولا ”یونہی کھیلتا آ نکلا مگر آپ کو میں نے  
چند مرتبہ یہاں پر روتے اور شعر پڑھتے دیکھا ہے، اس کی کیا  
وجہ؟“ میں نے کہا ”تو کیوں پوچھتا ہے؟ تجھ کو کیا  
سروکار؟“ کہا ”کچھ نہیں، یونہی پوچھتا ہوں، اگر مجھ سے آپ  
کا کچھ کام نکلتا ہو تو فرمائیے۔“ میں نے کہا ”تجھ سے کیا  
کہوں، تو بچہ ہے۔“ کہنے لگا ”واہ بچوں سے تو ایسے کام نکل  
آتے ہیں کہ بڑوں بڑوں سے نہیں ہوتے۔ آپ خاطر جمع رکھیے،  
میں کسی سے کہوں گا نہیں۔“ آخر میں نے کہا کہ میں ان  
عورتوں میں سے ایک کو چاہتا ہوں اور وہ نہیں ملتی :



ستارہ ہے ایک ایک جلا د جس کا  
ہم اس آسماں کے ستارے ہوئے ہیں

اس نے کہا ”میں بھی یہی سمجھا تھا ، لیکن اس کا نام  
تیسے ، کون ہے ؟“ میں نے اس لڑکے کو غنیمت سمجھا اور  
کہا ”بیٹھ جاؤ۔“ بعد اس ستم گر کا میں نے نام لیا ۔ چونکہ وہ  
کھایا پڑھایا تھا ، بولا ”اے صاحب ! آپ نے بھی کس سے دل  
ٹایا ۔ وہ پڑی نک چڑھی ، مغرور اور اپنی آپ ہی ناک چوٹی  
افتار ہیں ۔ وہ کسی سے بات تک تو کرتی نہیں ، بہت ہی  
رک مزاج اور اپنے کو لیے ہوئے رہتی ہیں ، اور خدا جانے کیا  
پا آپ کو سمجھے ہوئی ہیں ۔ وہ ایسی باتوں کا سبق ہی نہیں  
ہیں ۔ اگرچہ میں ان کا کوکا ہوں ، یعنی میری ماں کا دودھ  
ہوں نے پیا ہے اور مجھے بہت چاہتی ہیں ، مگر جھوٹ کیوں  
لوں ، ان کی نسبت بی جان بہت ہی خوش وضع اور نیک بخت  
کی ۔ بلکہ میں نے خود ایک دن آپ کی تعریف ان کو کرتے  
تھا ۔ کہتی تھیں کہ منشی صاحب بہت اچھے آدمی ہیں اور  
یسے خوبصورت خوش رو جوان ہیں ۔ اس پر خانم جان نے  
مز سے کہا کہ شاید آپ ان پر ریجھی ہوئی ہیں ۔ بی جان نے  
کہا کہ اس میں ریجھنے کی کیا بات ہے ، جو سچ ہے  
کہتی ہوں ۔ پھر خانم جان نے کہا ”میں تو کچھ ایسا  
وبصورت اور عقلمند ان کو نہیں جانتی ، نہ میں نے کوئی بات  
میں آج تک دیکھی ۔“ اس لیے آپ بی جان سے محبت کیجیے  
جو کچھ فرمائیے میں ان سے کہہ دوں “ :

۱۔ نسخہ اول میں ”اس“ نہیں ہے ۔ (مرتب)



جواب آن کی جانب سے دیتے ہیں ہم کو  
یہ قاصد مکرر پڑھائے ہوئے ہیں  
میں نے کہا ”بھائی دل کو کیا کروں ، محبت کوئی اختیار  
چیز ہے کہ یہاں سے اٹھا کے وہاں رکھ دوں ، آن سے  
ہٹا لوں ، ان سے دل لگا لوں ۔ وہ لاکھ بے پروا ، نا آشنا سمی  
مگر میں تو انہیں دل دے چکا :

صدا لن ترانی کی ہے جس طرف سے  
آدھر کان ہم بھی لگائے ہوئے ہیں  
اور انہوں نے جو کچھ میری نسبت فرمایا ، یہ آن کافر  
کی عادت ہی ہوتی ہے ۔ خانم جان کے سامنے بی جان  
ہستی کیا :

چہ نسبت خاک را با عالم پاک  
آس نے کہا ”خیر آپ جانیں ، مجھ سے کچھ فرمائیے ، اپ  
چلتے کوتاہی نہ کروں گا ، اور قابو پا کے جو کچھ پیام دیجیے گا  
کہہ دوں گا ۔“

میں نے کہا ”بڑا ہی تیرا احسان مند ہوں گا ۔ سدا  
کہنا اور یہ کہہ دینا کہ کب تک مجھ کو ترساؤ گی ، اور میرے  
حال سے بے خبر رہو گی ، اور یہ شعر پڑھ دینا :  
نمے آئی نمے جوئی نمے پرسی نمے خوانی  
چرا از آشنایاں این چنین کس بے خبر باشد  
آس نے کہا ”مجھے یہ پنواڑہ کاہے کو یاد رہے گا ، آد  
پرچے پر لکھ دیجیے ، میں دے دوں گا ۔“ چنانچہ میں نے وہ شعر  
اور یہ چند شعر لکھ کے اس کے حوالے کیے :



## غزل

بایں ہمہ ناز و خوش ادائی  
 نازد بتو شان دل ربائی  
 در کوچہٴ عشق بے غش آیم  
 صد رہ اگرم بیازمائی  
 ما را بتو جز سر وفا نیست  
 چنداں کہ تو بر سر جفائی  
 صد روز سیاہ دیدم از تو  
 روزت میاہ اے شب جدائی  
 بیگانہ بدیں صفت نہ باشد  
 دارد ز تو ننگ آشنائی  
 آتش بگرفت گریہ من  
 اے داور داد رس کجائی  
 خوش بر درت اے شہ نکویاں  
 ممتاز آمد پئے گدائی

کہیو قاصد حال دل اور دیجیو نامہ سفید

خط نہیں دیتے ہیں لکھنے نامہ بر آنسو مجھے

اور دو روپے بھی اس کو دیے مگر اس نے نہ لیے۔ ہر چند  
 میں نے سمجھایا مگر ایک نہ مانا۔

میری آنکھ خیمے کی طرف اٹھ گئی تو معلوم ہوا کہ قنات  
 نے سوراخ سے کوئی جھانکتا ہے اور فوراً ہٹ گیا۔ میں سمجھ گیا

۱۔ نسخہ اول میں ”کوزہ“ ہے (مرتب)

۲۔ نسخہ اول میں ”آمدے“ ہے (مرتب)



کہ ذات شریف ہی ہوں گی۔ ادھر تو اپنے کوکا کو سمجھ  
بجھا کے بھیجا، ادھر خود سن گن لے رہی ہیں اور یہ سب باتیں  
جو لونڈے نے بنائیں، سکھائی ہوئی تھیں۔

خیر وہ اس وقت چلا گیا۔ دوپہر کو پھر آیا۔ کہا ”میر  
نے آپ کا پیغام اور پرچا پہنچا دیا۔ انہوں نے سلام کہا ہے او  
پوچھا ہے کہ آپ کو پہلے کسی سے تعلق ہوا تھا؟  
میں نے کہا ”کبھی نہیں۔ یہ پہلا ہی تیر ہے جو میں  
میں ترازو ہو گیا ہے۔“

پھر اس نے پوچھا کہ آپ کی خواہش کیا ہے اور ک  
چاہتے ہیں؟  
میں نے کہا ”اس کا جواب کیا دوں اور تجھ سے ک  
کہوں۔“

جگر کی یا دل حسرت نشاں کی

دکھائیں ہم تمہیں چوٹیں کہاں کی

آس نے کہا ”خیر جانے دیجیے۔“ میں نے پوچھا ”س  
کہنا، پہلی بار بھی انہی نے تجھے بھیجا تھا؟“ اس نے کہ  
”نہیں، میں خود ہی آیا تھا۔“ میں نے کہا ”تو جھوٹ کہا  
ہے۔ میں نے خود دیکھا تھا وہ جھانک رہی تھیں۔“ آس  
کہا ”پھر دیدہ و دانستہ آپ کیوں پوچھتے ہیں اور فائد  
ہی کیا؟“

تو نے قاصد جو کہی دل کو لگی

یہ آسی کافر کے منہ کی بات ہے

میں نے کہا ”اچھا اب کی بار پھر میرا سلام کہہ دیا  
اور کہنا میری بات کا شافی جواب تم نے نہ دیا۔“  
آس نے کہا ”آپ منشی بے بدل ہیں اور خدا کی عنایت



سے بی خانم صاحبہ بھی لکھنے پڑھنے میں مشاق ہیں۔ پھر زبانی  
پیغام سلام کی حاجت کیا، مجھے یاد رہے یا نہ رہے، جو کچھ  
کہنا ہو لکھ دیجیے، میں پہنچا دوں گا۔“

میں نے کہا ”صبح کو آنا رقعہ لکھ رکھوں گا۔“

لے تو چلا ہے قاصد ناداں پیام وصل

میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہ ہو

جب وہ چلا گیا، میں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ بارے

نامہ و پیام کی صورت تو نکل آئی۔ اب امید ہے کہ وصل بھی

حاصل ہو جائے۔ رات کو رقعہ لکھا، وہ یہ ہے :

### رقعہ اول

شمع شبستان! خوبی و مرغوبی، گل گستان محبوبی و مطلوبی!

زاد لطفہا!

بعد از سلام محبت مشام، واضح رائے نزاکت پیرائے بادا۔

بعد مدت دراز کے آپ نے سہربانی کر کے جو پیام بھیجا تھا،

اس سے میں نے خدا کا شکر کیا اور آپ کا ممنون کرم ہوا۔ آپ

نے دریافت کیا ہے کہ کبھی پہلے بھی تعلق طبیعت کا اتفاق

ہوا ہے؟ پیاری سہربان! میرا حال اس شعر کے موافق ہے :

چشمی نمود بے خبر از جان و تن مرا

عشق نوے شد ست شراب کہن مرا

عندلیب نو گرفتارم چمن گم کردہ ام

چوں اسیر غربتم راہ وطن گم کردہ ام

۱۔ اس آداب و القاب میں حسن شاہ کے الفاظ ہیں۔ میں نے عمداً

نمونے کے لیے اصل لکھ دیے۔ اگلے رقعوں میں دیکھا جائے گا۔ (مترجم)



اور خواہش کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، اس کو کیا  
عرض کروں :

سراپا آرزو ہونے نے زندہ کر دیا ہم کو

---

عرض حاجت در حریم حضرتت محتاج نیست

راز کس مخفی نماند بر دل دانائے تو

کس کس آرزو کو بیان کروں، ہمہ تن تمنا ہو رہا ہوں :

صد آرزو بدل گرہ از شوق روئے تست

دل نیست در برم گرہ آرزوئے تست

میری جان! میرا حال دل تم سے مخفی نہیں ہے اور سب  
میرے درد کی دوا تمہارے ہی اختیار میں ہے :

دردم از یار مت و درماں نیز ہم

دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ مجھے تو یہی آرزو ہے کہ تمہیں

دیکھا کروں، مگر یہ میری قسمت کہاں! لہذا اس شعر پر ختم  
کلام ہے :

در خور اگر نیم مئے لعل فام را

اے کاش! تر کنید بیوئے مشام را

باقی پھر اپنا حال زار لکھوں گا۔ زیادہ اشتیاق والسلام۔

---

صبح کو رحم اللہ آیا اور یہ جواب لایا :

اس نے نامہ لکھا نصیب پھرے

نامہ بر کیا پھرا نصیب پھرے



## جواب رقعہ اول

سر حلقہ طلب گاران' دل افکار ، و سر دفتر دل بستگان  
قرار ، سلامت !

بعد سلام خیریت انجام آنکہ ، آپ کا عنایت نامہ رحم اللہ کے  
تھ پہنچا ، مضامین بامعنی سے دل خوش ہوا اور معلوم ہوا کہ  
پہلا ہی قدم ہے جو سلامتی سے اس وادی پر خار میں آپ نے  
لہا ہے ۔ چونکہ فضل خدا سے آپ دانا اور دوراندیش معلوم  
تے ہیں لہذا میں نہیں سمجھتی کہ کس لیے یہ زحمت ناقابل  
اشت اپنے اوپر گوارا کی ہے :

سرد آخر ہیں سبارک بندہ ایست  
کیا آپ کو معلوم نہیں سرآمد عاشقان جان باز حضرت حافظ  
بازی رحمة اللہ علیہ اپنے مطلع دیوان میں کیا فرماتے ہیں :  
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا  
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلمہا  
کم بخت عشق کی ابتدا بہت ہی خوش آئند اور دل فریب  
ہے مگر اس دشت لق و دق ، وحشت انگیز میں جب پھنس  
تے ہیں ، بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں ۔ پتے پانی  
جاتے ہیں ، دن کو ستارے نظر آتے ہیں ، دانتوں پسینا  
آتا ہے : (مظہر جان جاناں)

عشق چوں تیغ کشد پا و سرے نگذارد  
شعلہ چوں گشت علم خشک و ترے نگذارد

۱۔ ناظرین دونوں رقعوں کو ملائیں اور نزاکت مضمون پر فیصلہ  
کی بلکہ الفاظ ہی کی آن بان قابل داد ہے ۔ (مترجم)



مشہور ہے کہ عشق بہ ظاہر ہوائے سرد ہے مگر طبیعت  
 اس کی آگ ہے؛ خرمن جاں کو بھڑکا بھڑکا کے پھونک دیتی ہے  
 عقل جاتی رہتی ہے، جان عذاب میں ہو جاتی ہے۔ بد نامیوں  
 زور، ناکامیوں کا شور؛ غرض بہت ہی بری بلا ہے، اس لیے میں  
 سمجھاتی ہوں، ابھی کچھ نہیں گیا ہے، اس سے کنارہ کیجیے اور  
 آسائش و آرام موجودہ کو غنیمت سمجھیے۔ آپ بھی اس مہلک  
 میں نہ پڑیے اور دوسرے کو بھی اپنے ساتھ نہ لے ڈویئے۔  
 آہ! عشق کی منزل خطرناک میں بڑے بڑے خم اور پیہ  
 ہیں کہ راستہ ملنا دشوار ہے۔ اس راہ پر خطر میں ہر قدم  
 ایک جان اور ایک سر نذرانہ مانگا جاتا ہے۔ پھر کہاں سے آ  
 تاب لائیے گا:

جا بچ لو ہاتھ میں پہلے دل شیدا لے کر

نہیں پھرنے کا مری جان یہ سودا لے کر

پس بیٹھے بٹھائے اپنے اوپر مصیبت لینا اور عیش و آرام

چھوڑ دینا سخت حماقت ہے۔ مگر خواہ مخواہ جو گھر سے فاض

اور اپنی جان سے بیزار ہو، اس کا ذکر ہی نہیں۔ آپ نے اپ

دوائے درد دل کے لیے فرمایا ہے۔ اس کی دوا یہی ہے جو

نے بتائی۔ اس سے زیادہ مجرب نسخہ آپ کو کوئی نہ ملے گا

زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام۔

اس رقعے کو پڑھ کر زار و زار رونے لگا اور رحم اللہ

کہا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا۔

اس نے کہا ”آپ روتے کیوں ہیں؟ اور تعجب ہے

خاتم صاحبہ بھی بعض وقت اکیلی رویا کرتی ہیں۔ معلوم



ونوں کے رونے کا کیا سبب ہے؟“  
 میں نے کہا ”تجھے ان باتوں کا کیا لطف۔“  
 کسی کے عشق میں آفت ہے ان کا مبتلا ہونا  
 خدا جانے گذرتی ہوگی کیا کیا ان حسینوں پر  
 رحم اللہ نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ آپ کی شادی بھی ہوئی  
 ہے؟ میں نے کہا ”نہیں، تو کیوں پوچھتا ہے؟“ اس نے  
 کہا ”یونہی پوچھ لیا۔“  
 میں نے رات کو تنہائی میں رقعہ بہ غور پڑھا، اور سوچا  
 کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے، سب سچ ہے اور بے شک اس میں  
 ہزاروں آفتیں پیش آئیں گی اور پھر سنبھلنا دشوار ہو جائے گا:  
 خواہش عشق مکن اے دل بے صبر و قرار!  
 عاشقی فن شریف است ولے کار تو نیست  
 مگر جس قدر دل کو میں نے ٹٹولا، ثابت قدم پایا اور  
 کڑیوں کے جھیلنے پر آمادہ دیکھا، لہذا میں نے یہ جواب لکھا:

### رقعہ دوم

میری دور اندیش پیاری! آپ کا محبت نامہ، جس کا ہر لفظ  
 اور ہر حرف ایک ایک دفتر کی شرح کا محتاج ہے، پہنچا۔ جو  
 کچھ آپ نے لکھا، بالکل سچ ہے، مگر میں کیا کروں، میرا  
 حال زار قابل بیان نہیں، مجھے اپنے دل پر مطلق قابو نہیں کہ اس  
 راہ سے پھیر دوں:  
 عشقت نہ سرسریست کہ از سر بدر شود  
 مسرت نہ عارضیست کہ جائے دگر شود



عشق میں تیرے کوہ غم سر پر لیا جو سو ہو  
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو سو ہو  
تمہاری محبت روز اول سے میرے مقدر میں تھی ، کیونکہ  
نہ ہوتی ، میں اس سے کس طرح بچ سکتا ؟ بہر حال جو کچھ  
ہو ، میری تقدیر کی خوبی ہے ۔ اب میرے امکان سے باہر ہے  
کہ میں اپنی طبیعت کو سنبھالوں اور دل کو سمجھاؤں ۔ میرا  
نیک و بد اور مارنا جلانا سب تمہارے اختیار میں ہے ۔ زیادہ بس ۔

سویرے رحم اللہ آیا ۔ میں نے اس کو خط دے دیا ، وہ  
چلا گیا ۔ اب ایک واقعہ عجیب سنیے :

محفل میں آج ان کی ہے آفت کا اہتمام  
وہ آپ کر رہے ہیں قیامت کا اہتمام

اسی دن خانم جان نے میرزائی سے کہا کہ جاڑے گزرے جاتے  
ہیں ۔ اب کی سال معمولی جلسہ شب دیگ کا نہیں ہوا ہے ۔ لاؤ  
آج کر ڈالیں ۔

ان لوگوں کا دستور ہے کہ جاڑوں میں ہر ایک اپنے یہاں  
ایک دن مقرر کر کے ناچ گانے کی محفل کرتے ہیں ۔ رات بھر  
شب دیگ پکتی ہے ۔ صبح کو سب کھا پی کر اپنے اپنے گھر  
جاتے ہیں ۔ چنانچہ خانم جان نے اسی جلسے کی تحریک کی اور  
جلسہ منعقد ہو گیا ۔

تیسرے پہر کو مہانوں کی آمد شروع ہوئی ۔ میں نے  
رحم اللہ کو بلا کے دریافت کیا ، اس نے وہی حال بیان کیا ۔  
اب سنیے ! کانپور میں ایک کسبی میوہ جان نامی تھی جو بہت  
ہی متمول اور اونچی رنڈی سمجھی جاتی تھی ۔ اس کے یہاں ایک  
عورت سیدانی استانی گری پر قرآن پڑھانے کے لیے نوکر تھی ۔ چند



روز میں استانی جی سرگئیں اور ایک کم سن لڑکی چھوڑ گئیں۔ چونکہ اس کا کوئی والی وارث نہ تھا، مرتے وقت میوہ جان کو کچھ وصیت کر کے وہ لڑکی سپرد کردی تھی۔ میوہ جان نے اس کو بچوں کی طرح بہت ناز نعمت سے پرورش کیا تھا۔ اب وہ لڑکی سن شعور کو پہنچی۔ میوہ جان نے عہد کیا تھا کہ اس کو کسی شریف سید سے منکوح کروں گی۔ اور اس کے لیے جمہیز وغیرہ بھی بہت سا تجویز کر لیا تھا، بلکہ اسی قصد سے لکھنؤ جانے کا ارادہ کیا تھا کہ وہاں تلاش کروں گی۔

اس روز میوہ جان اور وہ لڑکی بھی سہان آئیں۔ چونکہ وہ حسینہ پردہ نشین تھی، اس کے لیے خاص اہتمام پردے کا کیا گیا، جس کی سربراہ بی خانم جان تھیں۔

دو گھڑی دن باقی ہوگا، رحم اللہ آیا اور اس کا خط میرے ہاتھ میں دے کر کہا کہ رقعہ پڑھنے سے پہلے خیمے کی پشت پر ذرا ہٹ کے آپ کھڑے ہو جائیے :

ابھی چپ ہوں محشر میں افشا کروں گا

حسینوں کے راز نہاں کیسے کیسے

میں ادھر چلا گیا اور رحم اللہ خیمے میں گیا۔ یکا یک قنات اٹھی۔ میں نے دیکھا کہ خانم جان اور ایک حور و ش، پری جہاں لڑکی نہایت حسین و جمیل ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے ٹہل رہی ہیں۔ میں نے اچھی طرح اس کو دیکھا، واقعی بہت ہی دل فریب صورت تھی :

بتے کز دیدن آن شکل و رفتار

بہ بندد زاہد صد سالہ زنار

جیسے ہی میری اور اس کی آنکھیں چار ہو گئیں، خانم جان نے چھپٹ کر قنات گرا دی۔ میں بھی وہاں سے پلٹ آیا :



شکوہ ہے یہ کلیم تو حاضر ہوں طور پر

آئیں نہ ہم قریب تری جلوہ گاہ کے

رحم اللہ نے آ کے پوچھا ”کچھ آپ نے دیکھا؟“ میں نے کہا

”ہاں ، خانم کے ساتھ ایک کم سن عورت کو دیکھا۔“ اس نے کہا

”اب رقعہ پڑھیے۔“ اور اس کا حال بھی مفصل جو کچھ اوپر میں

نے لکھا ہے ، بیان کیا :

### جواب رقعہ دوم

سر آمد دل دادگان سلامت ! سلام لیجیے !

آپ کا پہلا خط جس میں بو محبت کی آتی ہے ، پہنچا ۔ اس کے  
مضمون سے معلوم ہوا کہ آپ جی پر کھیل گئے ہیں اور عشق کی  
آفتوں کو بہ خوشی آپ نے اپنے اوپر لیا ہے ؛ خدا مبارک کرے  
لیکن پہلے یہ فرمائیے کہ آپ میری کس کس چیز پر شیدا ہوئے  
ہیں ؟ اگر محض جوش جوانی اور ولولہ شباب نے آپ کو دیوانہ کر  
رکھا ہے ، ویسا فرمائیے ۔ اگر میری صورت و جمال پر لوٹ ہوئے  
ہیں ، اس نا چیز کو اسی وقت ضعیفہ پیرزال تصور فرما لیجیے ،  
کیونکہ اگر عمر طبعی کو میں پہنچی ، یہ حسن و جمال اس وقت  
خاک بھی نہ رہے گا :

دو روزہ ہے بہار نوجوانی

نہ اترائے بہت جو بن کسی کا

اسی طرح میری ہر چیز کا قیام نہیں ۔ خوبصورتی ایک  
نا پائدار اور کچا رنگ ہے ، چند روز میں تو کچھ بھی نہ  
رہے گا ۔ خوش آوازی بھی چند دن کی مہمان ہے ، پھر تو پھوٹا  
گھڑا بھی اچھا ۔ مال و دولت نہ تو میں اس قدر رکھتی ہوں اور



خدا کی عنایت سے آپ کو اس کی پروا ہے - پھر فرمائیے  
 کہ کس چیز پر آپ عاشق ہوئے ہیں؟ اگر انہیں باتوں پر آپ  
 سمجھے ہیں تو یہ عشق نہیں ہے، بوالہوسی ہے - یہ ابال اٹھا ہے  
 اور بیٹھ جائے گا - ایسی سرسری اور نفسانی محبت کا اعتبار ہی کیا  
 ہے آپ خدا کی عنایت سے خاندانی شریف آدمی ہیں - آپ کے بزرگ  
 عزیز و اقارب سب موجود ہیں - وہ اس کو کبھی نہ گوارہ کریں گے  
 اور خواہ مخواہ آپ کی شادی آپ کے کفو میں کریں گے -

پس مناسب ہے جلد اپنی شادی کر لیجیے، اور اگر جی  
 چاہے تو اس لڑکی کے ساتھ، جس کو میں نے ابھی ابھی آپ کو  
 ماننے سے دکھلا دیا ہے، ممکن ہے - رحم اللہ کی زبانی میں نے  
 اس کا تفصیلی حال آپ کو ظاہر کر دیا ہے - وہ خوبصورت  
 ہے، حسب و نسب میں بھی کم نہیں ہے کہ سید زادی  
 کے - نقد و جنس، جمہیز وغیرہ بھی معقول ملے گا اور یہ بات نہایت  
 سمانی سے ممکن الوقوع ہے - اس کے ورثا آپ کے ساتھ شادی کر دینے  
 میں اپنا افتخار سمجھیں گے اور فی الواقعہ موجب افتخار ہے -  
 سنا آدمی ان کو کہاں سے ملے گا - یا اگر کہیں آپ کی نسبت  
 پہری ہو، فوراً فراغت کر لینا چاہیے، اس سے زیادہ مناسب  
 کم کوئی نہیں ہو سکتا، ورنہ یاد رکھیے، خدا واسطے کو یہ سودا  
 بول لینا محض نادانی ہے - اس کو تماشا نہ سمجھیے، تمام  
 عمر کا وبال جان ہے، قبر تک اس سے چھٹکارا ملنا دشوار ہے،  
 زندہ آپ کو اختیار ہے - میں نے صاف صاف لکھ دیا ہے، اب  
 جانو اور تمہارا کام جانے :

کوہ کن کو حکم جوئے شیر ہے  
 عشق بازی سخت ٹیڑھی کھیر ہے



خط پڑھتے ہی میرے ہوش اڑ گئے کہ بڑے بے ڈھب اور  
سفاک آدمی سے سابقہ پڑا ہے۔ ایسے شاطر سے بازی لے جانا بڑا  
کام ہے۔ اس کی منطق ہی نرالی ہے۔ دیکھوں کیونکر یہ  
غزال وحشی دام میں آتا ہے۔

رات کو تنہائی میں مکرر سہ کرر خط دیکھتا تھا اور جواب کی  
فکر میں غلطان و پیچان تھا۔ آخرش جو کچھ بن پڑا، لکھ دیا :

### رقعہ سوم

اختر برج رعنائی! زاد لطفہا، نیاز عرض ہے۔

رحم اللہ کے ہاتھ آپ کا رقعہ کہ طومار نصائح تھا،  
پہنچا۔ اس کے نازک مضامین میں کمال دور اندیشی کے  
مطالب دیکھ کر میں دنگ ہو گیا۔ واقعی تم نے جو کچھ لکھا  
ہے سب درست ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ سب مشکلات  
کو پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تاکہ عین منجدہار میں غوطہ نہ  
کھانا پڑے اور اپنے کیے پر پچھتاتا نہ ہو۔

میری کیفیت سنئے کہ جب میں پہلے پہل اعظم جی کے  
مکان میں آیا، سب سے اول گلبدن کو دیکھا۔ وہ حسن و جمال میں  
یکتا تھی۔ اگر میں حسن ظاہر کا بھوکا ہوتا، اس پر فریفتگی کے  
لیے کوئی امر مانع نہ تھا مگر تم سے اس کو کیا نسبت :

ہوا کیا وصف چیتے میں اگر پائی کمر پتلی

تمہارے ہونٹ پتلے، انگلیاں پتلی، کمر پتلی

اسی طرح تمام اپنے سوالات کا جواب سمجھ لیجیے۔ اور اب

بھی دنیا میں معشوقوں اور خوب صورتوں کا توڑا نہیں ہے، سب

جگہ موجود ہیں اور مل سکتے ہیں، مگر میں ایسی ظاہری

چمک دمک کا خواہاں نہیں ہوں :



ہم جس پہ سر رہے ہیں وہ کچھ بات اور ہے  
تم سے جہاں میں لاکھ سہی تم مگر کہاں  
روپیہ پیسہ ہتھیلی کا میل ہے - اس کی حقیقت کیا ہے ،  
آیا کل گیا اور تم نے خود ہی اس کی نسبت بہت کچھ لکھ  
یا ہے ، پھر میں کیا کہوں :

سریر سلطنت سے آستان یار بہتر ہے  
ہمیں ظل ہما سے سایہ دیوار بہتر ہے  
میری جان ! میرا میلان طبع تمہاری طرف سچ تو یہ ہے کہ  
یک ازل آورد محبت ہے جس نے نگاہیں چار ہوتے ہی بسمل کر دیا -  
وسرے یہ کہ محمد اعظم سے تمہاری لطافت و نزاکت طبع اور  
ت سی خوبیوں کا ذکر سن کر میں لوٹ ہو گیا - مجھے یقین  
ہوا کہ جیسا آدمی میں چاہتا تھا ، وہ سب باتیں تم میں خدا  
نے پیدا کی ہیں - میں نے خدا سے دعا کی ”پروردگار ! اس  
جموعہ خوبی کو مجھے دینا“! الحمد للہ ! میری دعا قبول ہوئی -  
گر میں سارا زمانہ ڈھونڈھ ماروں تو تم سا آدمی ملنا محال ہے -  
تمہاری خوبیوں کا حصر میری طاقت سے باہر ہے - کوئی میرے  
دل سے پوچھے :

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں  
ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہیں  
یہ چند باتیں تو تم میں خاص طور پر خدا نے پیدا  
کی ہیں :

- (۱) غیرت اور شرم مناسب حد تک -
- (۲) عصمت اور عفت -
- (۳) اخلاق ، شیریں کلاسی ، ذکاوت و ذہانت -
- (۴) ایفائے وعدہ اور استقلال مزاج -



(۵) سیر چشمی اور بلند نظری -

(۶) تمیز نیک و بد اور جوہر شناسی و قیافہ دانی -

(۷) وفاداری جو چوٹی کی صفت ہے -

اگرچہ اس ساتویں صفت کا امتحان نہیں ہوا لیکن جس شخص میں وہ صفات ہوں گے ، اس کا ہونا بھی لازمی ہے -

یوں بھی ہزاروں لاکھوں میں تم انتخاب ہو

پورا کرو سوال تو پھر لاجواب ہو

اور افسوس جن لوگوں میں تم پھنسی ہو ، ان باتوں سے

ان کو کوئی مس ہی نہیں - بس تم ہی انصاف کرو کہ جس شخص

میں یہ خوبیوں ہوں ، اس پر کیوں کر کوئی قربان نہ جائے -

تم نے آج جس پری رو کو مجھے دکھایا ، ہاں دل ربائی

اور خوش ادائی میں اس کے کلام نہیں مگر خدا کی قسم تمہاری

پاپوش کے برابر بھی اسے نہیں سمجھتا ، میلان طبع تو درکنار :

دو برق تجلی سے کسی اور کو دھوکا

آنکھیں نہیں کیا طالب دیدار کے منہ پر

میں کس کس وصف کو بیان کروں ؛ تم سراپا اوصاف حمیدہ

ہو ، اس کا حصر مشکل ہے - پھر تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں چنور

کے دوسرے پر فریفتہ ہوں ، بیہودہ سری نہیں تو کیا ہے :

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

سب سے بیگانہ ہے اے دوست ! شناسا تیرا

حضرت امیر خسرو نے میری زبان سے تمہاری نسبت یہ شعر

فرمایا ہے :

خود را ببین در آئینہ و انصاف ما بدہ

کز چوں توئی جدا شدن اندازہ کسی است

مجھے اپنی قسمت پر ناز ہے کہ تمہارا سا معشوق



بتائے روزگار مجھے سلا - اب وصل و ملاقات تمہارے ہاتھ میں ہے - تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے :

جو ملنے پہ آؤ بہانے بہت ہیں  
جگہ سینکڑوں ہیں ، ٹھکانے بہت ہیں  
میری شادی کی نسبت جو کچھ ارشاد ہوا ہے ، اس کا جواب  
یہی ضمناً اوپر دے چکا ہوں - اگر اعتبار نہ ہو ، قول و قسم  
لو :

میری باتوں کا نہ باور ہو نوشتہ لے لو  
شاہد انساں کے عوض چاہے فرشتہ لے لو  
آئندہ سب کچھ تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا : حافظ  
تراکہ ہر چہ مراد در جہاں داری  
بکن ہر آن چہ کہ خواہی کہ دست آن داری

صبح کو رحم اللہ آیا ، اس کو میں نے رقعہ دیا ، دوسرے  
ن جواب لے آیا -

### تیسرے خط کا جواب

کلیجا تھام لو گے جب سنو گے  
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا  
میرے جلد باز ! خوش رہو -  
کلیجا پکڑ کر وہیں بیٹھ جاتے  
سنا ہی نہیں تم نے نالہ کسی کا  
آپ کا رقعہ قسموں اور قولوں سے بھرا ہوا مجھے پہنچا - میں  
مجھتی تھی کہ میری تحریر اور بعض سخت فقروں سے ، گو وہ  
ظاہر تلخ تھے مگر درحقیقت ان کی خوبی میں کلام نہیں ، آپ



رنجیدہ ہوں گے - مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ کے جواب نے مجھے مطمئن کر دیا کہ آپ منصف مزاج اور عقلمند آدمی ہیں - میں - جو کچھ لکھا تھا ، وہ بہت ضروری باتیں تھیں ، اور کسی معاملہ کو اول ہی اول صاف کر لینا مقتضائے دانشمندی ہے - بارے مجھے یقین ہوا کہ آپ ظاہر پرست نہیں ہیں ، بلکہ ذاتی خوبیوں کے پرکھنے والے ہیں - میری جو کچھ تعریف اور اوصاف آپ - بیان کیے ہیں ، یہ خود اپنی ہی تعریف ہے - میں تو ایک ناکار اور ناقص العقل چیز ہوں اور درحقیقت مردوں کی عقل و فراست سے عورتوں کو کیا مناسبت ، ناقصات العقل و العادات ہی عورتوں کا لقب ہے - ہاں یہ ضرور ہے کہ دوست کی سب چیز حتیٰ کہ برائیاں بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں - اسی نظر سے آپ کی تعریف قابل اعتراض نہیں ہے -

آپ نے قول و قسم کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ، اس کی حاجت نہیں - جھوٹا آدمی اگر ہزار قسمیں کھائے ، بیکار ہے اور سچا صرف زبان سے اقرار کر لے ، عمر بھر کافی ہے - آپ اگر سچے ہیں ، قسم لے کر کیا کروں گی اور اگر ایسا نہیں ہے ، آپ کی قسمیں مجھے کیا مدد دے سکتی ہیں - اب ذرا جی لگا کر میرا حال سنئے -

اب جگر تھام کے بیٹھو مری باہی آئی

یقین جانو ، جب سے میں سن شعور کو پہنچی ہوں ، عجب الجھن اور بیم و رجا میں میری جان پڑی ہے - میرا مزاج کچھ ایسا واقع ہوا ہے ، جو اس فرقے سے ، جس کے ہاتھ میں پڑی ہوں ، بالکل علیحدہ ہے :

اشیاں بھولے سے بھی آنا نہیں ہے یاد میں

پرورش پائی ہے ہم نے خانہ صیاد میں

چھٹپنے ہی میں میں یتیم ہو گئی - اعظم جی اور میرزائی نے



مے بچوں کی طرح پالا اور ہمیشہ یہی دعویٰ کرتے رہے کہ اس  
 کو کسب نہ کرنے دیں گے، بلکہ اس سیہ بخت کی شادی کسی  
 یف کے ساتھ کر دیں گے؛ لیکن مجھے جو ذرا بھی کبھی اعتبار  
 ا ہو، کیونکہ ان ناخدا ترسوں کے ہتھکنڈوں سے میں بخوبی  
 ف ہوں۔ اور مشکل یہ تھی کہ اگر میں ان کی بات کا کبھی  
 ن بھی کر لیتی تھی تو اور خیالات چین نہیں لینے دیتے تھے۔ خدایا!  
 سے شخص سے سابقہ ہو، میرا مزاج اس کے مزاج سے موافق  
 یا نہ ہو؛ کہیں رند، اوباش نہ ہو، بد تمیز جاہل نہ  
 ، اگر ایسا ہوا تو تمام عمر کا وبال ہوگا :

سو بار موت آئی ہے عہد شباب میں  
 اس دل کے ہاتھوں جان پڑی ہے عذاب میں

آخر اس قول و اقرار اور لمبی چوڑی باتوں کا نتیجہ آپ نے  
 دیکھ لیا کہ ان حرام خوروں نے کوئی دقیقہ میری آبرو  
 کا اٹھا نہیں رکھا اور ہاتھ پاؤں باندھ کے آگ میں دھکیل  
 ۔ مگر پروردگار! تیرا شکر کروں شکر کہ وہ آتش نمرود مجھ  
 گلزار خلیل بن کے بھڑکی؛ میرا رونگٹا میلا نہ ہوا اور میرا  
 بن عصمت آلودہ معصیت نہ ہونے پایا۔ قربان تیری بندہ نوازی  
 ذرہ پروری کے!

میرے مولا سری بگڑی کے بنانے والے

کے رسد تر دامنی را دست تا دامن ما  
 رخت پا کاں خشک چوں گوہر در آب آفتادہ است

الحمد لله ثم الحمد لله

گوہر مخزن اسرار ہاں ست کہ بود  
 حقه مسہر بداں مسہر و نشان است کہ بود



بہ این ہمہ میری جس قدر بدنامی ہوئی ، اسی کے صدمہ  
میں میری ہڈیاں پگھلی جاتی ہیں اور روح پر صدمہ ہے ۔ خدا کی  
قسم ! ایک لحظہ ان لوگوں میں مجھے رہنا قیامت ہے ، مگر مجبور  
اور بے کسی کو کیا کوسوں : ”زمین سخت ہے آسمان دور ہے ۔“  
حیف باشد کہ نشینم با خار  
ظاہرا مصلحت وقت در آن می بینم

دکھایا کنج قفس مجھ کو آب و دانہ نے  
وگر نہ دام کہاں ، میں کہاں ، کہاں صیاد  
اگر حرام موت اور عذاب عاقبت کا خوف نہ ہوتا ، میں سے  
کہتی ہوں ، اب تک جان دے دی ہوتی ، مگر بجز خاموشی او  
صبر کے چارہ نہیں :

مرغ زیرک گر بدام آفتد تحمل بایدش  
میں نے جس دن آپ کو پہلے پہل دیکھا اور اعظم جی سے  
آپ کی تعریف سنی ، میں نے خدا سے دعا مانگی کہ اگر اس  
شخص سے میرا دامن باندھ دیا جائے تو تیری بڑی رحمت ہے  
الحمد لله کہ میری دعا قبول ہوئی :

جو طلب میں نے کیا اپنی عنایت سے دیا  
تیرے قربان مرے ناز اٹھانے والے  
جس دن منگ صاحب کی سرکار میں نوکری کا پیام ہوا ہے  
میں نے فوراً تاڑ لیا تھا کہ آپ کا میلان اس ناچیز کی طرف ہو  
اور اسی وجہ سے یہ تقریب مہور میں آئی ۔ میرا گان صحیح نکلا  
جب سے میں نے یہ انداز اختیار کر لیا ہے کہ منگ صاحب وغیر  
کے سامنے آپ سے جلی کٹی باتیں کرتی ہوں اور دور ہی دور رہتی  
ہوں تاکہ کسی کو بدگمانی کا موقع نہ ملے :



کیا کیا نہیں کرتا یہ ہمارا دل مضطر  
 روکے ہوئے، ڈاٹھے ہوئے، دھمکائے ہوئے ہیں  
 آپ کی محبت کا بار میرے دل ناتواں پر جس قدر ہے، اس  
 کو میں خدا جانے کس طرح اٹھائے ہوئے ہوں اور ضبط کے مارے  
 نہیں کرتی :

گفتمش جامی اسیر تست گفتا آگہم  
 لیک من از طعن بدگویاں تغافل می کنم  
 چوں کہ عورتوں کو فطرتاً شرم و حجاب دیا گیا ہے، گو بارہا  
 بولے اٹھے اور اضطراب نے پاؤں پھیلائے، مگر میں نے ابتدا اپنی  
 طرف سے مناسب نہیں سمجھی اور جس طرح ہو سکا، کلیجہ مسوس  
 مسوس کے رہ گئی :

تم کریدوگے اگر خاک، دھواں اٹھے گا  
 کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے اٹھا رکھی ہے  
 اور سچ جانو :

آن قدر یاد کردہ ایم ترا  
 آن قدرہا کہ یاد ما نہ کنی  
 علاوہ اس کے یہ بھی ایک مائع قوی تھا کہ چندے صبر  
 کر کے آپ کے چال چلن اور ظرف کا امتحان کروں کہ اگر یہ  
 شخص صرف بندہ ہوس اور معمولی روش کا آدمی ہے تو دور بھی  
 نہرو اور دل پر جبر کر کے جس طرح ہوسکے قطع نظر کرو،  
 کیوں کہ میں صرف نفس پرست اور بوالہوس نہیں ہوں؛ مگر  
 خدا کا شکر ہے کہ میری خواہش کے مطابق آپ نے اپنے کو  
 اہت کر دیا :

گر زلیخا بہ خیالت مژہ وا می کرد  
 آنچه در خواب ندیدست تماشا می کرد



مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کہ ایسا آدمی ملا۔ آ  
 کو مجھ سے سینکڑوں عورتیں ملتیں، مگر مجھے بہت مشکل تھی  
 یہ ہندی ٹپہ میرے حسب حال ہے :

ٹپہ

ہم سے تم کو بہتیری، تم سا ہم کو کوئی نہ ملتا  
 ڈھونڈھ پھری چونہیری

ترا بہر گذرے ہست بے قرار دگر

مرا بہ جز تو کسے نیست غم گسار دگر

چوں کہ میں نے تمام عمر آپ کے ساتھ بسر کرنے کی نین  
 کر لی ہے، اس لیے سچا سچا اپنا سارا حال لکھ دیا ہے اور ایسی  
 صورت میں اس کی ضرورت تھی۔ آپ اس راز کو بہت مخفی رکھیے  
 گا۔ اس کے افشا میں ہزاروں قباحتیں ہیں :

دلہم کہ گوہر اسرار حسن و عشق دروست

تواں بدست تو دادن گرش نکو داری

آپ نے شادی کے معاملے میں جو کچھ جواب لکھا ہے

یقین جانیے، میں نے ممانعت کی نیت سے نہیں لکھا تھا۔ البتہ  
 آزمائش ضرور منظور تھی کہ آپ کتنے دور بین ہیں اور کس قسم کی  
 محبت اور کیا خواہش ہے؟ ورنہ خدا کی قسم میں ایسی شرط نہ  
 کروں گی، اور نہ اس کو پسند کرتی ہوں۔ اگر آپ مجھ سے  
 صادق القول اور محبت پر قائم رہے، کسی قول و قسم کی ضرورت  
 نہیں ہے۔ آپ کو خود ہی گوارہ نہ ہوگا، اور اگر خلوص



ایک رنگی میں فرق آیا ، قسم ایک نہیں ہزاروں ہوں تو کیا کام  
 آسکتی ہیں ۔ کوئی عقل مند اس بات کو گوارا نہ کرے گا ، بلکہ  
 میرے سر کی قسم ! اگر آپ کے ورثا شادی کے لیے کہیں تو ہرگز  
 میری وجہ سے انکار نہ کرنا ، میری طرف سے آپ کو پوری آزادی  
 ہے ۔ کبھی اس معاملے میں کوئی عہد و پیمانہ نہیں کرنا چاہتی ۔  
 میرے نزدیک پختہ مزاجی اور دور اندیشی سے یہ فعل بالکل بعید  
 ہے کہ مردوں کو ایسے شروط لایعنی کے ساتھ مقید اور مجبور  
 کیا جائے ، بلکہ دوستی کے پردے میں دشمنی ہے ؛ کیوں کہ  
 مردوں کو تمام عمر اس بات سے بچنا قریب بہ محال ہے ۔ پھر  
 درپے محال ہونا حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔ البتہ میں چند شرائط  
 اور کروں گی جو محبت اور الفت میں لازمی ہیں اور اس کی پابندی  
 بھی آپ کو اور مجھے دونوں کو کرنی پڑے گی ، خبر شرط ہے ۔

میرھے محرم راز ! میں نے اپنا مفصل حال لکھ دیا ہے ، اس  
 سے مغرور نہ ہو جائیے گا ۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیسا ضبط  
 کیا ہے اور کس قدر احتیاط کے بعد اپنے دل کا حال بیان کر دیا  
 ہے ، وگرنہ کیا ممکن تھا کہ ایک حرف بھی میرے منہ سے  
 کوئی سن لیتا ۔ اگر ہونٹ ہلتے ، منہ بگاڑ دیتی ؛ اگر دل مچلتا ،  
 پہلو سے چیر کر پھینک دیتی :

تجھ پہ قابو نہیں دل پہ تو ہے قابو اپنا

مگر اب بجز اس کے چارہ نہ تھا :

عشق را گر رخصت شوخی نمی بودے ز حسن

دست کے کردے زلیخا سوے پیراھن دراز

اگرچہ مجھ پر عاشقی یا معشوقی دونوں لفظ نہیں پہنتے ، مگر  
 تاہم دیکھنا چاہیے ، حق وفا کس کی طرف سے ادا ہوتا ہے ؟  
 میں ناچیز کیا منہ رکھتی ہوں ، جو کسی قسم کا دعویٰ کروں ۔



مگر ”واللہ المستعان و علیہ التکلان“ اللہ بس ، باقی ہوس - (فقط)

اس خط کو پڑھ کے بے انتہا خوش ہوا اور پھولا نہ سہایا  
 قریب تھا کہ مجھے شادی مرگ ہو جائے۔ اس کے دلی حالات  
 دریافت ہونے سے میں بہت ہی خدا کا شکر گزار ہوا۔ رات کو  
 جواب لکھ رکھا :

### رقعہ چہارم

محبوب دلارام من ! تمہارا پیارا خط میرے لیے مسیحا ہو کر  
 پہنچا۔ جو کچھ تم نے کمال مہربانی سے اپنا تفصیلی حال لکھا ہے ،  
 اس سے میں بے انتہا شکر گزار ہوا۔

میری جان ! میں مغرور کیوں ہونے لگا ، گو غرور کا موقع ضرور  
 ہے ، نہیں نہیں افتخار کا ، ناز کا ، غرور مذموم چیز ہے۔ اس خط نے  
 میرے دل کو بڑی ڈھارس دلائی اور بے شک میں اپنی کامیابی کا  
 بہت ہی جلد سامان دیکھوں گا۔ یہ میری سچی محبت کا اثر ہے  
 جو تم کو رحم آگیا :

گھبرائے ہوئے بام پہ اب پھرتے ہیں وہ بھی  
 اتنا تو ہوا ہے سرے نالوں کے اثر سے

میں نے جس دن سے تم کو اپنا دل دیا ، بہت ہی ایم و رجا  
 میں گذرتی تھی کہ دیکھوں اس کا انجام کیا ہو اور کہیں میری  
 آہ بے اثر ہو کے تو نہیں رہ جاتی۔ الحمد للہ یہ دغدغہ اب جاتا  
 رہا۔ میں اپنے جذب صادق کے صدقے ، جس نے تمہارا دل نرم کر دیا  
 اور تم کو بے چینی پیدا ہوئی :

لائے اس بت کو التجا کر کے

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

میں اس کا عذر خواہ ہوں کہ تم کو میری وجہ سے تکلیف



ہوئی، معاف کرو۔

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے

پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

میں تمہارا بندہ بے دام ہوں۔ ان شاء اللہ کبھی سرتابی نہ

شروں گا اور میری وفا تم دیکھ لو گی۔ تم نے اپنی نسبت بہت ہی

نکسار کے کلمات لکھے ہیں، یہ انتہا درجے کی خوبی ہے۔ مگر

میری جان! تمہاری عمدگیاں اور دل فریب حمیدہ صفتیں اپنا جواب

میں رکھتیں۔ تم اپنے کو جو چاہو سمجھو، مگر میں یکتائے روزگار

اور مجمع خوبی کہوں گا۔ اس سے زیادہ انسانی کلمات مجموعہ

میرے خیال میں کسی میں خصوص معشوقوں میں جمع ہونا محال

نہی ہے یا قریب بہ محال ضرور ہے:

خدا کے فضل سے یوسف جہاں کہلائے

اب اور چاہتے کیا ہو پیمبری ہو جائے؟

صبح کو رحم اللہ آیا۔ رقعہ اس کو دے دیا اور اب

سلسلہ نام و پیام جاری ہو گیا۔ یہ چند خطوط یہاں سلسلہ کلام کے

پے لکھ دیے گئے۔ آئندہ بھی حسب موقع چند خطوط کی نقل

کردوں گا۔

اب یہ بھی معمول ہو گیا تھا کہ عصر کے وقت وہ دل آرام

فناں کے قریب آ کر کھڑی ہوتی تھی اور میں غلام گردش میں

کرسی پر بیٹھا نظارہ بازیاں کیا کرتا تھا۔ کبھی مزے مزے کے

شعر پڑھے جاتے تھے، کبھی دونوں رویا کرتے تھے؛ غرض کہ

عجب لطف اور کیفیت سے گذرتی تھی، جس کو بیان کرنے کی

طاقت نہیں۔ ہاں جس پر گذری ہو، وہ سمجھ لے:

الفت کا جب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی



## حریفانہ داز و نیاز

ایک روز منگ صاحب نے اپنے کئی دوست انگریزوں کی دعوت کی، رات کو مجرا ہوا۔ قاعدہ یہ تھا کہ صدر میں کرسیوں پر سب انگریز بیٹھتے تھے اور بائیں طرف اور سب لوگ۔ آخر میں منگ صاحب کی کرسی ہوتی تھی اور اسی کے قریب میری کرسی۔ اور سیدھے ہاتھ کی طرف طائفہ کھڑا ہوتا تھا اور خانم جان ان کے سیدھے ہاتھ کی طرف کھڑی ہوتی تھی۔ اس دن اس قدر کثرت ہوئی کہ منگ صاحب کی کرسی بہت ہی پاس میں تھی۔ میں بھی ان کے پاس بالکل پیچھے دیوار سے ملا ہوا بیٹھا تھا جس سے یہ ہوا کہ مجھ سے اور خانم جان سے بہت ہی تھوڑا فاصلہ رہ گیا تھا۔

غرض کہ گانا شروع ہوا۔ صاحب مجھ سے بار بار معنی پوچھتا تھا اور انگریزی میں دوسرے انگریزوں کو سمجھاتا تھا۔ چونکہ خانم جان بڑی شیریں کلام اور ہنس مکھ عورت تھی، اکثر انگریز اس سے باتیں کرنے لگتے، جس سے مجھ کو نہایت غیرت اور غصہ معلوم ہوتا تھا مگر مصلحتاً خاموش تھا۔

تھوڑی دیر میں خانم جان نے چوگھڑے پر ہاتھ مارا اور بہت سا مصلحہ الاچی وغیرہ لے گئی اور میری طرف ایک ادائے خاص سے دیکھ لیا :

۱۔ ڈنر مصنف نے کلاں لکھا ہے جس سے ڈنر ہی مراد ہے (مترجم)



دیکھا جدھر کنکھیوں سے اس مست ناز نے  
 غمزہ پکار اٹھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے  
 میں نے میرزائی سے اس غزل کی فرمائش کی : حافظ  
 بہ ملازمان سلطان کہ رساند این دعا را  
 کہ بشکر پادشاہی ز نظر مراں گدا را  
 ز رقیب دیو سیرت بخداے خود پناہم  
 مگر آن شہاب ثاقب مددے دھد خدا را  
 چہ قیامت ست جانا کہ بہ عاشقان نمودی  
 رخ ہمچو ماہ تاباں ، دل ہمچو سنگ خارا  
 دل عالمے بسوزی چو عذار برفروزی  
 تو ازین چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا  
 ہمہ شب درین آمیدم کہ نسیم صبح گاہی  
 بہ پیام آشنائی بنوازد آشنا را  
 مژہ سیاہت ار کرد صد خون با اشارت  
 ز فریب او بیندیش و غلط مکن نگارا  
 بہ فریب چشم جادو ، دل درد مند خون شد  
 نظرے کنید عزیزاں کہ چگونہ گشت ما را  
 دل درد مند حافظ کہ ز ہجر تست پُرخون  
 چہ شود اگر زمانے برسد بوصل ما را  
 اس کے بعد خانم نے یہ غزل گائی : حافظ  
 آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند  
 آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند



دردم نہفتہ بہہ ز طبیبان مدعی  
 باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند  
 معشوق چون نقاب ز رخ در نمی کشد  
 ہر کس حکایتی بہ تصور چرا کنند  
 چون حُسن عاقبت نہ برندی و زاهدیست  
 آن بہہ کہ کار خود بہ عنایت رہا کنند  
 بگذر بکوئے مے کدہ تا زمرہ حضور  
 اوقات خود ز بہر تو صرف دعا کنند  
 پنہاں ز حاسداں بدھی مے کہ منعہاں  
 خیر نہاں بسے ز برائے خدا کنند !

یہ شعر گتی ہوئی پھر خانم جان آئی ، چو گھڑے سے باقی  
 مصالحہ بھی لے گئی اور ساتھ والوں کو الائچیاں ، لونگ ،  
 چکنی ڈلی وغیرہ تھوڑی تقسیم کی ، باقی مٹھی میں لیے رہی - میرے  
 جی میں آیا کہ میری معشوقہ اس وقت یہ مصرع گا رہی ہے : مصرع  
 خیر نہاں بسے ز برائے خدا کنند

اگر مجھے بھی الائچی وغیرہ دے تو اس مصرعے کا مصداق  
 صحیح ہو جائے اور آہستہ سے میں نے یہ شعر اس کو سنا کے پڑھا :  
 بزل نوال می کنی قسمت بندہ ہم بدہ

خاصہ بدیگراں مکن رحمت عام خویش را

وہ فوراً سمجھ گئی اور چکنی چھالی دو انگلیوں پر رکھ کے  
 انگوٹھے سے اس طرح اڑائی کہ میری گود میں آ پڑی ، میں نے منہ  
 میں رکھ لی - یہ دونوں حرکتیں منگ صاحب نے اچھی طرح دیکھ  
 لیں - میں تو سہم کے رہ گیا مگر اس کو مطلق اثر تک نہ ہوا اور  
 اسی طرح ٹھوکرین لے لے کے گیا کی ، حالانکہ منگ صاحب کا دیکھنا  
 اسے بھی معلوم ہو گیا تھا اور ساتھ ہی اسی غزل کا یہ شعر گیا :



بے معرفت مباش کہ در من یزید عشق

اہل نظر معاملہ با آشنا کنند

یہ پڑھ کے ایک ڈلی اور پھینکی مگر مجھے بچاتی ہوئی زمین پر پڑی؛ پھر تیسری، چوتھی، پانچویں، کئی ڈلیاں متواتر پھینکتی رہی۔ آخر ایک ڈلی میرے قریب تپائی پر جو فانوس رکھا ہوا تھا اس پر پڑی اور چھن سے آواز آئی، اور اس نے کہا: ”وہ مارا“ سب کی آنکھ ادھر اٹھ گئی۔ منگ صاحب نے کہا ”خانم جان! میرا فانوس توڑو گی؟“ میرزائی نے بھی کہا ”بی خیر ہے، یہ کیا لڑکپن ہے؟“ آپ نے کسی کا تو جواب نہ دیا مگر بہت ہی بے پروائی سے انگوٹھا دکھا دیا، ”میرے ٹھینگے سے“ اور صاحب سے کہا ”آپ اس شعر کے معنی سمجھے؟“:

بے معرفت مباش الخ

صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ حسن شاہ! اس کے کیا معنی ہیں؟ میں صاحب کو سمجھاتا ہی تھا کہ اس نے یہ غزل شروع کر دی:

### غزل

دل من بدور رویت زچمن فراغ دارد

کہ چوسرو پامے بندست و چولالہ داغ دارد

جب اس شعر پر پہنچی:

بفروغ چہرہ زلفت رہ دل زند ہمہ شب

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد!

۱۔ ”اہل نظر معاملہ با آشنا کنند“ یہ قیامت کی ادا شناسی

دیکھیے۔ سچ ہے ایسے آدمی جلد مرتے ہیں اور وہی ہوا بھی۔ (مترجم)



اور ایک قہقہہ لگا کے صاحب بیچارے سے کہا ”اگر اس کے معنی نہ سمجھے ہو، اس شعر کے معنی بتاؤ تاکہ دونوں کا مطلب کھل جائے۔“ وہ بے چارہ اس رمز و کنایہ سے کیا واقف؟ مجھ سے اس کے معنی بھی پوچھنے لگا۔ ابھی میں نے اچھی طرح سمجھایا نہ تھا کہ آپ نے اس کو بنانا شروع کیا اور معنی بتانے کا اصرار کیا۔ وہ مجھ سے الجھا کہ جلد بتاؤ۔ میں حیران تھا کہ کیا بات بتاؤں مگر فوراً ہی میرے خیال میں ایک بات آگئی۔ میں نے کہا ”خانم جان نے آخری شعر اپنے حسب حال پوچھا ہے۔ دیکھیے ابھی ابھی فانوس‘ توڑے ڈالتی تھیں۔ اس پر کچھ شبہ تو ہوا نہیں بے پروائی سے جواب تک نہ دیا۔ یہ دلاوری نہیں تو کیا ہے؟“ صاحب نے ہنس کے کہا کہ واقعی یہی مطلب‘ خانم جان کا ہے۔ گاتے گاتے جب اس شعر پر پہنچی :

سزدم چو ابر بہمن کہ بریں چمن بگریم  
طرب آشیان بلبل بنگر کہ زاغ دارد

میری طرف مسکرا کے منگ صاحب سے کہا ”اے صاحب ! تمہارے ولایت میں تمام کوئے گورے ہوتے ہیں اور ہندوستان تک پہنچتے ہیں۔“

اس نے سادگی سے کہا کہ ہاں ہمارے ملک میں سفید کوئے بھی ہوتے ہیں۔

میں نے صاحب سے کہا ”آپ کچھ سمجھے بھی؟ یہ آپ لوگوں پر چوٹ ہے، یعنی آپ ہی گورے کوئے ہیں۔“  
صاحب نے کہا ”خانم جان ! تم ہم کو کوا کہتی ہو؟“

۱۔ لیمپ تو اس وقت ہوں گے نہیں مگر نئی روشنی والے یہی پڑھیں۔ (مترجم)

۲۔ یہی لفظ لکھا ہوا ہے میرا تصرف نہیں ہے۔ (مترجم)



سب ہنس رہے تھے مگر وہ تیوریاں چڑھا کے خاموش ہو رہی  
میں نے صاحب سے کہا کہ اس غزل کی فرمائش کیجیے :

### غزل

دوش می آمد و رخسار برافروختہ بود  
تا کجا باز دل غم زدہ دل سوختہ بود  
رسم عاشق کشی و شیوہ شہر آشوبی  
جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود  
جان عشاق سپند رخ خود میدانست  
و آتش چہرہ بر این کار برافروختہ بود  
دزد زلفش رہ دیں می زد و آن سنگین دل  
در رہش مشعلے از چہرہ برافروختہ بود  
دل بسے خون بکف آورد ولے دیدہ بریخت  
اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود  
گفت و خوش گفت برو خرقة بسوزاں حافظ  
یا رب! این قلب شناسی ز کہ آموختہ بود  
مقطع پر میں نے مسکرا کے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے  
میرا ہی دل جانتا ہے :

از دور فگندی بمن از ناز نگاھے  
قربان نگاھے تو شوم باز نگاھے

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا  
ساغر کو سرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں  
مجلس بر خاست ہو گئی اور میں ایک حالت ناگفتنی میں وہاں



سے اٹھا، سب رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن جب قنات کے پاس ملاقات ہوئی، میں نے کہا  
 ”رات کو تم نے غضب ہی کیا۔“ کہنے لگی ”کیا؟“ میں نے کہا  
 ”اجی وہی چکنی ڈلی جو آپ نے پھینکی تھی، وہ تو کہو،  
 نے اسے اور ہی ڈھنگ پر ٹالا، مگر طرہ یہ کہ ایک تو کنایہ د  
 شعر گائے، پھر صاحب سے معنوں کا اصرار کیا، لیکن خیریت ہو  
 کوئی سمجھا خاک نہیں۔“

ہنس کے کہا ”کوئی جو کام چھوٹا بڑا کرتا ہے، اس کا آغ  
 انجام سوچ لیتا ہے۔ اگر میں نے اس کو ٹالنے کی تدبیر نہ سو  
 لی ہوتی تو ایسی حرکت ہی نہ کرتی۔ اشعار کے معنی پوچھنے  
 صرف یہ غرض تھی کہ آپ کی دانش مندی اور ادا شناسی ظاہر  
 ورنہ اور کوئی بات نہ تھی“ :

بیگانہ بے بدقت معنی نمی برد

جز آشنا بہ داد سخن ور نمی رسد

میں نے کہا ”خیر، جو ہوا اچھا ہوا۔“

ایک دن میں کاغذات صاحب کے پاس لے گیا، بعد ملاحظے  
 صاحب نے کہا ”میری کتاب میں فلاں کاغذ کی نقل کر دو۔“  
 میں دوسرے کمرے میں میز کے سامنے بیٹھ کر نقل کر رہا تھا او  
 صاحب کسی انگریز کے ساتھ ٹہلتا تھا، اتنے میں بی جان او  
 خانم جان صاحب کے پاس آئیں۔

جب وہ انگریز چلا گیا، صاحب نے بی جان کے ساتھ اختلاف  
 شروع کیا اور گود میں اٹھا لیا۔ میں انجان بنا ہوا سر جھکا  
 ہوئے لکھ رہا تھا کہ خانم جان میرے پاس چلی آئی اور پوچھا  
 ”کیا لکھ رہے ہو؟“ میں نے کہا ”تنخواہ کا کاغذ ہے۔“  
 اس نے کاغذ اٹھا لیا اور دیکھنے لگی۔ میں نے کہا ”دیکھو



صاحب اور بی جان کیسے مزے میں ہیں، اگر تم بھی مجھے ایک  
 بوسہ عنایت کرو تو کیا اچھی بات ہے۔“  
 اس نے یہ سن کے میرے دونوں ہونٹ مل دیے۔  
 تمہاری تیغ کا منہ چڑھ کے لے لیا بوسہ  
 کبھی کسی سے نہ ہم دب کے بانک پن میں رہے  
 اتفاقاً اس کی یہ دراز دستی صاحب نے بھی دیکھ لی اور  
 لا ”خانم جان کیا ہے؟“ اس نے صاحب کو نہ دیکھا تھا،  
 اس کے پوچھنے سے فی البدیہہ جواب دیا کہ آپ کے منشی صاحب  
 جیب چیز ہیں۔ مجھ سے ایسی سخت بات کہہ بیٹھے کہ کیا  
 سہوں۔

صاحب نے کہا ”کیا بات کہی، ہم بھی تو سنیں۔“  
 فرمایا ”میں ان کے پاس آئی، کاغذ اٹھا کے میں نے ان سے  
 پوچھا کہ کیا کر رہے ہو، تو کہنے لگے، چلو آگے بڑھو،  
 صاحب نے تم کو قبول نہیں کیا، میں بھی تم سے بات نہیں کرتا۔  
 مجھ کو بھی غصہ آگیا، زبان کا جواب ہاتھ سے دیا، ان کا منہ  
 مل دیا :

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

صاحب نے کہا ”تم حسن شاہ سے ڈرتی نہیں ہو؟ وہ میری  
 خاطر سے چپ رہتے ہیں اور تم بڑھتی ہی جاتی ہو۔“  
 آپ نے بگڑ کے کہا ”اور میں بھی تو آپ کی خاطر سے طرح  
 سے گئی، خون پی کے رہ گئی، ایسی بات انہوں نے مجھے کہی  
 بھی کہ ٹکڑا سا توڑ کے جواب دیتی تو اپنا سا منہ لے کے  
 رہ جاتے۔“



صاحب نے ہنس کے کہا ”حسن شاہ! تم نے سچ کہہ  
کہ ہمارے صاحب نے قبول نہیں کیا۔ یہ ہمیشہ مجھ کو کم  
کرتی ہے کہ میں نے تم کو منہ نہ لگایا۔“

میں نے کہا ”حضور اب یہ ذکر جانے دیجیے، مجھے اس  
وقت خون جگر پینا پڑا۔ یہ دست درازی کر گئی ہیں، صرف آپ  
کے لحاظ سے چپکا ہو رہا۔“

صاحب نے کہا ”تم بھی عوض لے لو۔“  
میں نے کہا کہ میں درگذرا، یہ مجھے اسی طرح جینے  
دیں۔ ان کی بڑی عنایت یہی ہے کہ میرے پاس سے تشریف  
لے جائیں۔

صاحب نے کہا ”خانم جان! تم نے اچھا نہ کیا؛ تم کو  
معلوم ہے کہ ہمارے منشی تم لوگوں سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔“  
اس نے کہا کہ پھر مجھے کیوں سخت بات کہی؟  
صاحب نے کہا کہ وہ دل لگی تھی؛ تم بھی ویسا ہی  
جواب دیتیں۔

غرض کہ اس طرح یہ قصہ رفت گذشت ہو گیا۔  
ایک دن خانم جان اور بی جان وغیرہ سب صاحب کے پاس  
آئیں۔ اس ستم گرنے دل لگی کا مشغلہ یہ نیا نکالا کہ صاحب  
سے کہنے لگی ”آپ کے منشی صاحب بڑے سفاک اور بے رحم ہیں  
اور مجھ سے تو جانی دشمنی رکھتے ہیں۔ معلوم نہیں میں نے ان  
کا کیا بگاڑا ہے۔“

۱۔ حسن شاہ اور خانم جان تو صاحب معاملہ تھے مگر  
صاحب بہادر بہت مسخرے تھے۔ جہاں دیکھو ٹپکے پڑتے ہیں۔ افسوس!  
اب ایسے انگریز نہیں آتے ورنہ ہم بھی بتاتے۔ (مترجم)



مجھ سے قاتل کو اگر لاگ نہیں محشر میں  
 دیکھ کر آنکھ میں کیوں خون اتر آتا ہے  
 میں آج ان پر خون کا دعویٰ کرنے آئی ہوں -  
 صاحب نے کہا ”خیر تو ہے، کیا کچھ تم کو برا بھلا کہا؟“  
 فرمانے لگیں ”میں نے رات کو خواب دیکھا، گویا میں  
 آپ کے بنگلے سے آئی ہوں - منشی صاحب طینچہ لیے ہوئے بنگلے  
 کو آ رہے ہیں، میرے قریب پہنچ کے کہنے لگے ”تم صاحب  
 کے پاس آتی ہوں؟“ میں نے کہا ”میں آپ سے نہیں آتی ہوں،  
 صاحب بلاتے ہیں، مہربانی کرتے ہیں، آتی ہوں۔“ اس پر  
 فرماتے ہیں کہ خپردار! اب آئیں تو آئیں پھر نہ آنا، مجھ کو  
 سخت ناگوار ہوتا ہے۔ میں نے کہا ”تو آپ صاحب سے منع  
 کرا دیجیے، مجھے نہ بلوایا کریں، میں خدا واسطے کیوں آنے لگی۔“  
 اس کا جواب تو دیا نہیں اور اٹھا کے طینچہ مار دیا اور کہا کہ  
 لو اگر نہیں مانتیں تو تمہاری یہ سزا ہے۔

جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا  
 تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میرے قاتل کی  
 میں گولی کھا کے گر پڑی اور لوٹنے لگی اور اپنا نام آپ  
 ہی لے کر رو رہی ہوں کہ ہائے ہائے! خانم جان مار ڈالی گئی۔ اور  
 چاہتی تھی کہ آپ کو اطلاع کروں کہ دیکھیے آپ کے منشی  
 صاحب نے مجھے بے قصور قتل کیا، اتنے میں میری آنکھ کھل  
 گئی۔ اب میرا خون بہا منشی صاحب سے دلوا دیجیے۔“  
 صاحب نے کہا ”دیوانی ہوئی ہے؟ کہیں ایسی دل لگی  
 حسن شاہ سے نہ کرنا، وہ ان باتوں سے دور بھاگتے ہیں۔“  
 اس شوخ نے کہا ”میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ ڈرتے ہیں،  
 ڈرا کیجیے، میں خون بہا لے کے ہی رہوں گی۔“



بھولی بھالی وہ قیامت باتیں  
جھوٹ کہہ دے تو یقین آ جائے

صاحب نے ٹیکا رام ہرکارے کو میرے پاس بھیجا کہ بلا لے  
ہیں۔ میں گیا تو ذات شریف کو دیکھتے ہی میں نے کہا ”خدا  
خیر کرے، آج کوئی نیا بسنت بنا کے لائی ہو۔ میں نے کل عصر  
کے وقت اس سے کہا تھا کہ جب صاحب آپ سے ہنستا بولتا  
ہے یا تمہارا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، مجھے انتہا سے زیادہ رشک ہوتا  
ہے اور جی چاہتا ہے کہ اپنی جان بھی دے دوں۔ عجب نہیں  
کسی دن خنجر مار کے ہلاک نہ ہو جاؤں۔“

غرض صاحب نے مجھ سے کہا کہ خانم جان نے تم پر  
خون کا دعویٰ دائر کیا ہے اور اس کی حقیقت بھی بیان کی۔  
میں نے کہا ”آپ سے اکثر عرض کر چکا ہوں کہ مجھ سے  
دل لگی نہ فرمایا کیجیے۔“

اس نے کہا ”میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ  
خانم جان حقیقتاً دعویٰ کرتی ہے، چاہو پوچھ لو۔“  
میں نے کہا ”خیر میں ایسا ہی عورتوں کا دشمن ہوں،  
خصوصاً ان کا، جیسا کہ انہوں نے خواب میں دیکھ ہی لیا ہے،  
پھر کیوں یہاں آتی ہیں؟ واقعاً ان کے آنے کا روادار نہیں ہوں،  
ممکن ہے مجھ سے یہ حرکت ہو گئی ہو۔“  
صاحب نے کہا کہ آپ اقراری مجرم ہیں، پھر تو خون بہا  
دینا چاہیے۔“

میں نے کہا ”ان سے کہہ دیجیے، خواب میں میں نے  
قتل کیا ہے، خواب ہی میں خون بہا یا قصاص جو چاہیں لے لیں  
کیونکہ ہمارے مذہب میں بہ مصداق آیت: ”السن بالسن والاذن



الاذن و الجروح قصاصاً“ - جس طرح ہر عضو کا بدلہ وہی عضو ہے ، اس اعتبار پر محل واردات اور وقت واردات پر یہ اپنا بدلہ لیں - خواب کا عوض بیداری نہیں ہو سکتا۔“  
صاحب نے کہا ”خانم جان ! حسن شاہ نے کیا معقول جواب دیا ہے۔“

اس نے کہا ”یہ لیجیے، آپ دونوں مل کے میری بات دل لگی میں اڑاتے ہیں ، حالانکہ میں یقیناً خون بہا لوں گی۔“  
اس نے کہا ”دینے کو تو کہتے ہیں ، خواب میں تم سے ہو سکے تو لے لو۔“

اس نے کہا ”میں یہ تاویلیں تو جانتی نہیں ، خون بہا لوانا ہو تو دلوائیے ، ورنہ ویسا کہیے ، میں اور کوئی راہ نکالوں۔“

ایسی ضد ہے تو انہیں کون منائے یا رب  
اس پہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا  
تب تو صاحب نے مجھ سے کہا ”ول حسن شاہ ! خانم جان  
میں مانتی - ہم نے فیصلے کی سب صورت سمجھا دی مگر وہ ان  
باتوں پر آتی ہی نہیں۔“

میں نے کہا ”تو معلوم ہو گیا کہ ان کو طمع نے گھیرا  
ہے جو ان لوگوں کا شیوہ ہے - اب ان کو مجال گفتگو نہیں -  
دعویٰ تو انہوں نے کر دیا تھا مگر ملا کچھ نہیں ، اس لیے

آیت ترتیباً غلط لکھی ہے ، اصلی یوں ہے ”الاذن بالاذن والسن  
بالسن والجروح القصاص“ اور پوری آیت یہ ہے ”کتبنا الیہم فیہا ان  
النفس بالنفس والانیف بالانیف والاذن باذن الخ (سورۃ مائدہ)۔  
حسن شاہ صاحب نے جواب دعویٰ میں اس آیت کو پیش کیا ہے  
حالانکہ اس کا محل وقوع نہ تھا۔ (مترجم)۔



ہٹ دھرمی پر آگئیں۔“

یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور معلوم ہوا کہ آگ ہو گئی مگر چپ ساکت ہو کے رہ گئی۔ مجھے یقین ہوا کہ یہ کہنا میرا اس کو ناگوارا ہوا، لہذا صاحب سے رخصت ہو کے چلا آیا۔

اس دن معمول کے موافق میں نے دیکھا کہ تشریف نہیں لائیں، اس سے مجھے خلیجان پیدا ہوا اور رحم اللہ کو تلاش کرایا۔ اتفاق سے وہ بھی نہ ملا کہ کہلا بھیجتا اور اس جنگ جو کی حرکات پر حیران تھا کہ آیا ان باتوں سے کیا مطلب ہے۔

ساری رات میں نے تڑپ تڑپ کے کاٹی۔ صبح کو غلام گردش میں بیٹھا تھا کہ رحم اللہ آیا۔ میں نے کہا ”کل خانم صاحبہ عصر کے وقت قنات کے پاس نہیں کیوں آئیں۔“ تو اس نے جواب دیا کہ وہ کہتی تھیں کہ انہوں نے صاحب کے سامنے مجھے نالائق بات کہی ہے، حالانکہ میں ان کا گلا رفع کرتی تھی۔ خیر اس کا مزہ میں بھی اچھی طرح نہ چکھاؤں تب میرا نام خانم جان ہے۔

مری وحشتوں کو وہ سن کر یہ بولے  
نکالیں گے دم بھر میں سودا کسی کا

۱۔ کس خوش نما آغاز کا ایسا بھونڈا انجام کیا ہے۔ ایسے معشوق سے اور یہ سلوک؟ (مترجم)

کتاب کے مترجم کو بیچارے ہیرو سے کچھ للہی بغض سا ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے گویا رشک سے جل رہے ہوں، ورنہ اس غریب کی سادگی کا مضحکہ اڑانے سے اب کیا حاصل؟ (مرتب)

۲۔ یہ خاص لفظ مصنف صاحب کا ہے۔ (مترجم)

۳۔ مطلب تو بہت صاف تھا، نہ سمجھنا اور بات ہے۔ (مترجم)



میں نے بہت ہی معذرت سے ہاتھ جوڑ کر کہا بھیجا اور  
ت کی طرف دیکھا تو کچھ سایہ سا معلوم ہوا۔ میں سمجھ  
ا وہی ہوں گی، لہذا یہ شعر میں نے پڑھا :

بازا خواہم گلہ از جور تو بنیاد کم  
زیر دیوار تو بنشینم و فریاد کم

مبادا بلبلی دیگر پس از من آشیان بندد  
توان آویخت بر شاخے بلندے استخوانم را  
پھر قنات کے نزدیک جا کے یہ شعر پڑھا :

مرا بہ سادہ دلی ہاے من توان بخشید  
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

اس کے جواب میں اور تو کچھ نہ کہا، یہ شعر پڑھا اور  
ہلی گئی :

گل بخندید کہ از دوست ترنجیم ولے  
ھیچ عاشق سخنے تلخ بہ معشوق نہ گفت

مغرب کے بعد گانے کی تعظیم کا ڈھنگ خیمے میں آپ نے  
لا۔ میرزائی سے کہا کہ دریافت کرنا چاہیے، اگر صاحب  
وں تو بلوا بھیجیں۔“

میرزائی نے صاحب کو بلوا بھیجا، وہ آئے۔ خانم جان  
نے اشعار کے معنی پوچھنے پر صاحب کو دھر لیا۔ جو کچھ  
پٹر پٹر ہوسکا، پہلے تو صاحب نے جواب دیا، مگر جب اس  
نے ناطقہ ہی بند کر دیا، ناچار مجھے بلوانے کے لیے میرزائی سے  
کہا۔ اس نے کہا ”ضرور بلوائیے، مگر باوجود ہمارے اصرار کے  
کبھی نہیں آتے۔“



صاحب نے کہا ”وہ اگرچہ جوان ہیں مگر عورتوں سے بہت شرماتے ہیں۔“

غرض کہ دو ہرکارے پے در پے آئے، میں عمداً توقف کرتا تھا، آخر تھوڑی دیر کے بعد خیمے میں گیا۔

میرزائی نے کہا ”آپ ہی کی کسر باقی تھی۔“

میں نے صاحب سے پوچھا ”آپ نے یہاں مجھے کیوں بلوایا ہے؟“

صاحب نے کہا ”پھر کیا غضب ہو گیا، تمہارا کیسا مزاج ہے۔“

بی میرزائی تمہاری شکایت کرتی ہیں کہ کبھی ادھر ہو کر نہیں نکلتے۔ میں نہیں سمجھتا کس لیے نہیں آتے ہو۔“

میں نے کہا ”آپ کو معلوم ہے کہ مجھے ایسے مقاموں پر جانے کی عادت نہیں ہے۔“

اس نے کہا ”ہاں میں جانتا ہوں مگر یہاں کچھ مضائقہ

نہیں ہے۔ یہاں آنے سے آپ کی شخصیت نہ جاتی رہے گی۔“

میں نے کہا ”خیر اب آیا کروں گا۔“ میں بیٹھا تو اس کے

پہلو ہی میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے چپکے سے کہا کہ

اس وقت تو خوب تم نے شوشہ چھوڑا۔ جواب دیا ”جی ہاں ا

آپ نے جس طرح اس وقت باتیں بنائیں انجان ہو کے بنائیں۔“

میں نے کہا :

چندانکہ زلف تست دراز ست کار من

از یک سرست زلف تو در روزگار من

اس کے بعد خانم جان نے یہ غزل شروع کی : غزل حافظ

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجا ست

منزل آن مہ عاشق کش عیار کجا ست



عاشق خستہ ز درد غم ہجران تو سوخت  
 ہیچ پرسی تو کہ آن عاشق غم خوار کجاست  
 شب تار ست و رہ وادی ایمن درپیش  
 آتش طور کجا وعدہ دیدار کجاست  
 ہر کہ آمد بہ جہاں نقش خرابی دارد  
 در خرابات بہ پرسید کہ ہشیار کجاست  
 آن کس ست اہل بشارت کہ اشارت داند  
 نکتہا ہست بسے ، محرم اسرار کجاست  
 ہر سر موے مرا باتو ہزاراں کار ست  
 ما کجائیم و ملامت گر بیکار کجاست  
 عقل دیوانہ شد آن سلسلہ مسکین کو  
 دل ز ما گوشہ گرفت ، ابروے دلدار کجاست  
 دلم از صومعہ و صحبت زاہد بگریخت  
 یار ترسا بہ چہ کو خانہ خمّار کجاست  
 بادہ و مطرب و گل جملہ مہیا ست ولے  
 عیش بے دوست مہیا نشود ، یار کجا ست  
 حافظ از باد خزاں در چمن دہر سرنج  
 فکر معقول بہ فرما گل بے خار کجاست  
 مقطع کو کئی دفعہ تکرار کر کے گایا - پھر میری طرف دیکھ  
 صاحب سے کہا کہ سچ ہے گل بے خار نہیں ، جیسے ہم  
 آپ -

پہلے تو صاحب جلدی میں کہہ گیا ”ہاں سچ ہے“ پھر  
 جہا اور کہا ”خانم جان! مجھے خار کہتی ہو؟“  
 اس نے کہا ”بے شک میری نسبت آپ خار ہیں۔“  
 صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا کہ اچھا ہم خار ہیں تو ناخن



سے تمہارا لہو نکالتے ہیں۔“

پھول لیں وہ بلبلیں منقار میں

تنکے جو چنتی پھریں گلزار میں

اس نے ہاتھ جھٹک دیا اور ہنسی میں بات اڑ گئی۔

میں نے بی جان سے کہا کہ یہ غزل سناؤ : حافظ

صبا بہ لطف بگو آن غزال رعنا را

کہ سر بکوه و بیاباں تو دادہ ما را

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا

تفقدی نہ کند طوطی شکر خارا

یہ غزل تمام ہوتے ہی خاتم جان نے اسے شروع کیا :

غزل حافظ

عاشقاں' را درد و غم بسیار می باید کشید

داغ یار و غصہ اغیار می باید کشید

در دل شبہاے تار از اشتیاق روے یار

آہ سرد و نالہ ہاے زار می باید کشید

داد خواہے را کہ می خواہد ز سلطان داد خویش

انتظار بامداد یار می باید کشید

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم ست

نازکی کے راست آید بار می باید کشید

حافظا! چندین الم مارا در ایام فراق

بر امید وعدہ دیدار می باید کشید

میری حالت متغیر ہوگئی اور آنسو جاری ہوگئے۔ میں

میرزائی سے کہا ”یہ غزل گاؤ“:

۱۔ یہ غزل دیوان حافظ کے ایرانی ایڈیشن میں نہیں ملتی (ادارہ)



آن کہ پامال جفا کرد چو خاک راہم  
 خاک می بوسم و عذر قدمش می خواہم  
 جب اس شعر پر پہنچی ، مجھ سے چپکے سے کہا ”میرے  
 حسب حال ہے۔“

ہستہ ام در خم گیسوے تو امید دراز  
 آن مبادا کہ کند دست طلب کوتاہم  
 اس نظم کے ختم ہوتے ہی خانم جان نے یہ غزل گائی :  
 من کہ باشم کہ بر آن خاطر عاطر گذرم  
 لطفہا می کنی اے خاک درت تاج سرم  
 ہمتم بدرقہ راہ کن اے طائر قدس  
 کہ دراز ست رہ مقصد و من نوسفرم  
 اس کو اس طرح درد سے ادا کیا کہ سب کے سب بے تاب  
 ہو گئے۔ میری آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے اور اس کی  
 بھی آنکھیں اس طرح ڈبڈبا آئیں جیسے گل نرگس میں قطرہ شبنم  
 ہو ، مگر ایک آنسو بھی گرنے نہ دیا اور اس طرح ضبط کیا کہ  
 گویا کچھ تھا ہی نہیں :

اے نسیم سحری ! بندگی سن برساں  
 گو فراموش مکن وقت دعاے سحرم  
 خرم آن روز کزین مرحلہ بر بندم رخت  
 وز سر کوئے تو پرسند رفیقاں خبرم  
 راہ خلوت کہ خاصم بنا تا پس ازین  
 می خورم با تو و دیگر غم دنیا نہ خورم  
 چپکے سے کہا ”آمین“ میں نے بھی کہا ”آمین“ :  
 حافظا شاید اگر در طلب گوہر وصل  
 دیدہ دریا کم از اشک و درو غوطہ خورم



اس وقت گانا بہت ہی پر اثر ہوا، صاحب بہادر بھی محو ہو گئے تھے۔ بعد ختم مجھ سے کہا ”حسن شاہ! بے شک تم آج عاشق ہو گئے۔ ان عورتوں میں سے تم جس کو پسند کرو، لے لو۔“ اور چپکے سے بی جان سے کہا ”دیکھو منشی کیسے چڑھتے ہیں۔“ میرزائی نے کہا ”آپ اگر ہم میں سے کسی کو قبول کر لیں، ہماری سعادت ہے۔“

میں نے کہا ”صاحب! آپ سے کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ مجھ سے دل لگی نہ کیا کیجیے، آپ نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ معاملہ آقا اور نوکر میں بہت ہی معیوب ہے۔“

اس نے کہا ”اس میں ہرج ہی کیا ہے، اور میں تو سچ کہتا ہوں، کیوں کہ تم گانے پر روتے بہت ہو۔“

میرزائی نے کہا ”میر صاحب رقیق القلب آدمی ہیں، اس میں عاشقی کی کون سی بات ہے۔“

میں نے کہا ”گریہ و بکا تو میرا خمیر ہے، اس کو میں کیا کروں؟ مگر افسوس میرے رونے میں اثر خاک نہیں۔“

کہاں سوز الفت میں قدر آنسوؤں کی

یہ موتی ہیں لیکن جلائے ہوئے ہیں

غرض کہ ان خوش طبعیوں کے بعد صاحب گھڑی دیکھ کے اٹھ

کھڑے ہوئے، میں بھی آمادہ ہوا۔ میرزائی نے کہا ”آپ کہاں

چلے؟ بیٹھیے بھی۔“ میں نے کہا ”سرکاری کام پڑا ہے۔“

صاحب نے فرمایا ”اس وقت کون سا کام آپ کریں گے،

بیٹھتے کیوں نہیں، کسی کو آزرده خاطر کرنا تم کو کیسے

گوارا خاطر ہے؟“



میں تو یہ چاہتا ہی تھا ، بیٹھ گیا ۔ باتیں ہونے لگیں ۔  
میرزائی نے کہا ”اگر کچھ شعر پڑھیے تو بہت مہربانی ہوگی۔“  
لہذا میں نے چند اشعار پڑھے اور آخر میں یہ شعر خانم جان کی  
طرف متوجہ ہو کے سنایا :

ز عاشق شکوہ جز سہر ورزیدن نمی دانی  
عجب رنجیدہ اسباب رنجیدن نمی دانی

(حزین)

اس نے گویا سنا ہی نہیں اور منہ پھیر لیا ۔ پھر میں نے  
ذرا قریب کھسک کے کہا :

اک ذرا سی بات پر یہ خفگیان

وہ ہنسی ہونٹوں پر آئی ، دیکھیے

اس کا بھی جواب ندارد ، مگر مسکرا دیا اور کنکھیوں سے  
مجھے دیکھ کے اٹھ کے سائبان میں بیٹھ رہی ۔ میں بھی مکان پر  
چلا آیا ۔

کیا بات ہے اس انجمن ناز کی غالب

ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

اس دن سے خیمے میں آمد و رفت جاری ہوگئی اور سب  
سے بے تکلفی کی نوبت پہنچی ۔ پیر کے دن جا کے بیٹھتا تھا ۔ اگر  
کسی دن کوئی امر مانع ہوگیا اور جانے میں دیر ہوئی ، میرزائی  
خود قنات کے قریب آ کر پکارتی تھی ، یا آدمی بھیجتی تھی ۔  
اکثر آدھی رات تک شطرنج ، گنجفہ ، چوسر ، یا رسم صنم آمد ،  
بیت بازی ، چیستان ، پہیلی وغیرہ میں گذر جاتی تھی ۔

چوں کہ بی جان وغیرہ سب ہی بے تکلف ہوگئی تھیں ، اس  
وجہ سے جس عورت کے پاس جی چاہتا ، میں بیٹھ رہتا ، مگر  
بائیں ہمہ خانم جان پھٹکی پھٹکی رہتی تھی ۔ لوگوں کے سامنے



بہت ہی کم بات کرتی تھی اور کمال ضبط و احتیاط سے اس قسم کا برتاؤ کرتی کہ مجال نہیں کسی کوئی گمان تک ہوسکے :

کون ایسا ہے بھلا اس کا جگر دیکھیں تو  
 یار ہو سامنے دیکھے نہ ادھر دیکھیں تو

اس رات کو میں خیمے سے جب آیا تو اس کی رنجش کا خیال بے چین کیے ہوئے تھا اور طبیعت سخت پریشان تھی۔  
 وہ رہ کے کلیجا دھڑکتا تھا اور بیٹھا جاتا تھا۔ دل چاہتا تھا پھر خیمے میں چلا جاؤں ، بغیر صفائی کیے میں کیوں آیا :

محل یار سے اٹھنے کو تو اٹھے ، لیکن  
 درد کی طرح اٹھے گر پڑے آنسو کی طرح

جب صبح کو رحم اللہ آیا ، میں نے کہا ”انہوں نے کچھ  
 کہا ہے ؟“ بولا ”نہیں ، صرف سلام کہہ دیا ہے ، اور مجھ سے  
 کہتی تھیں رات کو میں نے ان کی تسکین کر دی ہے۔“  
 میں نے سوچا ، دل تو اس کا صاف ہو گیا ہے مگر  
 خواہان معذرت ہے ، اس لیے یہ رقعہ میں نے لکھا :

### رقعہ معذرت

”دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او  
 گرچہ پری وش ست و لیکن فرشتہ خوست  
 میری نازک مزاج نازنین !

میں نہایت محبوب ہوں ، مگر اس معاملے میں زیادہ لکھنا  
 اور وجہ حجاب بیان کرنا ”عذرگناہ بدتر از گناہ“ ہے۔ لہذا صرف  
 ایک شعر حضرت حافظ شیرازی کا لکھے دیتا ہوں ، خدارا  
 معاف کیجیے :



گر خاطر شریف رنجیدہ شد ز حافظ  
باز آ کہ توبہ کردیم از گفته و شنیدہ“

”عصر کے وقت رحم اللہ آیا اور جواب با صواب بھی لایا :  
میرے جفا شعار !  
آپ کا رقعہ معذرت پہنچا ، ہائے اگر معذرت قبول نہ کروں  
لیا کروں ؟“

کیوں نہ چن چن کے ترے تیر جگر میں رکھ لوں  
کس مزے سے یہ اڑاتے ہیں نشانہ دل کا  
مگر یاد رہے :

زمانے میں ہیں یادگار زمانہ  
وفائیں ہماری جفائیں تمہاری  
تم نے اتنا خیال نہ کیا کہ اس بات میں کیا بات نکلے گی  
تڑ سے مجھے سخت کہہ بیٹھے - خیر میں اب تو درگزر کرتی  
لیکن خدا کے لیے آئندہ ذرا انداز حریفانہ اور کلام ظریفانہ  
اپنی طبیعت کو زور نہ دیا کیجیے - بغیر سمجھے بوجھے بات  
دینا عقل مندی نہیں ہے :

پیش رعنا منشاں سادہ دلی عیب بود  
بار این طائفہ پُر مکر و فسوں سی باید  
آپ اطمینان رکھیے ، میں ناخوش نہیں ہوں - اگر ایسی ہی  
ہوں کو میں لے کے بیٹھوں ، پھر نباہ معلوم ؟

مگر گنتے ہیں ہم خطائیں تمہاری  
جناب عالی ! آپ کو یاد ہو گا ، میں نے پہلے کسی رقعے میں  
ہے کہ چند شروط میرے اور آپ کے درمیان کرنا ہوں گے  
قیام محبت اور دوام الفت کے لیے ضروری ہیں ؛ لہذا میں



عہد نامے کی دو نقلیں بھیجتی ہوں؛ اس کو ملاحظہ کر کے دونوں پر مہر و دستخط کر دیجیے۔ میں نے بھی کر دیے ہیں۔ ایک آپ پاس رکھیے، ایک مجھے واپس فرمائیے۔

باہم اک وعدہ فردا پہ نوشتہ ہو جائے  
کہ مری سہو کی عادت ہے، مجھے یاد رہے

### نقل عہد نامہ

- ۱ : اگر آپس میں کسی وجہ سے رنج آئے تو اس کی اصلاح فوراً کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ضد نہ پڑے کہ قصور کس ہے، معذرت کون پہلے کرے؟ اور جب عذر کیا جائے، اس کو بے حجت قبول کر لینا چاہیے۔
- ۲ : کسی بات کو خواہ وہ کیسی ہی خفیف کیوں نہ ہو ایک دوسرے سے چھپائے نہیں بلکہ کوئی کام بغیر آپس مشورت کے نہ کرنا چاہیے۔ اگر بظاہر اس میں نقصان معلوم ہوگا تو باہمی رد و قدح سے صاف ہو سکے گا۔
- ۳ : حاضر و غائب ایک دوسرے کی رضامندی اور دل جو مناسب طور سے ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہیے۔
- ۴ : جھوٹ نہ بولا جائے، گو خطا ہی ہوگئی ہو۔
- ۵ : ایک دوسرے کی بات کو جھٹلانا نہ چاہیے اور بیہودہ خیالات و بدگمانیاں بالکل نہ آنے پائیں۔
- ۶ : چغل خوروں اور حاسدوں کی باتوں پر اول تو اعتبار ہی کرنا چاہیے اور اگر خیال آجائے تو فوراً کہہ دینا چاہیے، جس تصفیہ ہو جائے گا؛ دل میں رکھ چھوڑنا اور گہات میں رہنا سخت معیوب بات ہے۔



محبت کی ترقی اور اس کے نباہ میں ہر وقت ساعی رہنا چاہیے،  
موجودہ حالت کو غنیمت سمجھ کے آئندہ کا خیال چھوڑ دینا  
حیقت ہے۔

جو کچھ اس میں لکھا ہے بجان و دل منظور ہے

العبد

خانم جان (مہر)

جو کچھ اس میں لکھا ہے، قبول ہے

العبد

حسن شاہ (مہر)

میں نے یہ عہد نامہ دیکھ کر اس کی عقل پر آفرین کہی اور  
مہر اور دستخط کر کے ایک قطعہ اس کے پاس واپس کر دیا۔



## بیتا بیاب، نکاح، وصل

ہر چند خیمے میں آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اور پہروں سے یکجائی کا اتفاق ہوتا تھا، تنہائی میں بھی کبھی کبھی مل بھی تھی، اقرار بھی ہوتا تھا، تسلی بھی کی جاتی تھی، مگر ان باتوں اور خالی دل افزائیوں سے اور بھی اضطراب بڑھتا تھا؛ جس قدر مفارقت کو طول ہوتا تھا، میری الجھن کو ترقی ہوتی تھی، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مار ڈالا انتظار یار نے

اس قدر بھی آرزو اچھی نہیں

ہر وقت بے قراری، آہ و زاری سے کام تھا؛ پہروں اس تصور میں تڑپتا اور اشعار پڑھتا۔ آخر میں نے ایک رقعہ لکھا وہ یہ ہے :

میری فریاد رس پیاری !

واضح ہو کہ اپنے اضطراب کا حال میں لکھ نہیں سکتا تمہارے وصل کی تمنا میں تارے گن گن کے راتیں کاٹتا ہوں مگر ہائے! وصل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مجھے دنیا و مافیہ کی خبر نہیں، سوائے تمہارے وصل کے کوئی خواہش نہیں :

غرض ز مسجد و بتخانہ ام وصال شہاست

جز این خیال ندارم خدا گواہ من است

اگر چندے اسی طرح میں محروم رہا تو یقین جانو، دیوانہ

۱۔ حضرت کے عشق کی بس اتنی کائنات ہے۔ (مترجم)



جنگل کو نکل جاؤں گا یا کوئی مہلک عارضے میں مبتلا ہو جاؤں  
 گا۔ پس اگر خبر لینا ہو تو جلد لو ورنہ پھر افسوس کرو گی۔  
 مجھ سا جانباز وفادار نہ پاؤ گے کوئی  
 لاکھ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبالے کر  
 تم کو تمام باتوں کا سلیقہ خدا نے دیا ہے مگر تدبیر وصال  
 میں کوئی عیاری آپ کی میں نے نہیں دیکھی، گویا اس بات کا سبق ہی  
 ہیں پڑھا۔ ہاں تم کو سب کچھ آتا ہے، میری بدقسمتی کا کیا علاج؟  
 کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا  
 تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں  
 امید کہ اس کا جواب با صواب جلد عنایت کرو، ورنہ مجھ  
 سے ہاتھ دھو ڈالو۔“

ظہر کے وقت رحم اللہ یہ جواب لایا :  
 ”میرے بیقرار دوست!“

آپ کا رقعہ پہنچا۔ اضطراب اور قلق کا حال معلوم ہوا،  
 مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ مگر محبت والوں کو ہمیشہ یہ دکھڑا رہتا ہے،  
 آپ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے :

نوسیدی عاشقان قدم است

مخصوص بہ روزگار من نیست

آپ جانتے ہیں کہ میں اس فکر سے غافل ہوں؟ حاشا ایسا  
 میں ہے مگر یہ بھی نہیں کہ جلدی میں آئندہ کے خیالات چھوڑ دوں

۱۔ حضرت کے عشق کی بس اتنی کائنات ہے (مترجم)

مجبور تمنا نے اظہار مدعا کی یہی صورت نکالی۔ مگر فاضل مترجم کو

مذاق اڑانے کا موقع ہاتھ دیا۔ (مرتب)



اور وقت موجودہ ہی کو غنیمت سمجھوں - جلد باز بہت ہی بڑی  
ٹھوکر کھاتا ہے اور پھر سنبھلنا دشوار ہو جاتا ہے - لہذا صبر  
کرنا اور خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے - یقین ہے کہ کوئی صورت  
نکل آئے:“

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے  
زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے

رات کو میں نے دوسرا رقعہ لکھا :

”میرے زخم جگر پر مرہم رکھنے والی ! خوش رہو -

آپ کا رقعہ دیکھا - یہ باتیں تسکین و تسلی کی میرے درد

کے لیے دوا نہیں ہو سکتیں -

نتیجہ یہ نکلا تھکے سب پیاسی

یہاں آتے آتے، وہاں جاتے جاتے

مجھ میں اب صبر کی طاقت نہیں، ضبط کا یارا نہیں، دم الجھا

ہے، دل گھبراتا ہے، ضبط ہو نہیں سکتا، وحشت کی ترقی ہے

یاس و حرماں کا زور ہے -

اتنی ہے عرض گردش لیل و نہار سے

راتیں ہوں وصل یار کی، دن ہوں شباب کے

تم تو موقع اور وقت کی منتظر ہو اور یہاں میرا دم نکلا جا

ہے - آخر وہ وقت کب آئے گا؟ کیا برہمنوں اور نجومیوں سے پوچھنے کی

ضرورت ہے؟ جب تک وقت آئے، خدا جانے کیا ہوگا؟ کل کی

خبر کسے ہے، اب اور کیا لکھوں؟ تمہاری عنایت کا امیدوار

ہوں، ٹالے بالے جانے دیجیے:“



وصل میں اب تاکجا یہ لیت و لعل  
مدتوں سے ہو رہا ہے آج کل

صبح کو رحم اللہ رقعہ لے گیا اور عصر کے وقت یہ  
جواب لایا :

”میرے بہت ہی بے قرار ہونے والے !  
آپ کے جوش اشتیاق کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے ۔  
سچ ہے کہ آپ کو بہت بے چینی ہے اور سلامتی سے سوائے  
وصل کے اور کوئی بات اچھی نہیں لگتی ، مگر میں بھی غافل نہیں  
ہوں اور نہ بے درد ہوں ؛ بلکہ میرے دل کا حال تمہیں نہیں معلوم ۔  
میں ہائے وائے تو کرتی نہیں مگر اندر ہی اندر جل کے خاک سیاہ  
ہوئی جاتی ہوں :

رنج فرقت کو پہنچتی نہیں ایذا کوئی  
دل میں بیٹھا ہوا ملتا ہے کلیجا کوئی  
ضبط پر میرا بے شک پورا قابو ہے ، گو جان جائے مگر اف نہ  
تکالوں گی : مترجم

سوز تپ فراق کا لب پر بیاں نہیں  
میں چپکے چپکے جلتی ہوں لیکن دھواں نہیں  
میں ہر وقت انہیں فکروں میں رہتی ہوں مگر کوئی تدبیر نہیں بن  
پڑتی ۔ شاید خدا نے کوئی وقت خاص اس کا مقرر کیا ہو گا ۔ اب تو  
سوائے خاموشی اور صبر کے کوئی چارہ نہیں :  
ز حسرت سوختم وز شرم دودے برنیاوردم  
اللہی ! آتش اندر خانہ ناموس و ننگ افتد  
میرے پیارے ! یہ میں جانتی ہوں کہ سواصلت حسب دلخواہ



بہت ہی مشکل سے ہوسکے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس گنہگار کو فعل حرام ہرگز گوارا نہیں ہے۔ اگر خدا نخواستہ مجھے منظور ہوتا تو یہ مصیبتیں کیوں اٹھاتی، لوگوں کی باتیں کیوں سنتی۔ ظلم مجھ پر ہوئے، طعنے مجھے دیئے گئے، پھبتیاں مجھ پر اڑیں؛ میں نے سب شربت کے سے گھونٹ پی لیے مگر اپنی آبرو ریزی گوارا نہ کی۔ میں اس بے پردگی کو جو میری بدقسمتی سے ہے، خدا جانے کس مصلحت سے گوارا کرتی ہوں۔ ورنہ کیا مجل تھی کہ میرا رونگٹا بھی کوئی دیکھ سکتا۔ اغیار کے سامنے بیٹھنے یا بات کرنے کا جب مجھے اتفاق ہوتا ہے، جی چاہتا ہے زمین پھٹے اور میں سا جاؤں، مگر مجبور ہوں، لاچار ہوں۔ ان حرام خوروں کے ہاتھوں میں پڑی ہوں، خدا ہی نجات دے تو دے۔ عاقبت کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنی جان دے دیتی۔ ایسی بے حیا زندگی سے ہزار درجہ موت بہتر۔ یہ بھی قصد نہیں ہے کہ ان ظالموں سے اپنا حال ظاہر کروں یا کسی سے مدد کی خواہاں ہوں بلکہ اگر انہیں ذرا بھی خبر ہو جائے تو کم بخت آفت جوت دیں۔

اللہ کس قدر رہ مقصود دور ہے

پیک خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

پس ایسی صورت میں آپ کی خواہش پوری ہوتی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے دو چار باتیں ایسی میرے خیال میں آئی ہیں جس سے ہمہ تن وصل کی فکر میں پڑی ہوں، اور ایک نہایت ضروری بات اس کو سمجھتی ہوں۔ یعنی:

(۱) زن و شوہر میں کوئی آمیزش خون نہیں ہوتی، مگر بایں ہمہ

تمام اعزائے قریب سے زیادہ ایک دوسرے پر شیفگی اور

حفظ ناموس کا خیال ہوتا ہے۔ حکیم مطلق کی خاص حکمت

اسی کی مقتضی ہے کہ اس نے باہمی وصال کا حیلہ سب



خصوصیتوں اور قرابتوں سے زیادہ مؤثر اور قوی کر دیا ہے ،  
اس لیے سواصلت ضروری چیز ٹھہری ۔

( واقعی انجام کار کی کس کو خبر ہے اور زندگی کا کیا بھروسا ،  
لہذا جو کچھ ہو جائے ، غنیمت سمجھنا چاہیے اور یہی  
مآل زندگی ہے ۔

( آپ کی جوانی اور شباب پر رحم آتا ہے کہ مفت بیکار  
تی ہے اور پھر غم عشق و مہاجرت آپ کو کھائے جاتا ہے ۔  
ہے اس کا بڑا خیال ہے اور درحقیقت عین جوانی میں ایسی آفتوں  
کی برداشت کرنا ہر طرح مضر صحت و سلامتی ہے ، جو آئندہ  
صحت عمر کو بہت ہی خراب کرنے والی چیز ہے ۔

اس لیے میں سوچتی ہوں اور ان شاء اللہ کچھ راستہ نکل ہی  
ئے گا ۔ آپ ہوشیار رہیے ، میں وقت پر اطلاع دوں گی :  
خود ہماری نارسائی پر تاسف ہے انہیں  
لو ہمارے بخت اب کچھ کچھ رسا ہونے لگے

اس رقعے کے دیکھنے سے میں بہت ہی مسرور ہوا جس کی حد  
میں ۔ جب معمول کے وقت وہ آکر کھڑی ہوئی ، میں نے بے اختیار  
پوچھ لیں اور کہا ” خدا تم کو خوش رکھے ، میری جان تم  
نے بچالی ۔ اب مجھے یقین ہوا ، کچھ دنوں زندگی باقی ہے ۔“  
وہ مسکرا کے چلی گئی ۔ میں نے پانچ روپے رحم اللہ کو

۱۔ پہلے بھی دو روپے دیے گئے تھے اور پھر پانچ ، کل سات ہوئے ۔  
زی سخاوت کی ۔ (مترجم)

جس زمانے کا یہ ذکر ہے ، اس وقت یہ رقم کچھ کم نہیں ۔ اعتراض  
سہل ہے ۔ (مرتب)



دیے، اُس نے نہ لیے۔ میں نے خفا ہو کے کہا ”تجھے جب کچھ دے ہوں، تو نہیں لیتا، کیا خانم جان نے منع کیا ہے؟“  
 اس نے کہا ”منع تو کسی نے بھی نہیں کیا لیکن آپ خو  
 ہی سوچیے، اگر میں روپیہ لوں تو لامحالہ ماں باپ کے پاہ  
 لے جاؤں۔ وہ اگر پوچھیں گے کہ کہاں پائے؟ تو میں ک  
 جواب دوں گا۔ میں جوان اور خود مختار بھی نہیں ہوں ج  
 اور ضروریات میں صرف کروں۔ رہے پیسے ٹکے یا بازار کی چیزیں  
 اُس کے لیے خانم جان کو خدا خوش رکھے، اس قدر عنایہ  
 کرتی ہیں کہ میں آکتا گیا ہوں اور جب سے آپ کے پاہ  
 آنے جانے لگا ہوں، پانچ پیسے روز خانم صاحبہ نے مقرر کر د  
 ہیں، وہ میرے کھیل کود کو کافی ہیں؛ پھر آپ ہی فرمائیے  
 مجھے کیا ضرورت ہے جو آپ سے لوں۔“

میں نے دل میں کہا کہ خانم جان تو براق تھی ہی  
 یہ لونڈا کیسا آفت کا پرکالہ ہے۔ کیسی ہندی کی چندی نکال  
 ہے۔ قاضی کے گھر کے چوھے بھی سیانے۔

رات کو میں نے یہ رقعہ شکرے میں لکھ رکھا:

”میری باعث زندگانی، سلامت رہو!

مژدہ جانفزا، یعنی تمہارا خط میرے حق میں مسیحائی کر گیا  
 میں کیونکر شکریہ ادا کروں اور کہاں سے زبان لاؤں ج  
 تمہاری عقل و تدبیر کی تعریف کروں۔ خدا تم کو خوش رکھے  
 کہ اس ڈوبتے کو سنبھال لیا اور مرتے ہوئے کو زندہ کر دیا  
 آئندہ بھی جلانا مارنا تمہارے اختیار میں ہے۔ دیکھوں وہ دن کہ

۱۔ جناب مترجم یہاں معترض نہیں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے صرف

غریب حسن شاہ کی سادگی کا ہی مضحکہ اڑانے کی تاک میں رہتے ہیں۔  
 (مرتب)



ٹے کہ میں اپنے آغوش تمنا میں تمہیں دیکھوں اور پھر اپنی قسمت  
ناز کروں -

مے درکف و گل در بر و معشوق بکام است  
سلطان جہانم بہ چنیں روز غلام است

شب سہتاب ہو، گلشن ہو، سے ہو، جام و سینا ہو  
اللہی اس تکلف سے کسی مہ وش کا سہاں ہوں  
زیادہ بجز شوق کے کیا لکھوں -“

اس قدر تسکین ہو جانے سے میری حالت میں تغیر پیدا  
ہو گیا - دوا بھی چھوڑ دی، توانائی بھی آگئی، اگلی سی رنگت  
کل آئی - میرے اقربا مجھے دیکھ کر خوش ہوئے کہ صحت  
ہو گئی - میں نے غربا و مساکین کو خیرات تقسیم کی -  
ایک ہفتے تک بالکل سکون رہا، پھر وہی حالت پیدا ہو گئی اور  
اد فریاد کرنے لگا - بے چین ہوتا تھا اور تڑپتا تھا؛ کبھی بدگمانی  
ہوتی تھی کہ میرے حال سے پھر آن کو بے خبری ہو گئی - کاش کوئی  
تھیں یاد دلاتا، میرا درد دل سنا دیتا، شاید ان کو رحم آجائے -

علاج شدت درد جگر کرے کوئی

جنہیں خبر نہیں آن کو خبر کرے کوئی

بے اختیاری اور پریشانی کی حالت میں بجز رونے کے چارہ  
ہی کیا تھا، یا جفا و استغنا کی شکایت میں اشعار پڑھا کرتا تھا:

هدف سینہ ز من ناوک مژگاں از تو

سخت جانی ز من و سستی پیاں از تو

کرد روزے کہ قضا شادی و غم را قسمت

چشم خوں بارز ما شد لب خنداں از تو



## رقعہ بہ فقراتِ نوا

آرام بخش دل بیتاب من !

دیشب بدرگاہ او تعالیٰ شانہ می نالیدم و در حالت اضطرا  
در تصور آن نگار دو چار شدہ میگفتم ، خدایا ! اُن صیاد راچہ دام اسن  
کہ در مرغزار الفت صیدوش زخم کاری خوردہ ، اُن کیاد را چہ نا

۱۔ اس رقعے کا ترجمہ یا تو اپنی بے استعدادی کی وجہ سے یہ  
جو کچھ سمجھ لیا جائے ، میں نے مناسب نہیں سمجھا ، لہذا اصل رقعہ  
نقل کردیا اور جواب بھی اصل ہی درج ہوگا۔ ناظرین دونوں کی نسبت  
فیصلہ کریں۔ (مترجم)

”ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں“ والا معاملہ نظر آتا ہے۔  
ناظرین کو آپ کی بے استعدادی پر شبہ کرنے کا حق ہے ، نہ مصنف کو۔  
اس طرح مورد الزام و اعتراض بنانے کا جو شیوہ آپ (مترجم) نے اختیار کیا  
ہے ، آپ کو اصل پر چند اعتراض کرنا تھے ، غالباً اس لیے بجنسہ نقل کرنا  
مناسب سمجھا۔ ہم اصل کے ساتھ دونوں رقعوں کے تراجم بھی پیش  
کرتے ہیں۔“ (مرتب)

## ترجمہ رقعہ ہذا

”اے میرے دل بیتاب کے آرام !

میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں روتا اور اس محبوب کے تصور  
اور اضطراب میں بے چین ہو کر (اپنے آپ سے) کہتا ہوں ، خدایا ! وہ  
کون صیاد ہے ، اس کا دام کیا ہے کہ میں آفت کے مرغزار میں صید  
کے مانند کاری زخم کھا کر ، سوختہ جگر ہو کے رہ گیا ہوں ؟ اس کا کیا  
نام ہے کہ جس کی محبت کی کمند سے رستم کے مانند (گہرا) تعلق ہے ؟  
وہ چو کڑی بھولا ہوا آہو کون ہے جو ذرا سی صرصر میں بھی سخن  
کی ہوا باندھتا ہے ، وہ خوشبودار نافہ کون سا ہے کہ جو ایک ہی اشارے  
اور کناٹے سے پلک جھپکتے (دل) چھین لیتا ہے ؟ وہ کون سا گل رعنا  
بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر



ست کہ از کمند محبت رستم مثال یاری بستہ ؟ آن آہوئے رم خوردہ  
 بیست کہ در اندک از صرصر ہوائے سخنان می گریزد ، آن  
 فہ بو کردہ کیست کہ از یک اشارہ و کنایہ بہ تندی می ستیزد ، آنچہ  
 رعنا است کہ برنگ گل قرار ندارد و آنچہ دل بر تمنا است کہ  
 یک شوق اصرار نہ آرد و آن کہ شائق است کہ باطالب خود  
 س وصلت نمی تازد و آن کدام فائق است کہ بہ مشتاق خود  
 د موافقت نمی بازد ، گاہے در اقرار ست گاہے در انکار ، گاہے مشتاق

ہے جس کے رنگ کی (خوبی سے) بچنا محال ہے ؟ وہ کون سا آرزو مند  
 ہے جو صرف ایک ہی شوق پر اصرار یا اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ بھی  
 ماہتا ہے کہ اپنے طالب کو وصال سے محروم رکھتا رہے ؟ اور وہ کون سا  
 نلق (محبوب) ہے جو اپنے مشتاق سے کبھی موافقت نہیں کرتا ؟ کبھی  
 رار کرتا ہے اور کبھی انکار ، کبھی اپنے یار کا مشتاق ہوتا ہے اور  
 بھی اس سے بے زار ہو جاتا ہے ، کبھی ناز میں سرمست ہو جاتا اور  
 بھی ہوشیار ہو جاتا ہے ، کبھی مہربان ہوتا ہے اور کبھی غضب ناک ،  
 بھی لطف و عنایت بر آمادہ ہوتا ہے اور کبھی (ظلم و ستم) ڈھانے لگتا  
 ہے ، کبھی عتاب پر اتر آتا ہے اور کبھی رعایت کرنے لگتا ہے — خطاب  
 کے وقت کبھی دل موہ لیتا ہے اور کبھی ستم گار بن جاتا ہے ، کبھی  
 ہوش خو ہو جاتا ہے اور کبھی جفا جو ، کبھی مردانہ وار مروت دکھاتا ہے  
 بھی نسائیت کے انداز میں مواصلت کو تیار ہوتا ہے ۔ اگر اس کے  
 میں آفت (حقیقی) ہے تو پھر انکار کیوں ہے ، اگر اس کے سینے میں  
 داقت ہے تو وہ بے زار کیوں ہے ۔ عاشق بے چارہ حیران ہے کہ کہاں  
 نے اور کس سے کہے ۔ وہ تو بس یہی کر سکتا ہے کہ کوئی گوشہ سکوت تلاش  
 لے اور بے قراری کا دامن پھیلائے رکھے ؛ اس وقت تک کہ ایک  
 آپ کو اس کے حال پر رحم آئے اور آپ شربت وصل سے اس کے  
 ق کی تشنگی دور کریں ۔ وہ کب تک رنجور و سہجور رہے ۔ آخر بشر ہے ،  
 آہ میں اثر ہے ، ہر آغاز کا کوئی انجام ہے اور ہر کام کا کوئی انعام —  
 بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر



یار است گاہے بیزار ، گاہے مست ناز است گاہے ہوشیار ، گاہے  
 مہربان است گاہے غضبان ، گاہے بر سر عنایت است ، گاہے  
 سرعتاب ، گاہے بر سر رعایت است گاہے بر سر خطاب ، گاہے دلدار اسے  
 گاہے ستم گار ، گاہے خوشخو است ، گاہے جفا جو ، گاہے در مرو  
 مردانہ وار است گاہے در مواصلت زنانہ کردار۔ اگر بدل الف  
 دارد انکار چراست ، اگر در سینہ صداقت دارد بیزار چراست

اگر (مشکل) آسان ہو جائے یا میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں تو تعجب  
 کی کوئی بات نہیں۔ اے خدا ! وہ زید کون ہے جو کسی کے دام مجھ  
 میں اسیر ہے ؟ وہ صید کون ہے جو کسی کے تیر محبت کا شکار ہے  
 وہ نخچیر کون ہے جو نگاہ تغافل کی چوٹ جگر پہ کھائے ہوئے ہے  
 وہ جلاد کون ہے جو ابروے تساہل کی جنبش کے بغیر دل کو پارہ  
 کردیتا ہے ؟ وہ کون سا مرغ ہے جو دانے کے بغیر دام میں گرفتار ہے  
 وہ کون قلندر ہے جو سیم و زر کے بغیر مقروض ہے ؟ وہ کون  
 صراحی ہے جس کے ساتھ پیالہ بھی ہے اور وہ کون سی گلابی ہے  
 بادے سے ہمرنگ ہے ؟ اس کا کیا نام ہے جو مواصلت  
 بغیر صداقت شعار ہے ؟ وہ خادم کون ہے جو (مخدوم کا) نام سنتے  
 دل و جان سے خدمت کرنے لگتا ہے ؟ وہ بیگانہ کون ہے جو باوجود  
 بیگانگی کے یگانگت رکھتا ہے اور اپنے یگانوں سے بیگانہ ہے ؟ وہ دیوانہ کون  
 ہے جو دیوانگی کے باوجود از راہ دانائی انکار کرنے میں ہوشیار ہے ؟  
 بے نظیر (محبوب) کون ہے جو ہجر کے باوجود (حقیقت میں) دیکھ  
 والے کے سامنے موجود ہے ؟ وہ بدر منیر کون ہے جو مفارقت کے باوجود  
 دیکھے بغیر نظر کے سامنے رہتا ہے ؟ وہ کون سا جرس ہے جو بغیر  
 لیلیٰ کے ناقہ سے ربط رکھنا چاہتا ہے ؟ وہ کون سی ہوس ہے جو فرہاد  
 مانند فرہاد کیے بغیر شیریں سے اختلاط کرنا چاہتا ہے ؟ خدا کی قسم طا  
 جواب دے گئی ہے اور بندہ کا کام تمام ہو چلا ہے۔ اب بندہ کے  
 پر ضرور ترس کھانا چاہیے۔ یہ ناز و انداز کا وقت ہے ، نہ غرور  
 بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ



بے چارہ عاشق حیران ست کجا رود یا کہ گوید ، بجز آنکہ کنج  
 موشی گزیند و دامن بے قراری فراچیند تا باشد کہ روزے برحالش  
 احم آرنده به آب وصالش تشنگی فراقش فرونشاند ، تاچند مہجور ماند  
 کجا رنجور باشد - آخر بشر است ، ہر آہ را اثر است ، ہر آغاز را انجام  
 ست ، ہر کار را انعام - اگر آسان شود چہ تعجب ، اگر بکام رسد چہ عجب  
 ہی آن زید کیست کہ در بند محبت کسے محبوس است ، آن  
 مید چيست کہ در دام الفت کسے مانوس است ، آن منچیر کدام  
 یاد است کہ از تیر نگاہ تغافل جگر زخیم<sup>۱</sup> دارد ، آن کدام جلاد  
 است کہ بے جنبش ابروئے تساهل دل دو نیم دارد ، آن چہ مرغ  
 ست کے بے دانہ در دام است ، آن کہ قلندر است کہ بے سیم و زر  
 وام است ، آن چہ صراحی است کہ با پیالہ در جنگ است ، آن چہ  
 لابی است کہ بہ بادہ ہم رنگ است ، آن آدم<sup>۲</sup> را چہ اسم است  
 بے رسم موصلت جسم برسم محبت صداقت شعار است ، آن خادم  
 چہ اسم است کہ از ساعت ہم بچشم خدمت گذار است ، آن بیگانہ  
 دام است کہ از راہ یگانگی باوجود بیگانگی از یگانہ ہائے خود بے زار  
 ست ، آن دیوانہ را چہ نام است کہ از راہ دانائی باوجود دیوانگی

بمعد کا - بندہ جواب باصواب کا امیدوار ہے اور اس کی چشم انتظار اس  
 پر لگی ہوئی ہے - (مرتب)

۱- زید کی ایک ہی ہوئی (مترجم)  
 کچھ ہو یا نہ ہو فاضل مترجم نے اعتراض کی قسم جو کھائی ہوئی ہے ،  
 پوری ہو گئی (مرتب)  
 ۲- نیا لغت ہے (مترجم)

معلوم نہیں یہ کس لغت کی طرف اشارہ ہے اور کن فقروں پر اعتراض  
 جو یقیناً بے محل اور بے معنی ہے - (مرتب)

۳- دونوں فقرے لاجواب - (مترجم)



از کار کسے ہشیار است ، آن بے نظیر کیست کہ باوجود مہاجرت  
بدون نظر بمقابل ناظر است ، آن بدر منیر چيست کہ باوجود  
مفارقت بغير نگاہ بحضور حاضر است ، آن چہ جرس است کہ بے آواز  
باناقہ لیلیٰ ارتباط خواہ است ، آن چہ ہوس است کہ بے فریاد فرہاد  
بہ شیریں اختلاط خواہ است - بخدا طاقت طاق است و کار بہ استخوار  
رسید ، رحم بر حالش ضرور ، نہ وقت ناز ، نہ جائے غرور ، جواب  
باصواب را امید وار چشم انتظار براہ آن دو چار -

### جواب فقرات از طرف آن نگار بطرز نو

فقراتے کہ در تصور من نوشتہ اند جوابش اینست : دانی  
کیست ، دلدار ا کسے است ، غمخوار کسے است ، محبوب کسے  
است ، مرغوب کسے است ، طالب دیدار کسے است ، شائق گفتار  
کسے است ، خیر خواہ طلبگار است - آرام دہ غمگسار است ، شمع  
خلوت دلدار است ، فانوس جلوت غمخوار است ، زیب دہ کاشانہ  
کسے است ، انیس خوئے کسے است ، جلیس پہلوئے کسے است ،  
بستہ موئے کسے است ، خستہ خوئے کسے است - سرور سینہ شاد  
است ، امید دل نا مراد است ، دل دوختہ دوری کسے است ،  
جگر سوختہ مہجوری کسے است ، جویائے یار آشنا است ، خواہان  
طلبگار باوفا است ، گاہے در حیرانی است ، گاہے در پریشانی ، گاہے  
گریان گاہے بریاں ، گاہے لرزاں گاہے ترساں - منتظر وقت و بخت

(ترجمہ) میری نسبت جو جملے لکھے گئے ہیں ان کا جواب یہ ہے :  
جانتے ہو (وہ) کون ہے ، دلدار کون ہے ؟ غم خوار کون ہے ؟  
بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر



ت ، نہ دل سخت است ، امید وار عنایت خدا ست ، نہ آنکہ  
رحم و بے وفاست ، چندے جبر بر خود اختیار باید کرد ، وقت  
و را انتظار ۔

اے لعل تو افگندہ شورے بہ شراب اندر  
مہر تو بدل دارم ، چوں بو بہ گلاب اندر  
اظہارم و پنہانم ، چوں عکس در آئینہ  
بنشینم و برخیزم ، چوں موج بہ آب اندر  
بسیارم و کمیابم ، چوں وعدہ معشوقان  
لب تشنہ و میرابم ، چوں وصل بخواب اندر  
می خندم و می گریم ، چوں گل بہ تہہ شبیم  
می سوزم و می سازم ، چوں خون بہ کباب اندر  
در خلوت و در سیرم چوں روح بخواب خوش  
در خانہ و در راہم چوں پا بہ رکاب اندر

ببوی کون ہے ، طالب دیدار کون ہے ، شائق گفتار کون ہے ،  
بیر خواہ و طلبگار کون ہے ، غم زدہ کا آرام جان کون ہے ، انیس خوش خو  
کون ہے ، جلیس پہلو کون ہے ، دل شاد کون ہے ، امید نا مراد  
کون ہے ؟

دل دوختہ و جگر سوختہ کون ہے ، مہجور کون ہے ، وہ یار آشنا  
طلبگار کون ہے اور یار وفادار کا خواستگار کون ہے ؟ کبھی وہ حیران  
پریشان ، کبھی گریاں و بریاں ، لرزان و ترساں ، خوش بختی کے  
بھات کا منتظر ہے ۔ وہ سنگ دل نہیں ، عنایت خداوندی کا امیدوار  
ہے ، وہ بے رحم و بے وفا بھی نہیں ۔

کچھ دیر کے لیے اپنے آپ پر اختیار رکھنا چاہیے اور مناسب  
وقع و محل کا انتظار کرنا چاہیے ۔

(غزل کے ترجمے کی ضرورت نہیں)

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر



در وصل پریشانم ، چوں زلف بہ رخسارش

نا محرم و ہم رازم ، چوں ظن برباب اندر

وہر چہ کہ در خیالات خود نگاشته اند ، جوابش اینست :

دانی کیست ؟ طلبگار من ست ، غم خوار من است ، وابستہ من

است ، جگر خستہ من است - مشتاق لقائے من است ، رفیق بقائے

اور جو کچھ اپنے خیالات کی پریشانی کے بارے میں لکھا گیا ہے

اس کا جواب یہ ہے :

جانتے ہو وہ کون ؟ وہ میرا طلبگار اور میرا غم خوار ہے - وہ

مجھ سے وابستہ اور میرا ہی جگر خستہ ہے - وہ ملاقات کا مشتاق اور

میری زندگی کا رفیق ہے - وہ طالب دیدار ہے اور میرا منت کش

ہے - وہ میرا محرم راز اور ہمدم و دم ساز ہے - وہ ایک مستانہ ہے

لیکن ہوشیار ہے ، وہ دیوانہ ہے لیکن ناز و نیاز کو بروئے کار لاتا

ہے - وہ دل محمود کے لیے ایاز کا درجہ رکھتا ہے اس نے اپنی غمگین

زندگی کے ساتھ دل سے معاہدہ نہیں کیا - وہ بار خاطر نہیں یار شاطر ہے ،

وہ جگر دوز نہیں بلکہ دل سوز ہے ؛ طالب زر نہیں ، پہلو نشینی کا امیدوار

ہے ، وہ تماشائے گل و خار نہیں بلکہ آرزومند بوس و کنار ہے -

گدا نہیں شاہ ہے ، وہ اپنے حسب و نسب پر خود گواہ ہے - اور

وہ محب ولی ہے ، فرزند علی ہے - اگر اسے مشتری یا گاہک کہا جائے

تو بجا ہے ، کیونکہ وہ جنس وفا کا خریدار ہے ، اور شربت وصل کا

خواستگار ہے - موہوم امیدوں اور محال تمناؤں کا مجموعہ ہے - اسے چاہیے

کہ خاطر جمع رکھے ، دست دعا کے لیے بلند کرے ؛ ممکن ہے وہ

کسی دن اپنی مراد کو جا پہنچے - کیونکہ سونا سنار کے لائق ہے -

اگر میں اس سے وصل کروں تو بجا ہے - اگر میں اس کی محبت کا

جواب دوں تو درست ہے ، کیونکہ وہ یار وفادار ہے ، اور دل و جان

سے میرا خریدار ہے - " والسلام !

۱ - چوٹ ہے - (مترجم)



من است ؛ طالب دیدار است ، منت کش صد بار است ؛ محرم راز  
 است ، ہمدم سر انداز است ؛ مستانہ است ولے ہشیار ، دیوانہ  
 است ولے با کارا ، برندہ ناز است ، آرنده نیاز است ؛ دل محمود را  
 ایاز است ، جان غم آمود را دمساز ؛ بار خاطر نیست ، یار شاطر است ؛  
 جگر دوز نیست ، دل سوز است ؛ طالب زر نیست ، امیدوار برست ؛  
 تماشای گل و خار نیست ، آرزو مند بوس و کنارست ، گدا نیست ؛  
 شاہ است ، بر حسب و نسب خود گواہ است ؛ محب ولی است ،  
 فرزند علی است ۔ اگر مشتری شود سزا وار است ، جنس وفا را  
 خریدار است ؛ بستہ آرزوے محال است ؛ خاطر خود جمع دارد ،  
 دست بہ دعا دارد ، روز بہ منزل رسد ، چرا کہ زر در کیسہ زرگر  
 سزد ۔ اگر بہ وصلش در آیم می شاید ۔ اگر بہ محبتش بر ایم  
 می باید ، چرا کہ یار وفادار است ، بجان و دل خریدار ۔ والسلام ۔

اس جواب سے نہایت تسکین ہوئی ۔ صبح کو وہ پری جہاں  
 قنات کے قریب آئی اور مجھ سے کہا کہ آج اپنا بنگلہ خالی کر  
 رکھو ۔ اور چار شخص مل سکیں تو بہتر ، ورنہ دو ہی آدمی  
 تجویز کر رکھو ۔ رات کو ایک ضرورت پڑنے والی ہے ۔  
 میں نے کہا ”بہتر ہے“ اور رحم اللہ سے پوچھا ”تمہارے  
 یہاں آج کوئی نئی تقریب ہے؟“  
 اس نے کہا ”نہیں ، البتہ میوہ جان کی لڑکی کی مسی ہے ،  
 وہاں جانے کی سب تیاریاں کر رہے ہیں ۔“  
 میں نے کہا ”خاتم جان بھی جائیں گی؟“  
 اس نے کہا ”ضرور ، کیونکہ جس کی مسی ہے ، وہ



خانم جان صاحبہ کی سہیلی ہے اور بہت ہی آپس میں محبت ہے۔“  
میں حیران ہوا کہ یہ کیا اصرار ہیں۔ مجھ سے تو بنگلا  
خالی کر رکھنے کو کہا اور آپ جلسے میں جانے کو تیار ہیں۔  
کہیں دم تو نہیں دے دیا۔

وہ وعدے کے سچے وہ پیہاں کے پورے  
مزا ہائے دے گا مکرنا کسی کا  
بائیں ہمہ میں نے کسی حیلے سے اپنے بھائیوں کو جو اکثر  
یہاں مقیم رہتے تھے، جاج مٹو بھجوا دیا اور ایک حالت بیم ورجا  
میں شب کا منتظر رہا۔

کس نے وعدہ گھر میں آنے کا کیا  
آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں ہم  
تمنائیں مچلی جاتی تھیں، آرزوئیں پھولی نہ ساتی تھیں؛ دل  
اچھلتا تھا، چھاتی ڈھڑکتی تھی، کسی بات پر قرار نہ تھا۔  
بدگائیاں سو سو خیال پیدا کرتی تھیں؛ سالک  
خیال گزرے کہاں کہاں کا ارادہ ان کا ہو گر یہیں کا  
نہ کچھ ٹھکانا مرے گہاں کا، نہ کچھ ٹھکانا مرے یقین کا  
وہاں کا تماشا سنیے کہ سارے دن تو وہ عربدہ جو  
تیاروں میں رہی؛ کبھی کپڑوں کی دیکھ بھال، کبھی زیور  
کی ٹھیک ٹھاک؛ بناؤ سنگار، کنگھی چوٹی کر کے ہمہ تن آفت،  
سراپا قیامت بن گئی؛

رنگ نکھرا، جو بن امکا، فتنے برپا ہو چکے  
قابل تعظیم ہے اٹھتی جوانی آپ کی



بہاروں پہ ہے حسن زیبا کسی کا  
 اٹھانوں پہ ہے جو بن آیا کسی کا  
 جو سینے سے ڈھلکا دوپٹا کسی کا  
 مسل ڈالا ظالم کلیجا کسی کا  
 اسے پیسا ، پا مال اس کو کیا ہے  
 مچائے ہے اندھیر مرما کسی کا  
 غضب دخت رز آج نکھری ہوئی ہے  
 تماشا ہے ٹوٹے جو تقویٰ کسی کا  
 دوپٹے کی تقدیر ہیکل کی قسمت  
 کہ ہاتھ آ گیا جو بن ابھرا کسی کا  
 سر طور کیا خاک باقی ہے موسیٰؑ  
 ادھر آؤ دکھلائیں جلوا کسی کا  
 چلو ہم بھی پوچھیں مزاج مبارک  
 سر طور انجم ہے جلوا کسی کا  
 جب چلنے کا وقت آیا ، اٹوائی کھٹوائی لے ، لیحاف اوڑھ  
 پلنگ پر لیٹ گئی - میرزائی نے پوچھا ”بیٹا خانم خیر تو ہے؟  
 یہ تمہیں کیا ہو گیا؟“  
 جواب دیا ”ابھی ابھی میرے سر میں شدت کا درد ہونے  
 لگا اور اعضا شکنی سی معلوم ہوتی ہے - جی بھی متلاتا ہے -“  
 وہ سب ذرا کی ذرا تھم گئے - اتنے میں آپ نے تھوڑی  
 سی قمی بھی کی -

۱ - ناظرین ہنس پڑیں گے کہ یہ بے وقت کی راگنی کیسی مگر  
 اپنے لغت جگر سب کو اچھے معلوم ہوتے ہیں - ٹوکنے کی بات نہیں -  
 (مترجم)

اس ٹوٹ کا مفہوم ہی ناظرین کے فہم سے بالا تر ہے (مرتب)



ادھر میوہ جان نے آدمی بھیجا - میرزائی نے سب کو تہ سوار کر دیا ، آپ ٹھہر گئی - کچھ دوا دامن کی فکر کرنے لگی - چار گھڑی رات گئے اس نے میرزائی سے کہا کہ میر مزاج کسی قدر درست ہے ، مگر کھڑے ہونے کی سکت نہیں ہے - چونکہ ہم قومی کا معاملہ ہے تم کو جانا چاہیے ، اور میری طرف سے عذر کر دینا کہ اس تقریب کی خوشی مجھ سے زیادہ کس کو ہوگی ، مگر مجبوری ہوگئی - اگر پھر رات گئے تک بھی میری طبیعت سنبھل گئی تو میں ضرور آؤں گی ورنہ صبح کو تلافی مافات کر دوں گی -

میرزائی ، رحم اللہ کی ماں اور زعفران لونڈی کو چھوڑ کر سوار ہوگئی - مگر دم پر دم آدمی خبر کو بھیجتی تھی ، یہاں تک کہ میوہ جان سوار ہو کر پہنچی - اس کو بھی سبز باجی دکھا کر ٹال دیا اور کہا ”مجھے نیند معلوم ہوتی ہے ، اگر سوار رہوں گی تو مزاج بحال ہو جائے گا -

میوہ جان نے کہا ”بہتر ہے ، اس وقت تکلیف نہ کرو اور آرام ہو جانے کے بعد کل آنا“ اور چلی گئی - اب سب طرح سے اطمینان ہو گیا - ادھر میری بے چینی کو کچھ نہ پوچھو ، کبھی کہتا تھا :

ذرا شام ہو لے تو ہم رنگ لائیں

اندھیرے میں لوٹیں گے جوان کسی کا

کبھی بدگائیاں زور کرتی تھیں کہ اگر وہ نہ آئے؟ اذ

ہسینوں کا کیا اعتبار :

ٹھہرتی نہیں ایک حالت پہ دم بھر

طبیعت بھی میری ہے وعدہ کسی کا

شام کے وقت چار اجنبی آدمیوں کو جو غریب مسلمان تھے



ملوا لیا اور رات کو کھانا کھلوا کے انہیں ٹھہرایا کہ آج  
 یہاں ایک شخص کا نکاح ہے ، اس سے فراغت کر کے آپ کو  
 رخصت کر دوں گا۔

پھر رات گئے خیمے کی قنات جہاں اس کا پلنگ تھا ، اٹھا کے  
 آواز دی ”کوئی ہے؟“ میں تو منتظر سراپا گوش ہو رہا تھا ،  
 جھپٹ کے قریب گیا اور کہا :

رواق منظر چشم من آشیانہ تست  
 کرم نما و فرود آکہ خانہ خانہ تست

چشم و دل ہیں مقام خلوت کے  
 اور پردے پڑے ہیں غفلت کے

(ریاض)

یہ کہہ کے میں نے ہاتھ تھام لیا اور چاہتا تھا کہ گود  
 میں اٹھا کر لے آؤں مگر مچھلی سی تڑپ کر نکل گئی۔ مترجم

شب وصل میں پاؤں اتنے نہ پھیلا

تمنا سے کہہ دو کہ بیٹھے سنبھل کر

میں نے منت سے کہا ”آئیے میں الگ رہوں گا۔“

بارے بنگلے میں آ کر مجھ سے پوچھا ”جن آدمیوں کے لیے

میں نے کہا تھا ، وہ موجود ہیں یا نہیں؟“

میں نے کہا ”حاضر ہیں۔“

پھر فرمایا کہ خیمے میں چلنا مناسب نہیں ، تم اپنے سونے

کے کمرے میں جہاں مسہری لگی ہے ، شمع رکھوا دو ، میں

وہیں ٹھہروں گی۔

میں نے کہا ”یہ سب پہلے ہی سے تیار ہے ، تم اندر

چلو“ اور ہاتھ پکڑ کر مسہری میں لا بٹھایا۔ قنات کو بدستور



درست کر دیا اور میں بھی آ کے بیٹھا۔ مترجم  
 وہ چھپ کر آئے ہیں ڈرتے ہوئے ہمارے گھر  
 رقیب کو نہ خدایا خبر کرے کوئی  
 پھر ان چار آدمیوں کو بلوا کے میں نے تعین مہر کے  
 بعد ایجاب قبول کے الفاظ ان کے سامنے کہے۔ شیرینی اور کچھ  
 نقد دے کے ان کو رخصت کیا۔

میری ماہ جبین دلارام نے کہا ”اب یہاں بیٹھنا مناسب  
 نہیں ہے، آؤ خیمے میں چلیں۔“  
 وصل کی رات ہے گھبرا کے یہ کہتا ہے وہ شوخ  
 دیکھ لو بھال لو ایسا نہ ہو آئے کوئی  
 میں ساتھ ہو لیا اور قنات کی طرف سے خیمے میں دونوں  
 چلے آئے۔ اب کیا پوچھنا تھا، مدتوں کی دبی ہوئی آرزوئیں ہمک  
 آئیں، تمنائیں آزاد کر دی گئیں۔

یک چند دریں کرشمہ سازی

کردند دو غنچہ بوسہ بازی

گشتند بہ جلوہ ہائے گستاخ

پیچیدہ نخل شاخ در شاخ

افتاد بہ حجلہ نگارین

اندر شفق از شہاب پروین

میں تو اپنی سر مستیوں میں بے خود ہو رہا تھا، ادھر  
 آس نازنین کو غش آ گیا۔ ریاض

۱۔ یہاں پر ایک پرانی مثنوی کے بہت سے شعر بھی لکھے ہیں جو  
 بے مزہ ہونے کے علاوہ کسی قدر فحش بھی ہیں۔ میں نے سب چھوڑ  
 دیے۔ انداز بیان کو میں نے بہت سنبھالا ہے اور مصنف نے اس زمانے  
 کی تہذیب کا خیال کچھ نہ کیا تھا۔ (مترجم)



تیغ نے کاھے کو خون شہدا دیکھا تھا  
ڈر کے لپٹی ہے وہ قاتل کی کمر سے کیا کیا  
جب میرے حواس درست ہوئے اور یہ حالت دیکھی گھبرا  
کبھی سر دباتا ، کبھی تلوے سہلاتا تھا ؛ بازو پر زور سے  
سال باندھ دیا ، مٹی پر پانی چھڑک کر سنگھایا ۔  
ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی  
سوندھی سوندھی مجھے سبو کی  
بڑی مشکل سے دیر کے بعد اس کو ہوش آیا اور آنکھیں  
بھول دیں ، مگر حجاب کے مارے جھکی کی جھکی رہ گئیں ۔  
صبح کو بعد وصال اللہ رے آن کا حجاب  
سر جھکا لیتے ہیں میری سمعت ہر دم دیکھ کر  
تھوڑی رات رہے میں وہاں سے چلا آیا اور چلتے چلتے کہا :  
دم رخصت کہا میں نے یہ صورت پھر بھی دیکھیں گے  
تو کس انداز سے ہنس کر کہا ، دیکھیں خدا جانے  
آس نے لحاف اوڑھ لیا اور سو رہی ۔ آفتاب نکلنے کے وقت  
مرزائی پہنچی اور ماتھے پر ہاتھ رکھا ۔ رات کی تکان سے شدت کا  
ر چڑھا ہوا تھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ فتنہ خفتہ بھی جاگی ۔  
مرزائی سے اپنے بخار کا حال بیان کیا کہ دیکھو مجھے اب تک  
قد نہیں ہے ۔ رات بڑی بے چینی سے گذری ، تم ناحق کو  
ہیں ۔ برادری کا معاملہ ہے ، سب رسمیں پوری کر کے آنا  
ہا ۔ اب بھی چلی جاؤ ، اچھا ہے ۔ میرا جانا بھی نہ ہوا ، تم بھی  
جاؤ گی تو شکایت ہوگی ۔

میرزائی مجبور ہو کے چلی گئی ، عصر کے وقت سب کے ساتھ  
پس آئی ۔ آس وقت بھی وہی شدت کی تپ موجود تھی ۔ چہرہ  
تایا ہوا ، بدن پر چنے بھون لو ، ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا ۔



قنات کے پاس آ کر مجھے پکارا - میں خیمے میں گیا - میرزائی -  
 کہا ” آپ نے بھی ہماری خانم کی خبر کچھ نہ لی - دیکھو کل  
 عین جانے کی خوشی میں دفعتاً کیسا شدید بخار دشمنوں کو  
 ہو آیا کہ اس وقت تک کم ہونے کا نام نہیں لیتا - اتنی سی  
 صورت نکل آئی ہے - چرمر ہو کے رہ گئی - کل سے ایک کھیل  
 تک اس کے منہ میں نہیں گئی - بڑے میر صاحب سے کہہ کے  
 کچھ نسخہ لکھوا دیجیے -“

میں نے کہا ” تین دن تک اس کو دوا دینی نہ چاہیے -  
 اگر حمی یومی ہے تو بغیر علاج کے دفع ہو جائے گا - صرف  
 تسکین کے واسطے رات کو کیوڑے میں حل کر کے تھوڑی دوا المسک  
 کے ساتھ جو میرے پاس موجود ہے ، دے دو - اس سے بہت  
 جلد آفاقہ ہو جائے گا -“

یہ کہہ کے میں اس کے پلنگ کے نزدیک گیا اور منہ سے  
 رضائی ہٹا کے دیکھا تو عرق عرق ہو رہی تھی اور آنکھیں  
 سرخ کبوتر کی طرح - مجھے دیکھ کے منہ چھپا لیا - میں نے کہا :  
 تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب  
 کہ هنوز چشم مستت اثر خار دارد  
 جواب دیا :

نہ پوچھو کہ نالی شرر بار ہیں کیوں  
 یہ لو کے تمہارے لگائے ہوئے ہیں  
 آخر دو تین روز تک طبیعت ناساز رہی ، اس کے بعد صحت  
 ہو گئی -



# کہاں محبت اور بدگمانیاں

## شکر رنجیاں

چونکہ خیمے میں آمد و رفت بکثرت جاری ہو گئی اور بے تکلفی تو پہلے ہی ہو چکی تھی ، لہذا بلا قید وقت جب میرا جی چاہتا تھا ، چلا جاتا تھا ۔ اور پہروں بی جان اور خانم جان وغیرہ سے لطیفہ بازیاں اور ہنسی دل لگی ہوا کرتی تھی ۔ مگر اس سے جو بات ہوتی تھی ، پتے کی اور بہت ہی پر مغز الفاظ میں ، البتہ تنہائی میں راز و نیاز یا بوس و کنار کا بھی اتفاق ہو جاتا تھا ۔

آخر اس نے مجھ سے کہا ”اب آپ زیادہ بڑھ چلے ہیں اور بعض وقت بے موقع حرکت کر بیٹھتے ہیں ، لہذا مناسب یہ ہے کہ ذرا الگ الگ رہا کیجیے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو ۔

تاکید شام ہی سے ہے ان کی شب وصال

بے موقع ہم سے آج کوئی گفتگو نہ ہو

اور ان لوگوں سے اور بھی زیادہ بے تکلفی بڑھانی چاہیے کہ بجائے خود ہر شخص کو میلان خاص تمہاری طرف رہے ۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ان کے دلوں میں بدگمانی کا موقع ہی نہ آنے پائے گا ۔ بلکہ میرزائی اگرچہ سن رسیدہ ہیں مگر ان کی شوقینی اور طبیعت داری اب بھی جوان ہے ، بقول نظیری :

گر رود عشق از مزاج پیر لذت کے رود

ہوئے سے باقی بود گر بشکنی پیمانہ را



میں نے کہا ”یہ سچ ہے لیکن میں اس قدر ہرجائی مزا  
 ہونا پسند نہیں کرتا کہ سب سے اختلاط کرتا پھروں۔“  
 اس نے کہا ”گو جی نہ چاہے مگر مصلحتاً ایسا ضرور کر  
 چاہیے۔ یہ بات ایک دن کام آئے گی۔“

میں نے کہا ”شاید تم کو ناگوار ہو اور ناحق آپس میں  
 رنج آئے۔“

اس نے کہا ”میں اس قدر بے وقوف نہیں ہوں کہ جب  
 بات کی خود ہی صلاح دوں، پھر اسی میں رنج کروں۔ کیا مجھ  
 اتنی بھی تمیز نہیں ہے جو اس کو نہ جانچ سکوں کہ خلاص  
 رغبت سے ہے یا دکھانے کے لیے۔“

میں نے کہا ”خیر تمہاری جو مرضی ہو مگر :

آتش رشک عدو خاک کرے گی ہم کو

لاگ کی آگ بری ہوتی ہے جلنے کے لیے

چنانچہ میں نے اس کی تجویز پر عمل کیا اور سب سے محبت  
 کے پینگ بڑھائے۔

ایک بار چاندنی رات میں ہم سب بیٹھے مزے مزے کی  
 باتیں کر رہے تھے۔ میرزائی کو شبنم کی وجہ سے درد سر ہوا  
 لگا، وہ اندر آٹھ گئی؛ اسی طرح ایک ایک کر کے اور لوگ  
 بھی چلے گئے؛ خانم جان بھی کسی ضرورت کو آٹھ گئی۔

خورشید کی ہے راہ جدا مہ کی ہے جدا

ایکا کبھی معشوقوں میں دم بھر نہیں ہوتا

صرف بی جان اور میں دونوں بیٹھے رہے۔ خالی میدان پا کر  
 بی جان مجھ سے لپٹ گئی اور پیار کی باتیں کرنے لگی۔ خانم جان  
 نے آتے آتے یہ دیکھ لیا، مگر فوراً الٹے پاؤں پلٹ گئی۔ میں  
 نے دیکھا تو نہیں مگر بی جان سے کہا ”الگ ہو بیٹھو،“



بادا خانم جان آ جائیں اور دیکھ لیں تو اچھا نہیں ہے۔“  
 آشیانوں میں نہ غافل رہیں مرغان چمن  
 ان دنوں باغ میں صیاد بہت آتا ہے  
 اُس نے کہا ”خانم جان کیا ہے، اگر دیکھ لے گی تو  
 میری کون سی جاگیر ضبط کر لے گی۔ اُس کا خوف ہی کیا،  
 کیا چیز ہے۔“

یہ باتیں بھی اُس نے سن لیں۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ  
 جواب دوں مگر خانم جان سر پر آ پہنچی :  
 رقیب! آ ہی گیا مرگ ناگہاں کی طرح  
 گر آئی تو اس طرح کہ ذرا بھی اُس کے تیور یا انداز سے نہیں  
 آیا گیا کہ اُس نے کچھ بھی دیکھ یا سن لیا ہے۔ اسی معمولی  
 خندہ پشمانی سے آ کر بیٹھ گئی :

نہ پنداری کہ چشمش رسم عیاری نمی داند  
 نماید آن چناں خود را کہ پنداری نمی داند  
 مگر میرے دل کا چور نہ گیا اور بی جان بھی کچھ سٹ پٹا سی گئی۔  
 ہم دونوں سکوت میں ہو گئے اور میں چپکے سے اٹھ کر اپنے  
 شگلے کو چلا آیا۔ صبح کو قنات کے پاس آ کر مجھے اشارے سے  
 بلایا اور فرمایا :

شنیدہ ام ز تو میگفت دوش بد خواہے  
 کہ خوب نیست چو مظهر در انجمن باشد  
 ”رات کو بی جان سے کیا چوچلے اور اختلاط ہو رہے تھے؟“

۱۔ کیا خوب فرمایا ہے۔ یہ محبوبہ کی آمد تھی کہ رقیب کی۔ اس  
 برجستہ یاوہ گوئی کی داد نہیں دی جا سکتی ہے۔ معلوم نہیں یہ مصنف  
 کی آپج ہے یا اس مصرع کا استعمال جناب مترجم کے دل کی  
 آہنگ۔ (مرتب)



میں نے خیال کیا ، اگر سچ سچ کہہ دوں تو اور بھی  
غصہ آئے گا اس لیے میں نے کہا ”کچھ نہیں یوں ہی دل لگو  
ہو رہی تھی۔“

کہا ”خیر ایسا ہی ہوگا“ اور چلی گئی۔ میں نے ہر چند  
کہا ”ایک بات سنتی جاؤ“ مگر وہ کب مانتی :  
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ

میں نے سوچا کہ شاید ضرور اس نے وہ سب باتیں سن لی  
ہیں۔ مجھے چھپانا نہ چاہیے تھا ، مگر وہ تو ہوا کے گھوڑے پر  
سوار تھی ، کہتا تو کس سے کہتا۔

اسی پیچ و تاب میں پھر دن چڑھنے کے بعد میں خیمے میں  
گیا اور حسب معمول سب سے دل لگی ہونے لگی۔ مگر اس کا منہ  
غصے سے سرخ اور طبیعت میں گرانی پائی جاتی تھی۔ میں سمجھا کہ  
اب تک مزاج بگڑا ہوا ہے ، خدا خیر کرے :

چتون بھی چڑھی ہوئی ادا سے

کا کل بھی پڑی ہوئی بلا سے

ہر چند موقع ڈھونڈھتا رہا مگر کوئی بات نہ کر سکا  
کیونکہ شدت غصہ سے اس کی صورت پر غضب کا جلال تھا۔  
بار بار تیوریاں بدلتی تھی ، منہ لال بھوکا ہو رہا تھا ، نگاہ خشمگین  
تیر برس رہی تھی ، ابرو کے بل تلوار کا گھاٹ دکھاتے تھے۔

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

مجبوراً جلد اٹھ کے چلا آیا۔ رحم اللہ بھی باوجود تلاش

نہ ملا اور اتفاق کی بات دو روز تک کوئی صورت معذرت یا  
بات چیت کی نہ نکلی۔



ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے  
 نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے  
 تیسرے دن کچھ دن چڑھے میں خیمے میں گیا - دیکھا  
 میرزائی سائبان کے نیچے تخت پر بیٹھی مسٹی لگا رہی ہے - اس کے  
 ریب کرسی گھسیٹ کے میں بھی بیٹھ گیا - میرزائی نے کہا ”ابھی  
 بھی میں نے آپ کو یاد کیا تھا اور چاہتی تھی کہ کسی کو  
 بھیج دوں - دو دن سے آپ کو دیکھا ہی نہیں - اللہ جانتا ہے  
 آپ ایک دن نہیں آتے تو جی خراب رہتا ہے - معلوم نہیں آپ  
 کو بھی ہمارا خیال آتا ہے یا نہیں -“

میں نے کہا ”لو اور سنو، اجی میرا تو یہ حال ہے :  
 کسے دیوانہ باشد کز سرکوٹش رود جائے  
 دل این جا، دوست این جا، مدعا این جا، امید این جا  
 پھر میں نے دیکھا کہ میری بگڑی ہوئی مہ جبین بھی  
 ایک طرف بیٹھی مسٹی لگا رہی ہے - مترجم

بجلی دانتوں کی چمک پر بسمل  
 مسٹی کو دیکھ گھٹا لوٹ گئی !  
 اس کے بعد کنگھی ہونے لگی اور آئینہ سامنے رکھا گیا -

سنبھلے گی نہ چوٹ روبرو کی  
 جب کنگھی چوٹی ہوگئی، پان کھایا اور زعفران لونڈی  
 مہندی پیس کے لائی - پوچھا کہ پاؤں میں بھی مہندی لگاؤ گی؟ اس  
 وقت میں نے غور سے دیکھا تو ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی تھی -  
 تم کو خواہش تھی کہ ہو شوخ حنا کی رنگت  
 کیوں نہ ہاتھوں میں ملا میرا کلیجا لے کر  
 اب پاؤں کی باری آئی :



باندھ کر ہاتھ ادب کے مارے  
پائے جاناں پہ حنا لوٹ گئی

چونکہ میں دو دن سے پریشان تھا ، میرزائی نے کہ  
”میر صاحب ! آپ کا چہرہ اترا ہوا ہے اور کچھ متفکر سے معلوم  
ہوتے ہیں۔“

میں نے کہا ”کچھ نہیں ، ذرا طبیعت ناساز تھی ، آج تیس  
دن ہے۔ یقین ہے کہ اس وقت کسل مزاج جاتا رہے۔“

محفل میں گو نہ سمجھے کوئی اس سے بحث کیا  
پہنچانتے ہیں وہ تو سرے اضطراب کو

پھر ایک رباعی میں نے پڑھی۔ اس نے کہا کہ اس وقت  
آپ کی طبیعت حاضر معلوم ہوتی ہے ، کچھ شعر اچھے اچھے  
پڑھیے ، دو تین دن کا عوض بھی ہو جائے گا۔ میں نے چند شعر  
اس کی خاطر سے پڑھے۔ اتنے میں کوئی آگیا ، میرزائی اس سے  
باتیں کرنے لگی۔ میں کرسی پھرا کے اس پریوش کی طرف پھر  
بیٹھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کے مسکرا دیا :

دیکھ کر مجھ کو وہ ہنس دیتے ہیں

آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

میں سمجھا کہ اب غصہ کم ہو گیا ہے۔ میرزائی تو ادھر  
باتوں میں لگی ہوئی تھی ، میں کرسی سے اٹھا اور اپنا سایہ اس  
کے قدموں پر ڈالا۔ مطلب یہ کہ تمہارے پاؤں پر سر رکھتا  
ہوں ، میرا قصور معاف کرو۔ اس ستمگر نے ایک لات زمین پر  
رسید کی۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا

لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب کا

زعفران سے کہا ”چل ہم یہاں نہ بیٹھیں گے ، اندر پلنگ



پر بیٹھ کے مہندی لگا دے۔“

جور کا یہ بھی اک انداز ہے ورنہ ظالم  
 مہندی کچھ غیر نہیں پاؤں میں ملنے کے لیے  
 اس نے کہا ” اے بی جان ! یہاں ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔“  
 اندر گرمی میں جا کر کیا کروگی۔“

چونکہ بھری ہوئی تھی اور غصہ اتارنے کا کوئی حیلہ نہ  
 ملا تھا، اس بات پر لپک کر ایک طانچہ تو زعفران بیچاری کو  
 جڑا اور مہندی برٹھو کر ماری کہ وہ جا گری :

اٹھے فتنہ نگاہ خشم گیں سے  
 گلے ملتے ہوئے چین جبین سے  
 کچھ چپکے چپکے کہا اور غصے میں جس طرح اٹھی تھی  
 پھر بیٹھ گئی :

خفا کس پر ہو بتلاؤ غضب سے رخ پہ لالی ہے  
 جبین ' پر چین ہے ، ترچھی نظر ہے منہ میں گالی ہے  
 میں پھر اٹھا اور سر کا سایہ اس کے زانوں پر ڈالا اور  
 بڑھ کے کہا :

قتل کر ڈالو و یا اب جرم الفت بخش دو  
 لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

غصے میں ترے ہم نے عجب لطف اٹھایا ہے  
 اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے  
 اس پر اس نے مسکرا کے میری طرف دیکھا اور اپنے سر کو  
 س قدر جھکایا کہ گویا سینے میں لگ گیا۔

۱۔ نسخہ اول ”چین بہ جبین“ چھپا ہے۔ (مرتب)



آئینے سے لپٹ گئے بے اختیار آج

اب اپنے عکس سے وہ ہم آغوش ہو گئے

میں سمجھ گیا کہ میرا قصور معاف ہوا اور میرے سا-

کو گلے سے لپٹا لیا۔ پھر اٹھ کے میرے قریب ہو کے چلی، یہ

شعر آہستہ پڑھتی ہوئی :

معشوقوں کی بخشش نہیں جاتی ہیں خطائیں

جرم ان کے کبھی عفو کے قابل نہیں ہوتے

تھوڑی دیر کے بعد میں بھی خیمے کے اندر گیا۔ وہاں

گانے کا سامان ہو رہا تھا۔ میرزائی نے مجھ سے کہا کہ کوئی

غزل یاد دلائیے تو ہم گائیں۔“

میں نے کہا ”یہ غزل یاد ہو تو سنو“ :

اس نے میری دل ربا سے کہا ”اؤ تم بھی شریک ہو جاؤ۔“

اس نے کہا ”آپ شروع کیجیے میں بھی آئی۔“

غرض میرزائی نے میری فرمائش کی غزل شروع کی :

### غزل

دل از من برد و روی از من نہاں کرد

خدا را با کہ این بازی تو ان کرد

شب تنہائیم در قصد جاں بود

خیالش لطف ہاے بے کراں کرد

وہ ستم گر گانے میں میری طرف دیکھ کر مسکراتی جاتی

تھی۔ جب غزل تمام ہوئی، اس کو شروع کیا :



## غزل

چو گل ہر دم بے بویت جامہ بر تن  
 کم چاک از گریبان تا بہ دامن  
 بقول دشمنان بر کشتی از دوست  
 نہ گردد ہیچ کس با دوست دشمن  
 تنت در جامہ چون در جام بادہ  
 دلت در سینہ چون در سیم آہن  
 چو دل را بست در زلف تو حافظ  
 بدینسان کار او در پا میفکن

اس وقت گانا بڑے مزے کا تھا ، میرے آنسو جاری ہو گئے  
 میں نے میرزائی سے بہت تعریف کی اور اس غزل کی فرمائش  
 ہی کی :

## غزل

دارم امید عاطفتی از جناب دوست  
 کردم جنایتی و امیدم بہ عفو اوست  
 دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او  
 گرچہ پری وش ست و لیکن فرشتہ خوست  
 حافظ بدست حال پریشان تو ولے  
 بر بوے زلف یار پریشانیت نکوست

میری معشوقہ نے ہنس کے میرزائی سے کہا ”دیکھو مجھے کیسی  
 زل یاد آئی ہے ، اور یہ گانا شروع کیا :



## غزل

گر ز دست زلف مشکینت خطائے رفت ، رفت  
 ور ز ہندوئے شاہ برمن جفائے رفت ، رفت  
 برق عشق از خرقہ پشمینہ پوشی سوخت سوخت  
 جور شاہ کامراں گر بر گدائے رفت ، رفت  
 گر دلے از غمزہ دلدار بازی برد ، برد  
 ور میان جان جاناں ماجرائے رفت ، رفت  
 از سخن چیناں ملامت ہا پدید آید ولے  
 گر میان ہم نشیناں نا سزائے رفت ، رفت  
 در طریقت رنجش خاطر نباشد می بیار  
 ہر کدورت را کہ بینی چون صفائی رفت ، رفت  
 عیب حافظ گو مکن زاہد کہ رفت از خانقاہ  
 پائے آزادی چہ بندی گر بجائے رفت ، رفت

اس کے بعد گانا موقوف ہو گیا اور دوپہر ہو جانے سے میر  
 بھی اٹھا۔ میرزائی نے کہا کہ کیا جلدی پڑی ہے ، تھوڑی دیر  
 اور بیٹھیے۔

میں نے عذر کیا اور یہ دو شعر پڑھ کے چلا آیا :

شب وصل است و غم ہجر ہان ست کہ بود  
 دل پُر از حسرت دیدار ہان ست کہ بود  
 آتش عشق ہان ست ولے از چہ سبب  
 گرمی داغ تو با دل نہ چنان ست کہ برد

اسی دن عصر کے وقت خانم جان معمولی مقام پر آ کے کھڑی

ہوئی۔ میں نے کہا ”اس گناہ گار سے کیا خطا ہوئی۔ نہ د

تین روز سے خود آپ یہاں آئیں ، نہ رحم اللہ کو بھیجا۔“



جواب دیا کہ تم خود ہی سوچو ، کیا تقصیر ہوئی ،  
 تیرے کہنے کی کیا ضرورت ہے ۔

میں نے کہا :  
 تیرے سوا کسی سے محبت صنم نہیں  
 تیری قسم نہیں ہے خدا کی قسم نہیں  
 فرمایا ” اس قدر تو ڈھٹائی اچھی نہیں ہے ۔ چوری اور  
 سینہ زوری ، دیکھو عہد شکنی خوب بات نہیں ہے ، خبر  
 برط ہے :

سنیں سرگوشیاں غیروں سے اشارے دیکھے  
 ہم نے آنکھوں سے کرشمے ترے سارے دیکھے  
 میں نے اپنی آنکھ سے آپ کے اور اس سردار کے چوچلے  
 دیکھے اور نالائق باتیں اس کی سنیں ۔ پھر منکر ہونا تو اور مشتبہ  
 ہے ۔ مجھے رنج تو پیشک ہوا ، آپ کے نزدیک چاہے یہ کوئی  
 بات نہ ہو ۔“

میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا کہ تمہاری رنجیدگی سے میں نے  
 فصل حال ظاہر نہیں کیا ، یہ البتہ میرا قصور ہے ، لیکن :

ہم پہ بہتان اور کی الفت کے ہیں  
 اے ترے سر کی قسم کھاتے ہیں  
 میں نے چاہا تھا کہ تم سے سب حال کہہ دوں مگر تم  
 غصے کے سبب سے ٹھہری ہی نہیں ، اس لیے مجبور ہو گیا ۔  
 پھر حال میں عذر کرتا ہوں ، معاف کر دو ۔“

اس پر کہا ”جو کچھ مجھے ملال تھا ، اب کچھ باقی نہیں ہے ،  
 اور نہ تم سے فی الحقیقت میں ناخوش تھی ، صرف اس کی نالائق  
 باتوں پر مجھے رنج تھا ۔ یہ بھی میں نے فضول رنج کیا  
 کیوں کہ میں نے خود ہی تم کو اجازت دی تھی ۔ خیر اب



اس ذکر کو جانے دو :

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی  
 بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر  
 اس واقعے کے بعد جانبیں کی محبت اس درجہ کمال کو پہنچ  
 کہ اگر دونوں میں کسی کو کوئی صدمہ یا عارضہ ہوتا تو  
 بعینہ وہی حالت دوسرے کی ہوتی تھی ۔

چنانچہ ایک دن میں سیر کے لیے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر  
 دریا کی طرف چلا ۔ راستے میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے گھوڑے  
 کو ایسا گرمایا کہ کیلیں اور شوخیاں کرنے لگا ۔ میں نے بہ  
 سنبھالا مگر کسی طرح نہ رکا ، آخر کار میں گر پڑا ۔ بائیں ہاتھ  
 میں سخت چوٹ آئی ۔ صاحب نے پالکی بھیج کے مجھے اٹھوا منگایا  
 میری عیادت کو صاحب بہادر اور میرزائی دونوں ساتھ آئے  
 باتوں باتوں میں میرزائی نے کہا کہ آج کا اتفاق بھی عجیب ہے  
 آپ کو اس طرح چوٹ آئی ، اور میں آج خانم جان اور بی جان  
 کے ساتھ باغ کی سیر کر رہی تھی ، خانم جان پھول اچھالتے  
 اچھالتے چبوترے سے گر پڑی ۔ اس کے بھی الٹے ہاتھ میں اس  
 قدر چوٹ آئی کہ شانہ تک ورم کر گیا :

کھلائی فصد لیایا نے تو واں مجنوں کے خون نکلا  
 میں یہ سن کے بہت پریشان ہوا ۔ جب صاحب چلے گئے  
 خیمے میں گیا ۔ میرزائی نے کہا ”آپ نے کیوں تکلیف کی ۔  
 میں نے کہا ”وہاں اکیلے پڑے پڑے اور بھی جی گھبراتا تھا ، اس  
 لیے چلا آیا کہ دل بہلے گا اور تمہاری زبانی سنا تھا کہ بی خانم جان  
 کے بھی چوٹ لگی ہے ، ان کی عیادت ضروری تھی“ اور یہ مطلب  
 جرأت کا میں نے پڑھا :



گل بازی کا رتبہ ہی دلا کاش تو پاتا  
 ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا  
 اس وقت ہم دونوں ایک ہی پلنگ پر ایک ہی حالت درد  
 میں بیٹھے تھے - ڈیڑھ پہر رات تک خوش طبعی میں وقت گزر گیا  
 ہر میں چلا آیا :

محفل کا یار کے بھی ہے کیا خوب اہتمام  
 دل شاد اک طرف ہیں ، تو ناشاد اک طرف  
 ایک دن خانم جان نے خرپڑے جو کھائے تو حرارت کی وجہ  
 سے سیدھی آنکھ آگئی اور مارے درد اور سوزش کے قرار نہ تھا -  
 صبح کو میں یہ خبر سن کر عیادت کے لیے جانا چاہتا تھا ، اٹھا  
 کہ دفعتاً کوئی کیڑا میری بھی سیدھی آنکھ میں پڑ گیا - میں نے  
 آنکھ مل ڈالی جس سے ایک آگ سی لگ گئی اور آنسو بہنے لگے -  
 میں بے تاب ہو کر مسہری پر لیٹ گیا اور بے قرار ہو کر لوٹنے  
 لگا - تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھولی تو پھر گرم گرم آنسو بہنے  
 لگے اور دفعتاً آنکھ سوج گئی کہ کھلنا دشوار ہو گیا -

عجب رنگ آپس میں لائے ہوئے ہیں  
 وہ ہم میں ، ہم ان میں سائے ہوئے ہیں  
 میرزائی کا آدمی مجھے بلانے آیا تھا ، اس نے میرا یہ حال  
 جاننے کے کہہ دیا - وہ آئی اور کہنے لگی کہ خوب تماشا ہے - میں  
 نے جو اس وقت آپ کو بلایا تھا ، اس لیے کہ میری خانم جان  
 آنکھ کے درد سے رات بھر نہ سوئی ، آپ سے کچھ دوا پوچھوں گی ،  
 اس کو سر اٹھانا دشوار ہو گیا ہے :

۱ - اتفاقاً امور کو غلبہ محبت پر معمول کیا گیا ہے ، حالانکہ یہ  
 محض سبکسری ہے - (مترجم)



روتے روتے سوچ آئی ہیں آنکھیں

کوئی جانے کہ آئی ہیں آنکھیں

مگر آپ کی یہ حالت ہوئی۔ مجھے اس کو دیکھ کے خانم جان کی حال  
بھول گئی۔“

میں نے کہا ”کچھ محل تشویش نہیں ہے۔ میں نے جو دن  
بنوائی ہے، یہی ان کی آنکھ میں بھی لگاؤ، صحت ہو جائے گی۔“  
غرض کہ جس دن اس کو آرام ہوا، اسی دن میری آنکھ  
بھی اچھی ہو گئی۔

کوندنا برق تجلی کا یہ کہتا ہے کلیم

کوئی بے چین ہے پردے سے نکلنے کے لیے

برسات کا موسم تھا اور اندھیری رات کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ  
سوجھتا تھا۔ میں معمول کے موافق بنگلے کی غلام گردش میں سورہ  
تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ شدت کا پانی پڑ رہا ہے  
اور سناٹے کی ہوا چل رہی ہے۔ بجلیاں چمکتی ہیں، بادل گرجا  
ہے؛ گویا میں پلنگ پر بیٹھا ہوں اور وہ وفا شعار خیمے سے نکل  
میرے سامنے میدان میں کھڑی بھیگتی ہے۔ ہر چند کہتا ہوں  
اندر چلی آؤ مگر نہیں آتی، اور بجلی ہے کہ اب گری، اب گری۔  
میں بے اختیار ہو کے اٹھا کہ گود میں اٹھا لاؤں، ویسے  
ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو واقعی مینہ برس رہا ہے اور  
وہی حالت ہے جو خواب میں دیکھی تھی۔ میں نے سردی کے  
سبب سے کھیس اوڑھ لیا اور سو گیا؛ پھر وہی معاملہ خواب  
میں دیکھا:

لطف ہے خواب میں حاصل مجھے بیداری کا

تیرے صدقے مری آنکھوں میں سمانے والے

اب تو میں مضطرب ہو کے جاگ پڑا اور خیمے کی طرف بہ غور



دیکھنے لگا۔ بجلی کی چمک میں بنگلے کے سامنے قنات کے قریب معلوم ہوا کہ کوئی کھڑا ہے۔ مجھے گمان ہوا، کہیں چور نہ ہو۔ پھرتی سے طینچہ سرہانے سے کھینچ لیا اور مستعد ہو بیٹھا۔ پھر آنکھ گڑو کہ ادھر دیکھا اور یقین ہوا کہ ضرور کوئی کھڑا ہے، مگر مطلق بے حس و حرکت ہے۔ خیال آیا کہیں وہ با وفا تو نہیں ہے، میرا خواب شاید سچا ہو۔ میں نے یہ شعر با آواز بلند پڑھا:

ہمدما شبہائے تنہائی ست بے تابی مرا

گوئی از بیداری بخت ست بے خوابی مرا

اس کے جواب میں یہ شعر سنائی دیا:

واقف نہ ز درد دل ناتوان من

اینک بلب رسید ز درد تو جان من

یہ سنتے ہی میں ننگے پاؤں دوڑا اور اس کو گود میں اٹھا لیا۔ دیکھا تو شدت بارش سے بھیگ کر کپکپا رہی ہے اور سردی کے مارے دانت بچتے ہیں۔

میں نے کہا ”یہ آپ کی کیا حرکت ہے؟“ کچھ جواب نہ ملا۔ جلد جلد میں نے وہ شرابور زعفرانی پوشاک جو شام کو اسے پہنے دیکھی تھی، اتاری اور پاؤں دھلوا کے رضائی اندر سے لے آیا اور اس کو اڑھائی۔ آگ جلانے کا موقع نہ تھا کیوں کہ میرے بھائی بنگلے میں سو رہے تھے۔ لہذا اپنے سینے سے لپٹا کر اس کو گرم کیا اور لونگیں وغیرہ کھلائیں۔ مگر اب تک بات نہیں کی جاتی تھی۔

دو گھنٹی کے بعد اس قدر کہا ”مجھے بات کرنے کی طاقت نہیں ہے، ذرا ٹھہر کے اپنا حال کہوں گی۔“

جسم میں روح ہے مضطر وہ ہجوم غم ہے

کوئی رستہ نہیں ملتا ہے نکلنے کے لیے



جب خوب گرمی پہنچی اور حواس درست ہوئے، بیان کیا کہ آج شام سے میری طبیعت گھبراتی تھی، اتفاق سے تم بھی رات کو نہ آئے اور الجھن بڑھ گئی۔ ہر چند پانگ پر لوٹی پوٹی؛ بے اختیار روئی اور یہ شعر پڑھتی تھی:

بے یار سر شام سے ہے جان پہ نوبت

اللہ ابھی چار پہر رات پڑی ہے

بار بار جی چاہتا تھا کہ تم کو دیکھتی۔ آخر بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی:

دل میں آتا ہے جگر سے تو جگر میں دل سے

درد اٹھا ہے ذرا آج ٹہلنے کے لیے

بنگلے کے باہر پہنچی تو تم کو سوتا پایا اور ساتھ ہی پانی برسنے لگا۔ میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ تم کو جگا کر بے چین کروں۔ مگر وحشت اور خوف اور بھی ترقی کر گیا اور میں رونے لگی۔ اس وقت یہ شعر پڑھتی تھی:

من و شمع صبح گاہی سزد ار بہم بگریم

کہ بہ سو ختم و از ما بت من فراغ دارد

اسی طرح دیر سے کھڑی بھیگا کی، آخر تم جاگے۔

میں نے کہا ”میری جان! ہزار راحتیں تم پر قربان تھیں۔

۱۔ یہ تو سب زبانی باتیں ہیں، خواب راحت کے مزے لیتے اور بار بار خواب میں محبوبہ کو سامنے کھڑے بارش میں بھیگتے دیکھتے رہے۔ چور کے ڈر یا نیند کے غلبے سے چادر میں منہ چھپا لیا۔ حسینہ وفا شعار تھی۔ بیچاری کو نمونہ ہو جاتا اور ہیرو صاحب چلے طینچہ چلانے۔ معلوم ہوتا ہے ان کی سادہ لوحی حماقت کی حد سے گزر چکی تھی اور بزدل بھی خاصے تھے۔ مترجم نے ان باتوں کو اتفاق کہا ہے، مگر یہ کمال محبت ہے۔ (مرتب)



نے مجھے فوراً جگا دیا ہوتا۔ دیکھو میں طپنچہ لے کر مستعد ہو گیا تھا۔ اگر چور کے دھوکے میں چلا بیٹھتا تو رو سیاہی کے بلاوہ میری جان بھی کیوں رہتی۔ تم نے بڑا غضب کیا، کوئی ایسی نادانی کرتا ہے؟“

جواب دیا ”خیر جو خدا کی مرضی ہوتی، محبت والوں کے نزدیک ایسی باتیں کچھ تعجب نہیں ہیں۔“

کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخارا  
دل خانہ خراب کی سوزشوں کے سامنے جان کی کیا حقیقت ہے۔ اگر اس قسم کی احتیاط کی جائے تو پھر محبت ہی کیا اور شوق کیسا۔ تم آرام سے بسر کرتے ہو، تمہیں بیچارگان ہجران کے بڑینے کی کیا خبر اور بے چینی سے کیا سروکار۔“

تم کو آشفته مزاجوں کی خبر سے کیا کام  
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے  
یہ کہہ کے زار و قطار رونے لگی اور کہا ”دیکھو، یاد رہے میرا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان۔“

خراب بادہ سرجوش کردہ ما را  
بہ ہوش باش کہ بے ہوش کردہ ما را  
میں نے اس کے آنسو پوچھے اور کہا کہ سیری جان! تم خود ہی ایسی حرکت کرو اور مجھے ملامت کرتی ہو۔ آخر یہ بیخ و غم اور زحمت بے فائدہ کس لیے؟

فرمایا ”صاحب! یہ اختیاری فعل نہیں ہے۔ یہ وہ حالت

۱۔ بالکل بجا ہے۔ ہیرو کی حالت کا صحیح تجزیہ ہے۔ مگر بیچارہ طبیعت سے مجبور تھا، گوسچا اور ایمان دار تھا۔ اپنی نادانیوں اور حماقتوں کا اظہار بھی بے کم و کاست کر دیا ہے۔ (مرتب)



ہے جس کو نہ خوف روک سکتا ہے ، نہ مصلحت اندیشی دیا  
سکتی ہے۔ بڑے سے بڑے اور جبار سے جبار بادشاہ کے اختیار میں  
نہیں ہے کہ وہ شوریدگان شوق کے مزاحم ہوسکیں۔ ہائے  
دیکھوں میرا انجام کیا ہو۔ جب تک یہ کچھ نہ تھا ، ایک حالت  
بیم و رجا میں گذرتی تھی ، اب تمہارے پالے پڑی ہوں ، ہزاروں  
طرح کے خیالات دور دراز نے مجھے گھیر لیا ہے ، جس کو میں بھی  
جانتی ہوں ، تم کو کیا خبر“ :

اب یہ جانا کہ اسے کہتے ہیں آنا دل کا

ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

پھر ایک آہ بھری اور کہا ”یہ رباعی میرے حسب حال

ہے“ :

### رباعی

تو پنداری کہ من بجانم زندہ

یاچوں دگراں بہ آب و نام زندہ

جانا نہ بہ این ولے بہ آئم زندہ

غم ہائے تو سی خورم ازائم زندہ

یہ سب عشق کم بخت کی بدولت ہے ، خانہ خراب ہو محبت کا  
مجھے ڈبویا۔“

میں نے کہا ”یہ باتیں نہ کرو ، میرا دل دکھتا ہے۔ میں  
تمہارا ہر حال میں تابع دار ہوں۔ کیا کروں مجبور ہوں ورنہ  
اس قدر بیگانہ وار رہنا مجھے کیوں کر گوارا ہو سکتا۔ خدا کے  
فضل پر نظر رکھنی چاہیے۔ انشا اللہ انجام بخیر ہو گا۔“

غرض کہ دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوا کرتیں ، جب ذرا



طبیعت سنبھلی اور خوب گرم ہوئی ، میں نے وقت کو غنیمت سمجھ کے عرض کیا :

کرم ہائے تو ما را کرد گستاخ

موقع سے بھی پاتے ہیں تو کچھ بن نہیں پڑتی  
 ہم سے تو یہ معشوق ستائے نہیں جاتے  
 یہ سنتے ہی وہ نہایت بد مزہ ہو کر بولی ”اس قدر بے حیائی  
 کیا ضرور ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم ایسی ہی بات کے طالب ہو۔  
 اگر ایسا ہے تو یہ اور بھی میری کاہش جان اور سوهان روح کا  
 باعث ہے۔“

میں نے کہا میری جان ”ایں امر خلاصہ جمیع معاملات است۔“  
 اس نے کہا ”شاید ہر بھی مگر اس طرح اس کے لیے  
 گرویدہ اور بندہ ہوس ہونا ”از صاحبان لطافت مزاج و خوش  
 طبعان میرزا منش نہایت نازیبا و نا گوار است۔“  
 میں نے کہا ”میرا تو یہ عتیدہ ہے“ :

گذشتہ خواب آئندہ خیال است  
 غنیمت داں ہاں دم را کہ حال است

جواب دیا کہ ہاں :

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

غرض کہ ”بہ عجب لطف کامیاب بہ کام دلی شدم و شکرانہ بجا  
 مردم و بخواب شدم۔“

صبح کے قریب اس کی آنکھ کھلی ، گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔  
 میں بھی جاگ پڑا۔ اس نے وہی بھیگی ہوئی پوشاک پہن لی اور  
 جلنے کا قصد کیا۔ میں نے کہا ”اس وقت جا کے کیا کرو گی ،  
 اب تو کچھ تدبیر بھی نہیں ہو سکتی۔“



کہنے لگی ”یہ بھی ایک ہی ہوئی۔ اجی کوئی شخص جو کام کرتا ہے، اس کا انجام سوچ ہی لیتا ہے۔ دیکھ لینا میں کیا کروں گی۔ آپ جس طرح دام نقد کے معتقد ہیں، سب کو ویسا ہی جانتے ہیں۔“

میں نے کہا ”بہتر ہے، جائیے۔“

وہ چلی گئی۔ مجھے اس وقت آس کا جانا اور اپنی تنہائی بہت شاق ہوئی۔ مترجم

الجهن تھی، اضطراب تھا، کاش تھی، درد تھا

جانا تمہارا رات قیامت ہوا مجھے

آپ نے وہاں جا کے زعفران کو جگایا کہ اٹھ مجھے غسل کے لیے پانی دے۔ میں پیشاب کرنے کو گئی تھی، چوکی سے گر پڑی، تمام غلاظت اور کیچڑ میں کپڑے خراب ہو گئے۔

اس نے پانی غسل خانے میں رکھ دیا۔ جلد جلد نہا دھو کے کپڑے بدلے اور پلنگ پر سو رہی۔

صبح کو جب میرزائی وغیرہ سب گھر کے آدمی سو کے اٹھے، میرزائی نے کہا ”خیر تو ہے، آج خانم جاں نماز کے لیے نہیں اٹھی؟“

زعفران نے ماجرا بیان کیا۔ اس نے زعفران پر غصہ کیا ”مجھے کیوں نہ جگا لیا“ اور خانم جان کے پاس آکر بدن ٹٹولا تو اچھا خاصا بخار چڑھا ہوا تھا۔

تین چار گھڑی دن چڑھے قنات کے پاس آکر مجھ سے سارا حال بیان کیا، اور کہا دیکھیے کس قدر شدت کا بخار ہے۔ میں نے جا کر نبض پر ہاتھ رکھا، اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

میں نے کہا ”عاقبت اندیشی کیوں نہ کر لی۔“

یہ سن کر آنسو بھر لائی اور کچھ جواب نہ دیا، منہ چھپا لیا۔



اتنے میں معلوم ہوا کہ منگ صاحب آتے ہیں۔ میرزائی اور بی جان ان کے استقبال کو گئیں۔ میں نے پوچھا ”میری بات کا جواب نہ دیا۔“ اس پر بولی :

ہست در شرع محبت رسم و آئین دگر  
خوردن خون جائز است و دم زدن دستور نیست  
”سب آپ ہی کی عنایت ہے۔ ابھی دیکھو تو سہمی کیا کیا ہوتا ہے“ اور زار زار رونے لگی ۔

مجھ سے ضبط نہ ہوسکا ، میرے بھی آنسو نکل آئے۔ اس نے میرے آنسو اپنے آنچل سے پونچھے اور کہا ”تمہاری بلا روئے اور رنج کرے ، رونا تو مجھے ہے“ :

فرقت میں آپ روتے ہیں ہم اپنے حال پر  
آنکھیں ہیں بند اور نظر ہے مال پر  
ذرا دیر میں صاحب بھی آگئے۔ میں الگ ہو گیا اور کہا  
”اس وقت نانا صاحب ہوتے تو کوئی نسخہ تجویز کرتے۔“

اس نے کہا ”اچھا ابھی سواری بھیج کر بلوا لو۔“  
چنانچہ حکیم صاحب تشریف لائے اور نبض دیکھ کر نسخہ  
تجویز کر دیا۔ دس بارہ روز میں اس کو شفائے کلی حاصل ہوئی۔  
ہمارے صاحب کا خانساماں امام بخش ایک دن خانم جان کو  
راستے میں ملا اور سلام کیا۔ اس نے اخلاق سے جواب کے  
ساتھ خیر و عافیت بھی پوچھی۔ اچھی صورت والے ہر کسی کی  
آنکھوں میں کھٹکا کرتے ہیں :

اے حسن تیری وجہ سے وہ کشمکش میں ہیں  
لاکھوں ہیں دست شوق ہزاروں کنار شوق  
اس پاچی کو لطف و آدمیت سے اور ہی خیال پیدا ہوا  
اور سمجھا کہ یہ مال اچھا ہے ، اس سے راہ و رسم پیدا کرنی



چاہیے۔ چونکہ اعظم جی سب لوگوں سے راہ و رسم رکھتا تھا،  
 خانساماں نے محمد افضل کے ہاتھ ایک سونے کی انگوٹھی جس پر  
 یاقوت کا نگ جڑا تھا اور ایک زربفت کے بٹوے میں کچھ  
 الائچیاں وغیرہ تحفہ بھیجا اور اپنی بے قراری اور عاشقی کا پیام  
 کہلا بھیجا۔

خانم جان نے وہ چیزیں رکھ لیں مگر اتنا کہلا بھیجا  
 ”اچھا معلوم ہوا، یہ آپ کے تحفے صاحب کے سامنے پیش ہوں  
 گے۔ تم نے اچھے کے ہاتھ سودا کیا۔ سینڈکی کو بھی لو  
 زکام ہوا۔“

یہ سن کے اس کے آئے حواس گئے اور غریب اس فکر میں  
 پڑا کہ کسی طرح وہ چیزیں واپس ہو جائیں ورنہ عاشقی بڑا رنگ  
 دکھائے گی۔ رحم اللہ نے بھی افضل سے یہ حال سن کر سارا  
 قصہ میرے سامنے بیان کیا اور اپنا نام بتانے سے منع کر گیا۔  
 مجھ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔

بعد مغرب خیمے کی طرف میں جاتا تھا کہ رحم اللہ راستے  
 میں ملا، کہا ”میں آپ کو دیکھنے جاتا تھا۔“ میں اس کے ساتھ  
 خیمے میں جا کر میرزائی کے پاس بیٹھ گیا اور وہ انگوٹھی خانساماں  
 کی اس کے ہاتھ میں دیکھی :

تیری شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے  
 گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا  
 میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور خیالات فاسد آنے لگے۔ آخر  
 مجھ سے وہاں بیٹھا نہ گیا، جلد اٹھ کر چلا آیا۔ اور سوچتا تھا  
 کہ دیکھو مجھ سے اس کا تذکرہ 'تک نہ کیا۔ کچھ نہ کچھ

۱۔ اس واقعے میں چند عقل مندوں کے انبار مصنف نے لگا  
 دیے ہیں۔ (مترجم)



دل میں کالا ہے۔ اسی غصے میں میں دوسرے روز دوپہر تک  
بے میں نہ گیا۔

سیرزائی نے تیسرے پہر کو آدمی بھیجا کہ آج اب تک  
یوں نہیں آئے۔ میں نے کہا ”خیریت ہے، کچھ خانساماں سے  
ساملہ در پیش تھا اس لیے نہ آسکا۔“

تھوڑی دیر میں رحم اللہ آیا اور کہا خانم صاحبہ کہتی  
ہیں ”آج کیوں نہیں آئے۔“

میں نے کہلا بھیجا کہ شکر ہے دو دن کے بعد تو میں یاد آیا۔  
میں تمہارے اور خانساماں کے جھگڑے میں پھنسا ہوا ہوں اس لیے  
اب کو بھول بیٹھا ہوں اور یہ شعر ایک پرچے پر لکھ کر  
عوالیہ کیا:

بلبل ز تاب درد رقابت بہ خود نہ دید  
از دست باغبان و گل و گلستاں گذشت  
اس نے کہلا بھیجا ”اچھا عصر کے وقت اس کا جواب  
دوں گی۔“

میں غصے کی وجہ سے چاہتا تھا کہ عصر کے وقت بغیر ملے  
سوار ہو جاؤں کہ اتنے میں وہ قنات کے پاس آگئی اور مجھے اشارے  
سے بلایا۔ میں قریب گیا اور یہ شعر پڑھا:

نہ دائم کہ زند حرفے کہ از خلوت سرایے دل  
بگوشم گفتگوئے مردم بیگانہ می آید

۱۔ دال میں کالا ہو یا نہ ہو مگر دل ضرور کالا تھا۔ (مترجم)  
اس میں بے وقوفی کی بھی کیا بات ہے؟ اور اعتراض کیوں؟ انصاف  
شرط ہے ”عشق است و ہزار ہدگانی“ ہیرو کا دل تو سادہ اور صاف  
تھا، آپ کا (مترجم کا) کالا نہ ہو جو خواہ مخواہ اعتراض ہے۔ (مرتب)



کہنے لگی ”میں اس کا مطلب ذرا بھی نہیں سمجھتی ، کچھ خفا ہو؟“

میں نے کہا ”اپنے دل میں سوچو ، کوئی بات خفگی تم سے ہوئی ہے یا نہیں۔“

جواب دیا ”صاف کیوں نہیں کہتے ، یہ پہیلیاں تو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مگر ہاں میں سمجھی۔ اچھا یہ تو بتاؤ تم نے سنا کیا اور کس سے سنا؟“

مجھے جو کچھ معلوم تھا بیان کر دیا۔ اس نے کہا ”ہاں یہ تو ہوا ، لیکن میں نے جو جواب دیا وہ بھی آپ کو معلوم ہے؟“

میں نے کہا ”زیادہ تر ملال کا باعث تو یہی ہے کہ تم نے مجھ سے چھپایا۔ مجھے کیا خبر کہ کس قسم کا جواب تم نے دیا۔“

کہنے لگی ”اول تو تم کل سے خیمے میں بیٹھے ہی نہیں دوسرے جب کہ میں نے خود تدارک کر دیا تو آپ سے کہنے کی چنداں ضرورت نہ معلوم ہوئی۔ وہ بات ہی کیا تھی کہ مشورے کی ضرورت ہوتی۔ خیر اب بھی اسی سے پوچھ لو کہ میں نے کیا کہلا بھیجا۔ شاید میرے کہنے کا یقین نہ آئے۔“

میں نے کہا ”بہتر ہے۔“ اسی وقت اس کو بلوا بھیجا اور اس سے حال پوچھا۔ پہلے تو وہ کانپنے لگا اور بولا مجھ سے قصور ہوا ، معاف کیجیے اور اس کا چرچا اب ہونے نہ پائے ورنہ میرے لیے خرابی ہے۔“

میں نے اس کو مطمئن کیا اور کہا ”آخر خانم جان نے جواب کیا دیا؟“

اس نے کہا ”پہلے تو مجھ پر بہت خفا ہوئیں ، پھر خانساماں



کہہلا بھیجا کہ تیرا تحفہ صاحب کے سامنے پیش ہوگا۔“  
یہ سن کر مجھ کو بدگمانی جاتی رہی۔ صبح کو رحم اللہ کو  
بوندوایا تاکہ اپنے اطمینان کی کیفیت کہہلا بھیجوں۔ وہ آیا تو  
”بچی اور ڈلی کھاتا ہوا۔ میں نے کہا ”تو نے یہ کہاں  
سے؟“

اس نے لڑکپن سے صاف کہہ دیا ”خانساماں نے جو مصالحہ  
بھیجا تھا، آج خانم صاحبہ نے سب کو وہ تقسیم کر دیا، مجھے  
یہ حصہ دیا۔“

میں نے زور سے اس کے کان پکڑ کے کہا ”دور ہو مردور  
ان سے“ اور الائچیاں وغیرہ چھین کر زمین پر فوراً پھینک دیں۔“  
وہ روتا ہوا خانم جان کے پاس گیا اور میری نالش کی کہ  
مجھے منشی جی نے ناحق مارا، میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔

اس نے اس کو سمجھا بچھا کر چپ کیا اور اسی کے ہاتھ  
مجھے بلا بھیجا اور یہ بھی کہا کہ اچھا اس کے عوض آپ کی  
گوشالی منگ صاحب کے سامنے نہ کروں تو سہی۔

مجھے یہ سن کر اور بھی غصہ آیا اور کہہلا بھیجا کہ جا  
سہ دے میں نہیں آؤں گا، اب میرا وہاں کیا کام ہے۔

تمام دن اسی رنج میں مبتلا رہا۔ رات کو خیمے میں بھی نہیں  
تیا۔ مگر جب غصہ مدہم ہوا تو میں نے سوچا ناحق بے چارے  
بوندے کی گوشالی کی؛ سب واقعہ تو معلوم ہوچکا تھا، پھر ایسی  
حرکت کرنا میری ہی زیادتی ہے۔ تاہم میں نے شکایت میں ایک  
قعہ لکھا اور صبح کو جب رحم اللہ آیا، میں نے اس سے پوچھا  
”ان کا مزاج اچھا ہے؟“

اس نے کہا ”ہاں اچھی ہیں مگر رات سے کھانا نہیں کھایا  
ہے، بالکل خاموش اور اداس ہیں۔“



میں نے کہا ”اچھا یہ رقعہ دے دینا اور کہنا من  
پوچھا ہے۔“

### رقعہ

جان من ! تمہاری محبت کا اندازہ مشکل ہے ، اس لیے کہ تھوڑی بار  
بھی زیادہ ناگوار ہوتی ہے ، اور تم سخت بات کہہ گذرتی ہے  
جس سے میرے دل پر چوٹ لگتی ہے اور مجھ سے برداشت نہیں  
ہو سکتی۔

بجائے سنگ طفلان برگ ہاے گل بیاید زد  
چو مظهر میرزا دیوانہ نازک طبیعت را  
یاد رہے کہ بے وفائی اور ستم گری اچھی نہیں ، رسم محبت  
کو برباد کرنا سخت نازیبا ہے ، آئندہ تم کو اختیار ہے۔“  
ظہر کے وقت چمن میں ٹہل رہا تھا کہ رحم اللہ نے جواب  
کے دیا۔

### جواب رقعہ

میرے یار سرا سر عیار !  
دیکھو بلبل ایک بے تمیز جانور ہے اور پھول میں سوانے  
رنگ و بو کے کیا دھرا ہے مگر ہر وقت آس کے صدقے ہوتی  
رہتی ہے ، بلکہ تڑپ کے جان بھی قربان کر دیتی ہے۔ حیف ہے  
کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کے محض بدگمانی اور ذرا سی  
خلاف مزاج بات پر اس طرح بگڑ جائے اور عقل سے مطلق کام نہ لے



مگر آپ کا قصور نہیں ہے ، یہ میری ہی خطا ہے ۔  
 جزائے این کہ بہ ہمچو توے وفا کردم  
 بہر جفا کہ دلت خوش شود سزائے من است

تقدیر ہی بری ہے تمہاری خطا نہیں

اب اتنی عرض یہ ہے کہ میں نے قصور کیا ہے یا نہیں  
 اس سے غرض نہیں ۔ لہذا میری خطا معاف فرمائیے اور اپنے دل  
 کو صاف کر ڈالیے ۔ مہربانی کر کے تھوڑے پھول اپنے باغ سے  
 بھجوا دیجیے ۔ آج بستی جوڑا میں نے بدلا ہے ، پھولوں کی  
 ضرورت ہے ، اور اگر خود بھی عصر کے وقت حسب معمول  
 قنات کی طرف آئیے تو عنایت ہے ۔ خاطر جمع رکھیے ، میں ایک  
 حرف بھی شکایت کا زبان پر نہ لاؤں گی ۔“

نہ ہوں وہ لب جو کہلیں شکوہ جفا کے لیے

وہ ٹوٹیں ہاتھ اٹھیں جو کہ بد دعا کے لیے

مگر جی جلتا ہے تو آہ کر کے رہ جاتی ہوں :

چین تجھ کو نہ ملے میرے ستانے والے

تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے

رقعہ پڑھ کے میں رونے لگا ۔ جب عصر کے وقت آس سے

ملاقات ہوئی ، پہلے ہی یہ شعر آس نے پڑھا :

جفا کشان محبت لب از فغان بستند

گرہ ز جبہ کشادند و بر دہاں بستند

۱۔ روتے آپ ضرور تھے مگر افسوس عقل کو کبھی نہ روئے ۔  
 (مترجم)

حسن شاہ غریب کے پاس تو سوائے رونے کے اور چارہ ہی کیا تھا ۔  
 اور پھر وہ عقل کو روتا تو آپ کو یہ موقع کیسے نصب ہوتا (مرتب)



جو کچھ کرتے ہو خوب کرتے ہو، اب میری طرف سے  
ایک حرف بھی نہ سنو گے۔ آپ بڑے عقلمند ہیں، عقلمند  
کی دور بلا:

ولے گرفتہ ما مشکل است باز شود

کہ قفل بر درمے خانہ از دروں زدہ اند

میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا:

گر زہر دہی شکر توں گفت

ور سنگ زنی گہر توں گفت

اس نے کہا ”آپ کو خیرت ہے؟“ اور چل دی۔

ناچار مغرب کے بعد خیمے میں گیا، وہ تنہا صحن میں کرمی

پر بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ میں نے قریب

جا کر کہا ”مجرا عرض کرتا ہوں“ اس پر ہنس پڑی اور کہا

”چہ خوش، یہ دوسری ہوئی، خیر جائیے اندر بیٹھیے میں

بھی آئی۔“

میں بہت ہی پریشان خاطر میرزائی کے پاس بیٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب کھانے کو آٹھ گئے۔ اس نے کہا

”مجھے بھوک نہیں ہے، میں اس وقت نہ کھاؤں گی۔“

جب تنہائی ہوئی، مجھ سے بگڑ کے کہا ”اب جو کچھ

کہنا ہو فرمائیے۔ یہ کیا آپ کی عقل مندی ہے کہ ناحق جب

دیکھو ایک نیا سوانگ کرتے ہو۔ سامنے تو بھیگی بلی بنے

رہتے ہو، میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہو، جب الگ ہوتے ہو

کچھ خیال ہی نہیں رہتا۔“

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا

آپ سے میل ہی نہ تھا گویا

یہ عیاریاں اور سخن سازیاں مجھے ناپسند ہیں۔ آدمی صاف



صاف کہے تو اس کا حال معلوم ہو ، نہیں آپ کی طرح آنکھیں  
 ہوئیں چار دل میں آیا پیار ، آنکھیں ہوئیں اوٹ جی میں  
 آئی کھوٹ۔“  
 میں نے کہا :

بر سن از جور تو ہر چند کہ بیداد رود  
 چوں رخ خوب تو بینم ہمہ از یاد رود  
 کہنے لگی ”بھلا یہ آپ کی کیا حاققت تھی کہ نہ اصل  
 بات کو دریافت کیا اور نہ کچھ سنا۔ اس لڑکے کو مار بیٹھے  
 اور اس طرح بگڑ گئے گویا جان پہچان تک نہ تھی۔ کیا سوجھتا  
 نہیں ہے کہ میں کیسے لوگوں میں پھنسی ہوں۔ اگر یوں ہی  
 آپ کی تنگ مزاجیاں اور زود رنجیاں ہوتی رہیں گی تو خدا ہی  
 حافظ ہے۔“

میں نے کہا ”ایک تو تم نے مجھے سخت جواب کہلا  
 بھیجا ، دوسرے یہ کہ میں نے سمجھا اگر اس پاجی کے حال  
 پر مہربانی نہ ہوتی تو اس کے ہدیے کو کیوں قبول کر لیتیں  
 اور خوش خوش سب کو تقسیم کرتیں ، بلکہ صاحب سے کہہ  
 کے اس کو سزا دلواتیں۔“

بولی ”صاحب ! آپ کو کچھ خبر ہے ، سمجھتے بھی ہو  
 یا یوں ہی جو چاہتے ہو کہہ ڈالتے ہو ؟ تو اس کا تحفہ  
 تقسیم کر دینا آپ مہربانی پر محمول کرتے ہیں ؟ پھر میں کیا  
 کہوں ! خدا کی عنایت سے آپ تو مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں۔  
 ذرا سوچیے تو سہی ؛ جب کہ میری ایک ذرا سی دھمکی میں  
 اس کے ہوش آڑ جائیں اور سارا نشہ ہرن ہو جائے ، پھر  
 اس کے آقا تک وہ بات پہنچانا اپنی ہی سبکی اور کم ظرفی  
 ہے یا نہیں ؟ گئی گذری بات کا بتنگڑ کرنا اور اپنے آپ کو نکو بنانا



مجھ سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔ سب سے زیادہ اس کی سزا یہی تھی کہ اس کی چیزیں اس کو واپس نہ ہوئیں۔ ایسے پاجیوں کو نقصان ہی پہنچانا بڑی تنبیہ ہے۔ اور جو کچھ میں نے کیا اس میں آپ کے مشورے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ یہ کوئی ملکی اور مالی نازک مسئلہ نہ تھا کہ صلاح و مشورہ کیا جاتا، توپ اور تلوار کا انتظام ہوتا۔ آپ نے ناحق ناحق اس کو اتنا طول دیا، رائی کو پہاڑ، سوئی کو بھالا بنا دیا۔ مگر مجھے معاموم ہوتا ہے بی جان کی باتوں سے ابھی تک سرکار کے کان بھرے ہوئے ہیں، دماغ میں کچھ اور ہی بو بسی ہوئی ہے۔ تہمتیں تراشی جاتی ہیں، فقرے سوچے جاتے ہیں، کہ کسی طرح چھدا رکھ کے الگ ہو جائیں۔ یہ بھی بے پردگی یا منگ صاحب کے ساتھ باتیں کرنے کا رشک ہوا، جس کو بارہا آپ کہا کرتے ہیں:

وہی بے پردگی شیشے میں بھی ہے

بنی ہے دختر رز پارسا کیا

میں اس کو آپ کی غیوری اور مردانگی پر محمول کرتی تھی کہ ان سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہ نہ سمجھتی تھی کہ اس پردے میں کچھ اور ہی مطلب ہے۔ ذرا آپ کو خیال نہیں آتا کہ خدا نے اپنے حبیب پاک کے صدقے میں میرا مزاج ایسا نہیں بنایا ہے، ورنہ کیا ممکن تھا کہ ان لوگوں میں رہ کے میں اچھوتی رہ جاتی؟ یا مجھے ایسا ہی منظور تھا تو اور کوئی مجھے نہیں جڑتا تھا، جو خانساماں موٹے پر ریجھنے جاتی۔ میں تو خدا کی قسم اس قدر بے پردگی کو بھی عذاب جان سمجھتی ہوں، اور خصوصاً تمہارے ہوتے اگر کسی غیر مرد سے صاحب کے یہاں بات کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو جان



کے دینے کو جی چاہتا ہے۔ پھر یہ سب جانتے بوجھتے آپ کی  
 ہی باتیں خالی از علت نہیں معلوم ہوتیں۔ آگے آپ کے دل  
 حال خدا کو معلوم ہے۔“

میں نے کہا ”کیا کروں، اس وقت بے اختیار طبیعت  
 سے جاتی رہی اور اس لڑکے کو گوشمالی کر بیٹھا، اس  
 سنگ صاحب کے طعنے پر اور بھی رنج ہوا :

ناز پرورد وصالم گوش بر حرفم مکن

آرزو بسیار باشد طبع محبوب مرا

اس نے کہا ”آئندہ آپ کو اختیار ہے“:

بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحان کو

تم سے کرے گا کون عزیز اپنی جان کو

میں نے کہا ”اب انشاء اللہ میری طرف سے سوائے تمہاری

مندی کے کوئی فعل نہ ہوگا۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میرزائی آگئی۔ گو میرے دل

سب گلا جاتا رہا تھا مگر بی جان کے طعنے سے سخت انقباض

اور کانٹا سا جگر میں کھٹکتا تھا۔ چونکہ طبیعت افسردہ تھی،

آسی وقت رخصت ہو کے چلا آیا۔

صبح کو دن بھر خیمے میں نہیں گیا اور دونوں وقت ٹالنے

لیے سوار ہو کے چلا آیا۔ رحم اللہ مجھے ڈھونڈھ بھی

۔ مغرب کے وقت پھر آیا اور کہا ”خانم صاحبہ نے دوبار

کو دکھلوا یا اور انتظار بھی کرتی رہیں، مگر آپ نہ آئے

چلیے۔“

میں نے کہا ”وہاں بی جان بھی ہے، میں کیسے آؤں۔“

شوخیوں ہم نے دکھائیں شب و صلت کیا کیا

وہ اگر من گئے دم دینے سے ہم روٹھ گئے



اگرچہ یہ کہلا بھیجا مگر دل بے قرار تھا ، کہیں جی نہ لگتا تھا ۔ کبھی اندر بنگلے میں جاتا تھا ، کبھی باہر آتا تھا دوسرے دن ظہر کے وقت رحم اللہ نے یہ رقعہ لا کر دیا :

### رقعہ

اے بو قلموں نگار گردت گردم !

ہر بار رنجش بے جا کا سبب نہیں کھلتا ۔ اگر کسی کے کہنے سننے پر آگئے ہیں تو خدا حافظ ۔ معلوم ہوتا ہے ابھی تک آپ کی طبیعت میں خامی باقی ہے کہ دشمنوں کی بات کا اعتبار کر لیتے ہیں ۔ بہر حال جو کچھ رنج ہو نکال ڈالیے ۔ اس کا بے اعتنائیاں اچھی نہیں ۔ اگر فیصلہ منظور ہے ، رات کو آئیے اور چھوٹی بیاض اپنے ساتھ لیتے آئیے ورنہ یاد رہے کہ اس ایک رنجش کے عوض میں بہت سی صلحیں آزاد کرنا پڑیں گی اور کچھ بنائے نہ بن پڑے گا ۔

کتنے ستم تمہارے ہیں کتنا ہے میرا صبر  
آج آؤ کچھ ہمارے تمہارے حساب ہو

رقعہ دیکھ کر میں رونے لگا اور دل میں نادم ہوا

مغرب کے بعد خیمے میں گیا ۔ میرزائی اور بی جان اور میری معشوقہ سب گانے میں مشغول تھیں ۔ میرزائی نے کہا ”خوب آپ اس وقت آگئے ، کسی غزل کو فرمائیے ، ہم حکم کی تعمیل کریں ۔“ میں بیٹھا ہی تھا کہ خانم جان نے یہ غزل شروع کی :



## حافظ

اے کہ با سلسلہ زلف دراز آمدہ  
 فرصت باد کہ دیوانہ نواز آمدہ  
 ساعتے ناز مفرما و بگرداں عادت  
 چون بہ پرسیدن ارباب نیاز آمدہ  
 پیش بالائے تو میرم چہ بصلح و چہ بجنگ  
 کہ بہ ہر حال برازندہ ناز آمدہ  
 آب و آتش ہم آمیختہ از لب لعل  
 چشم بد دور کہ بس شعبدہ باز آمدہ  
 آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب  
 کشتہ غمزہ خود را بہ نماز آمدہ  
 زہد من با تو چہ سنجد کہ یغماے دلہ  
 مست و آشفته بہ خلوت گہہ راز آمدہ  
 گفت حافظ دگرت خرقہ شراب آلود ست  
 مگر از مذہب این طائفہ باز آمدہ  
 اس کے بعد یہ چند شعر گائے :  
 دل ربایانہ دگر بر سر ناز آمدہ  
 از دل ما چہ بجا مانده کہ باز آمدہ  
 در بغل شیشہ و در دست قدح در بر چنگ  
 چشم بد دور کہ بسیار بساز آمدہ  
 مے بدہ ، لے بستان ، نامے بزن ، دست بکوب  
 بہ خرابات نہ از بہر نماز آمدہ  
 این قدر باش کہ من از سرجاں بر خیزم  
 چون بہ غمخالہ ام اے بندہ نواز آمدہ



پھر میں نے اس غزل کی فرمائش کی :

## غزل

شراب لعل کش و روے جبیناں ہیں  
 خلاف مذہب آناں جہاں ایناں ہیں  
 بہ زیر دلق سلمع کمند ہا دارند  
 دراز دستیٰ این کوتہ آستیناں ہیں  
 بہ خرمن در جہاں سر فرو نمی آرند  
 دماغ کبر گدایان و خوشہ چیناں ہیں  
 گرہ ز ابروے پُرجیں نمی کشاید یار  
 نیاز اہل دل و ناز نازنیناں ہیں  
 غبار خاطر حافظ برد صیقل عشق  
 صفایے ہمت پاکان و پاک دیناں ہیں

اس کے بعد خانم جان نے یہ غزل شروع کی اور میری  
 طرف دیکھ کر مسکرا دیا :

زاں یار دل نوازم شکرست با شکایت  
 گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت  
 بے مزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردم  
 یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت  
 چشمت بہ غمزہ مارا خون خورد و می پسندی  
 جان روا نہ باشد خون ریز را حمایت  
 ہر چند بردی آم روی از درت نتاجم  
 چور از جیب خوش تر کز مدعی رعایت



در این شب سیاہم گم گشت راه مقصود  
از گوشہ بروں آ اے کوکب ہدایت  
اے آفتاب خوباں مے سوزد اندرونم  
یک ساعت بگنجان در سایہ عنایت  
عشقت رسد بہ فریاد از خود بسان حافظ  
قرآن ز بر بخوانی در چارہ روایت

بعد اس کے میرزائی نے کہا ”بی خانم! تم عصر کے وقت  
چہ گنگنا رہی تھیں۔ اس غزل کی کیا اچھی لے تھی۔ میں  
کچھ کچھ سنا تھا، ذرا گانا تو سہی اسے۔“  
خانم جان نے کہا ”اچھا لیجیے“؛

### غزل حافظ

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من  
کو تہا کرد قصہ زہد دراز من  
مست ست یار و یاد حریفان نمی کند  
یادش بخیر ساقی مسکین نواز من  
یاراں بناز و نعمت و ما غرق محنتیم  
یارب بساز کار من اے کار ساز من  
گفتم بدلق زرق بپوشم نشان عشق  
غماز بود اشک و عیاں کرد راز من  
نقشے بر آب می زخم از گریہ حالیا  
تا کے شود قرین حقیقت مجاز من  
می ترسم از خرابی ایماں کہ می برد  
محراب ابرو تو حضور نیاز من



بر خود چوں شمع خندہ زناں گریہ میکنم  
تا با تو سنگدل چکند سوز و ساز من  
از آب دیدہ بر سر آتش نشستہ ام  
کو فاش کرد در ہمہ آفاق راز من  
آہستہ سے مجھ سے کہا ”یہ شعر سن رکھو“ :

حافظ ز گریہ سوخت ، بگو حالش اے صبا  
با شاہ دوست پرور دشمن گداز من

اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکتے جاتے تھے مگر اس طرح  
پی جاتی تھی کہ ایک قطرہ نہیں ٹپکنے پاتا تھا۔ بی جان سے اس  
نے کہا ”کوئی ہولی چھیڑو“ اور خود ہی یہ ہولی اڑانے لگی :

## ہولی

آیو رے پھاگن ماس اے سجنی  
ڈاروں گی رنگ بنائے بنائے  
ماروں گی گیندا اور کمکے  
سب دکھ دوں گی بھلائے بھلائے  
اور رنگ پیا روس رھو گے  
تو میں لوں گی منائے منائے

اس ہولی کا ایسا ساں بندھا اور فصل کی چیز کچھ اس  
طرح کا مزہ دے گئی کہ میں تو بیتاب ہو گیا۔ خانم جان سے  
ضبط نہ ہو سکا، مگر فوراً اٹھ کے صحن میں چلی گئی۔ میرزائی  
نے گانا موقوف کر کے کھانا مانگا۔ میں نے کہا ”میں بھی باہر  
انگنائی میں بیٹھتا ہوں۔“

اس نے کہا ”بہتر، لیکن میرے سر کی قسم چلے نہ جائیے گا۔“



کہانے پر خانم جان کو بھی بلایا ، اس نے کہا ”میں شام  
 کہہ چکی ہوں ، دن کا کھانا ہضم نہیں ہوا ہے ، رات کو نہ  
 باؤں گی ۔ پس آپ سب کھائیے ، مجھے بالکل بھوک نہیں ہے ۔“  
 میرزائی نے کہا ” بہتر ہے ، اگر سونے کے وقت تک  
 صحت صاف ہو جائے تو کھا لینا ۔ اور مجھ سے کہا دو تین مہینے  
 خانم کی بھوک بالکل جاتی رہی ہے ، خصوصاً چار پانچ روز  
 تو شاید دو تین وقت کچھ غذا کھائی ہو ۔“  
 میں نے کہا ” حکیم صاحب آئیں تو کوئی جو راش تجویز  
 دوں گا ۔“

غرض کہ میں اور وہ دو ہی رہ گئے ۔ اس وقت اس نے کہا  
 اب تم نے میرے دل کا حال معلوم کر لیا اور جو خواہش تھی وہ  
 پوری ہو گئی ، تو اس طرح کی سہمہل باتیں شروع کی ہیں ، جس سے  
 میری روح کو صدمہ ہے ، اور میری اوقات معینہ اور وضع میں  
 کمی آنے لگا ہے ۔ کیوں مجھے جلا کر خاک سیاہ کرتے ہو اور  
 میری بدنامی کے خواہاں ہو ۔ میری رسوائیاں کیا صرف میرے  
 لیے تک ختم ہو جائیں گی ؟ نہیں آپ بھی بچ نہ رہیں گے ۔“

اور بڑھ جائیں گی بد نامیاں رسوا ہو گے

آزماؤ نہ خدا کے لیے الفت میری

”تم کو میں نے اس وقت خاصاً اس لیے بلوایا ہے کہ  
 میرا قصور کیا ہے جو تم اس قدر برہم ہو رہے ہو اور یہ حرکتیں  
 کرتے ہو ۔“

چونکہ در حقیقت میرا ملال غیر واجبی اور محض میری  
 غلط فہمی کے باعث تھا ، میں سخت شرمندہ ہوا اور بہت ہی  
 عذرت کی ۔

اس نے کہا ”اب تو عذر کرتے ہو مگر افعال ایسے کرتے



ہو جس میں دونوں بد نام ہوں ، اور افشائے راز ہو جائے ۔  
نے اس وقت گاتے گاتے اسی لیے کہا تھا کہ یہ مصرع سن رکھو  
کر دی تو فاش در ہمہ آفاق راز من

میں برابر طرح دیتی چلی جا رہی ہوں ، اور طول کر  
مناسب نہیں سمجھتی ، ورنہ قدر عافیت معلوم ہو جاتی :

از حرف شکوہ طبع تو بر ہم نمی زخم

شمشیر می زنی تو و من دم نمی زخم

میں نے کہا ”طول تو تم نے دیا ، یعنی عذر تو گیا گذ  
ہوا ، اس کے بدلے غصہ آمیز باتیں مجھے کہلا بھیجی ، اس  
مجھے رنج ہوا۔“

جواب دیا ”صاحب عذر کس بات کا ۔ میں نے قصور  
کیا کیا تھا ۔ ایک لڑکے کو بہلا دینے کے واسطے میں نے مصلحت  
وہ بات کہہ دی ، تو آپ کو سمجھنا تھا کہ اس میں کچھ  
مصلحت ہوگی ۔ افسوس عہد نامے کی تم نے خوب تعمیل کی  
سچ پوچھو تو حق شکایت مجھے تھا ۔ میں نے تو جانے دیا ، اللہ  
آپ ہی خفا ہو گئے ، یہ نیا طریقہ دیکھا ۔ پھر دعویٰ یہ کہ  
عاشق ہیں ، مرتے ہیں ۔ واہ ! ایسی عاشقی کو سلام ہے :  
اللہ وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ  
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ  
میں نے کہا :

ہم بھی بدلے جو مزاج بت بدخو بدلا

سو رہے پھیر کے منہ اس نے جو پہلو بدلا

کیا کروں ، مجھ سے تحمل نہیں ہو سکتا ۔ بہر حال معاف کر دو :

میں اپنی حرکتوں سے شرمندہ ہوں ۔ میں اپنی عادت سے مجبور  
ہوں ، ذرا سی خلاف مزاج بات گوارہ نہیں ہوتی :



عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام  
 مجنوں کو بڑا کہتی ہے لیلی مرے آگے  
 اس نے ایک آہ بھری اور کہا ”دیکھو جلے ہوؤں کو جلانا  
 اچھا نہیں، جو خود ہی خاک میں ملا ہو، اس کو اور بھی  
 پامال کرنا کیا ضرور ہے۔“

میں اور یہ اضطراب خاطر  
 تم اور یہ شیوہ دلبری کا  
 کل میں بہت ہی درد ناک اور پریشان تھی، بے اختیار یہ  
 شعر پڑھتی تھی اور روتی تھی :

دل در خون طپیدہ دارم  
 جان بر لب رسیدہ دارم  
 گر رسیدی نمی روم از جا  
 خاطر از آرمیدہ دارم  
 از برائے نثار او واقف  
 جان بر لب رسیدہ دارم

نہایت شدت درد جگر ہے  
 مسیحا کچھ ہماری بھی خبر ہے

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفا دار اسد  
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھے  
 ایک بار پھر سمجھاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ آئندہ  
 تم کو اختیار ہے۔“



میں نے کہا ”بہ سر و چشم قبول ہے۔“

سر نہ پیچم ز جفایت بوفامے تو قسم  
 نہ کم شکوہ ز جورت بجفائے تو قسم  
 اینک اینک من و اینک سر و اینک شمشیر  
 راضیم ہر چہ تو خواہی برضامے تو قسم

القصبہ بعد بہت سی رد و بدل کے اس کا غصبہ جاتا رہا اور  
 بالکل صفائی ہو گئی :

لہ الحمد میان من و او صلح فتاد

حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند

اب میرزائی بھی آگئی اور کہنے لگی ”میں نے ایک شعر

بھی نہیں سنا ، اب ہمارا حصہ ہے۔“

میں نے کہا ”بہتر ہے ، لیجیے سنیے۔“

غرض آدھی رات کے قریب میں اٹھ کے چلا آیا۔ اور اس دن

سے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو لکھنے کے قابل ہو۔ البتہ  
 آپس کے رمز و کنائے یا باہم اختلاط اور خلوتوں کے لطف تحریر  
 سے خارج ہیں۔ صرف خاص خاص واقعات قلم بند کر دیے۔



## جدائی جدائی آہ جدائی

یہی تھا خیال ہمیں دم بدم کہ بہار دیکھیں گے اب کے ہم  
جو چھٹے اسیر قفس سے ہم تو سنا خزاں کے دن آگئے  
قریب ایک سال کے اعظم جی کا طائفہ منگ صاحب کی سرکار  
میں نوکر رہا۔ یکایک کیمپ کی بدلی کی خبر مشہور ہوئی کہ  
یورپ کو یہ فوج تبدیل ہوگی۔

چنانچہ ایک دن صاحب نے میرزائی سے کہا کہ اب میں فوج کے  
ساتھ کلکتے جاتا ہوں۔ اگر میری واپسی جلدی ہوئی تو میں پھر  
تمہارے طائفے کو بلوا لوں گا ورنہ خیر۔ اور مجھ سے دو تین  
دن کے بعد فرمایا کہ آج کی تاریخ تک ان کا حساب کر دو، اور  
ان کو موقوفی سنا دی جاوے، اور دو سو روپیہ خانم جان اور  
بی جان کو اور سو روپیہ میرزائی کو انعام دے دینا۔ میں نے  
جیسے ہی یہ حکم سنا، میرا کلیجا پھٹ گیا اور اوسان خطا  
ہو گئے۔ اسی طرح خانم جان کو صدمہ عظیم ہوا، بلکہ قریب  
بہ دیوانگی کی حالت ہو گئی۔

عصر کے وقت قنات کے پاس آ کے کہا کہ لیجیے زمانہ جدائی  
گیا۔ (مومن خان دہلوی)

لو سنا تم نے سفر ٹھہر گیا  
اپنا جانا پس ادھر ٹھہر گیا  
ملنے کے دھیان رہے جی ہی میں  
جی کے ارمان رہے جی ہی میں



سوچتے رہتے تھے تدبیر وصال  
 تھے ملاقات کے کیا کیا نہ خیال  
 یوں جدائی کی خبر کاہے کو تھی  
 دور گردوں پہ نظر کاہے کو تھی  
 کہیں کیا آہ جو کچھ سمجھے تھے  
 نہ ہوا آہ جو کچھ سمجھے تھے

میں نے کہا ”جس وقت سے صاحب نے مجھے حکم دیا ،  
 میرے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے ہیں اور کوئی تدبیر بن نہیں  
 پڑتی۔ یہ سن کے وہ چلی گئی۔“

میں شب کو خیمے میں گیا۔ وہاں کا عالم ہی اور تھا۔ یا تو  
 چہچہے قہقہے رہتے تھے یا آج سناٹے کا عالم۔ ہر شخص آداس ،  
 قیامت کی افسردگی چھائی ہوئی ، لوٹا ہوا کاروان یا شب ماتم کا  
 حال تھا۔ میں بھی پریشان بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب  
 کھانے کو اٹھ گئے۔ میری مہ جبین بیٹھی رہی اور بے اختیار رو کے  
 کہنے لگی ”آہ اسی روز سیاہ کے ہولوں نے میرا خون خشک  
 کر رکھا تھا اور ایک دن بھی میرا خوشی میں نہ گزرا ، آخر  
 وہی ہوا۔ خدایا اب کیا ہو گا۔“

عیش بے رنج کہاں غم کدہ عالم میں  
 نظر آتی ہے خوشی خندہ بیمار مجھے

میں نے کہا ”آسان کی نظر کہا گئی ، چند روزہ اتفاق پر ظالم  
 جل گیا۔ میں اپنی حالت قلب و جگر بیان نہیں کر سکتا۔“  
 فرمایا ”میں تو سنتی تھی کہ سال آئندہ فوج کی بدلی ہوگی ،  
 دفعتاً کہاں سے آفت نازل ہوگی ، ہمارے دشمن جان سب ہی  
 ہو گئے“ :



بڑھا دے شوق سے صیاد کچھ طول اسیری کو  
 مزے لوٹے ہیں ہم نے بھی بہت اگلی بہاروں میں  
 میں نے اس کی تسکین کے لیے کہا ”گھبرانے کی بات نہیں  
 ، غالباً خدا چاہے گا تو کوچ موقوف ہو جائے گا ؛ یا جو فوج  
 سری آئے گی ، اس میں کسی سردار کے پاس بی جان نوکر  
 جائے گی ، کوئی صورت یک جائی کی نکل آئے گی۔“  
 اس نے کہا ”یہ باتیں دم دھاگے کی اور کسی سے کہیے ،  
 سی ابلہ فریباں میں خوب جانتی ہوں۔ اگر تم کو کچھ محبت ہے  
 میری زندگی درکار ہے تو کوئی اور تدبیر سوچیے تاکہ مفارقت  
 نے نہ پاوے ورنہ مجھ سے ہاتھ اٹھاؤ۔“

میں نے کہا :

بہ ہر چہ حکم کنی بندہ ایم فرماں بر  
 بہ ہر چہ حکم شود چا کریم خدمت گار  
 الغرض چند روز اسی طرح قلق و اضطراب میں گزرے ۔  
 خورش اعظم جی وغیرہ نے یہ مشورہ کیا کہ اب یہاں دوسرے کیمپوں  
 کے انتظار میں پڑے رہنا مفت زیر بار ہونا ہے ۔ معلوم نہیں فوج  
 تبدیلہ کب آئے اور پھر کیا اتفاق ہو ۔ اس لیے مناسب ہے کہ  
 ہاں سے پیش از پیش چنار گڑھ کو ہولیر صاحب کے پاس چلیں ،  
 اس نے بی جان کا سر ڈھانکا تھا ، غالباً نوکر رکھ لے گا ۔  
 چنانچہ یہ صلاح پختہ ہوگئی اور کشتی کی تلاش ہونے لگی ۔  
 اسی دن رات کو اس نے مجھ سے کہا کہ کیوں صاحب ! اب کیا  
 کرنا چاہیے ۔ ہائے میں نے کیا سوچا تھا کیا ہوا ۔ جو صورت  
 ملاقات تم سے ہوئی تھی ، یہ میں نے اپنے دل کی زبردستیوں اور  
 یز تمام عمر کے نباہ کے لیے کی تھی ۔ اور میرا عہد تھا کہ میں  
 نادب بھی نہ کروں گی اور چند روزہ زندگی یوں ہی بسر کر دوں گی



یا اگر اعظم جی وغیرہ فعل حرام پر ایسا ہی مجبور کریں گے  
 اپنی جان دے دوں گی - خود کشی ایک نہایت ہی مذموم اور  
 نالائق حرکت ہے ، مگر اس بے حیائی سے میں اس کو ترجیح دیتی  
 وائے تقدیر کہ اب اور ہی معاملہ پیش آ گیا ، اور یہ ملاقات  
 میرے خیالات ایک افسانہ اور خواب کا سا واقعہ ہے - اب مجھے زیا  
 تر جان کا کھٹکا ہے ، اور بے شک یہ شدنی امر ہے ، اس لیے کہ  
 یہ ناخدا ترس لوگ وہاں جا کر خدا معلوم کیا سلوک کریں  
 ایک بار میں عیاری کر کے بچ گئی ، صرف بچنا ہی نہیں بلکہ تنخوا  
 بھی ان کی بسر اوقات کے موافق مقرر ہو گئی ، سب جگہ تو ایسا  
 نہیں ہو سکتا -

صیاد نہ ہر بار شکار برد

باشد کہ یکے روز پلنگش بدرد

یہ کہہ کر زار زار رونے لگی اور یہ شعر پڑھے :

دل نمی دانم کجا زین آستانم می کشد

مرگ می بینم کہ از ہجران عنانم می کشد

ہر سر مو برتم دارد خروش و درد و داغ

ہجر پیوند تو از رگ ہائے جانم می کشد

داشتم در سینہ پیکانے ، خدنگ کاردے

دست غیرت این زماں از استخوانم می کشد

قصہ وارستگی امروز پیش دل گذاشت

طرفہ حرفے ناامیدی از زبانم می کشد

میں نے کہا ”درحقیقت جو کچھ تم کو رنج ہو ، تھوڑا ہے

میری تو عقل ہی کچھ کام نہیں کرتی ، کیا کروں ، لیکن میر

تابع فرمان ہوں - جو کچھ کہو گی ضرور کروں گا“



تا دامن کفن نکشم زیر پائے خاک۔  
 باور مکن کہ دست ز دامن بدار مت  
 مجھے یقین ہے کہ جو معاملہ میرے اور تمہارے درمیان ہوا ہے ،  
 یہ خدا کی مرضی اور حکمت سے ہوا ہے ، انشا اللہ وہی انجام  
 خیر کرے گا۔“

فرمایا ، ”جی ہاں ، آپ یہ سوچتے ہیں اور مجھے تو یہ  
 معلوم ہوتا ہے۔“

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز  
 چہ تو ان کرد کہ سعی من و دل باطل بود  
 میں نے کہا ”پھر اگر تم کہو تو جان پر کھیل جاؤں اور  
 جس طرح ہو سکے تم کو لے کر الگ نکل چلوں۔“  
 اس نے کہا ”ایسی بات کی صلاح میں کیوں دینے لگی جس  
 میں جان و آبرو کا خوف ہو۔ ہاں اور کوئی تدبیر عاقلانہ سوچنا  
 چاہیے ، جو پیش بھی چلے اور اس مصیبت سے نجات بھی ملے ، ورنہ  
 تم تو خیر لیکن میری جان ضرور جائے گی۔“  
 میں نے کہا ”پھر تمہیں کچھ بتاؤ کہ میں اس کو پورا  
 کروں۔“

جواب دیا ”کہیں سے دو گھوڑے عمدہ بہم پہنچانا چاہیے  
 تاکہ قابو دیکھ کر یہاں سے چلے جائیں۔ یہ تو معلوم ہے  
 کہ جانبین کے ورثا کچھ ایسے صاحب دولت نہیں ہیں کہ

۱۔ ”ایسا غضب نہ کرنا۔ جانے دو ، اپنی طرف دیکھو۔“  
 (مترجم)

نہایت بے محل اور بھونڈا مذاق ہے۔ وہی مثل ہے:  
 ”کسی کا ل جلے اور ان کو دل لگی سوجھے“ (مرتب)

۲۔ مگر خود ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ (مترجم)



زمین و آسمان ایک کر دیں گے اور خواہ مخواہ دنیا جہاں  
چہاں ماریں گے ، بجز اس کے کہ کچھ دوڑیں دھوپیں گے ، آخر تھک  
کر بیٹھ رہیں گے ۔ گلبدن چلی گئی ، کسی نے کیا بنا لیا ، کانپو  
سے دو قدم بھی باہر جا کر تلاش نہ کیا ۔“

میں نے کہا ”بہت بہتر ہے ، مجھے کچھ عذر نہیں ہے ۔“  
چنانچہ چند روز خفیہ طور پر گھوڑوں کی تلاش کی لیکن خاطر  
خواہ نہ ملے ۔

جب سے صاحب نے طائفہ موقوف کر دیا تھا ، چند روز تک وہ  
لوگ بہت پریشان ہوئے اور افسردہ رہے ، مگر جس وقت سے وہ  
مشورہ قرار پا گیا ، مطمئن ہو گئے ۔ صرف کشتی کی تلاش ہوا کرتی  
تھی اور ہر روز میرزائی میرے دل بہلانے کے لیے گانے کا چرچا  
ضرور کرتی تھی اور اس طرح اشعار اور غزلیں فراقیہ گاتی تھی کہ  
کلیجے کے ٹکڑے ہو ہو جاتے تھے ۔ چنانچہ میرزائی کو قرینے  
سے معلوم ہو گیا تھا کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ضرور ہے ،  
اور چون کہ خود بھی بامذاق طبیعت رکھتی تھی ، میری  
خاطر داری انتہا سے زیادہ کرتی ۔ دو دو پہر رات گئے تک باتیں  
کیا کرتی ، اکثر پہلی صحبتوں کا تذکرہ اور آئندہ مفارقت کا رنج  
ظاہر کرتی تھی ۔ بی جان وغیرہ بھی اس کی ہم زبان ہو جاتی  
تھیں ، مگر میری گل عذار ایک حرف بھی منہ سے نہیں نکالتی  
تھی ، خاموش سنا کرتی ۔ کبھی کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی  
کہ تم کیسی باتیں کرتی ہو ، میر صاحب بڑے ہوشیار اور  
دور اندیش ہیں ۔ اسی دن کے خیال سے انہوں نے زیادہ ربط نہیں بڑھایا  
اور دور دور رہے ۔ ہر چند بی اماں آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا  
مگر انہوں نے اعتدال سے کام لیا ۔ اور درحقیقت یہ نہایت دانش مندی  
کی بات تھی ورنہ آج بے فائدہ رنج اٹھانا پڑتا ۔



نہیں ملتا ہے دل جب تک نہیں یہ دل سے ملتے ہیں  
 حسین ملتے تو ہیں لیکن بڑی مشکل سے ملتے ہیں  
 غرض اس طرح باتیں ہوا کرتی تھیں جس کی تفصیل فضول ہے۔  
 ایک رات میں اور وہ تنہا بیٹھے تھے۔ اس نے اپنا صندوقچہ  
 کھولا اور کہا ”اس میں جس قدر زیور ہیں اس کو میں اپنے  
 ساتھ ضرور لے چلوں گی۔“

میں نے کہا ”زیور کی وجہ سے یہ لوگ ضرور پیچھا  
 کریں گے۔“

اس نے کہا ”اچھا جس قدر ان لوگوں سے مجھے ملا ہے ،  
 وہ چھوڑ دوں گی ، باقی جو کچھ میری ماں کا متروکہ ہے اسے ضرور  
 لے لوں گی۔“

میں نے کہا ”وہ الگ کرو ، میں دیکھوں تو سہی۔“  
 جب علیحدہ کیا ، میں نے کہا ”اولاً تو کچھ بھی لینا نہ  
 چاہیے اور اگر تمہاری طبیعت نہیں مانتی تو صرف یہ الہاسی ہیکل  
 جڑاؤ آرسی ، موتیوں کی مالا ، زمرد کے پتے اور ثمرن ، چمپا کلی  
 مرصع اور دو انگوٹھیاں ہیرے کی ، ایک زمرد کے نگ کی  
 لے لو۔ میں نے بھی سو اشرفیاں اور دو سو روپے علیحدہ کر  
 ہیں۔ اس قدر مختصر چیزیں خورجی میں بھی کچھ نہ معلوم ہوں  
 گی ، گھوڑے پر ڈال لیں گے۔ مگر افسوس اس وقت تک گھوڑے  
 نہیں ملے۔“

اس نے کہا ”پھر آپ نے دوسری کون سی فکر کی ہے؟“  
 میں نے کہا ”میری رائے یہ ہے کہ اعظم جی نے بڑی  
 کشتی اولاک ڈھا کہ والی کرایہ کی ہے۔ میں بھی ایک چھوٹی  
 کشتی بلوار ، جو نہایت تیز رو ہوتی ہے۔ ٹھہرا لوں۔ جب ان  
 کی کشتی روانہ ہو جائے ، تین پہر کے بعد میں بھی اپنی کشتی



پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے چلوں ، بہت جلد تمہاری کشتی کے قریب پہنچ جاؤں گا اور الگ رہوں گا ۔ موقع دیکھ کے تم میری کشتی پر چلی آنا ، پھر تم کو یہاں لا کے کہیں چلے جائیں گے ۔ کشتی کے اوپر وہ چار خانے کی لنگی جس کو تم نے اکثر دیکھا ہے ، بہ طور نشان کے باندھ دوں گا ، اسے شناخت کر لینا ۔ میں لنگر کے وقت علیحدہ اپنی کشتی رکھوں گا اور دن کو نکلوں گا بھی نہیں ۔ اگر کشتی پر ان لوگوں کو تمہارا چلا جانا معلوم ہوگا تو عین حالت سفر میں ، اور وہ بھی دریا کا سفر ، کچھ تردد نہ کر سکیں گے اور خاموش ہو رہیں گے ۔ میں نے جاج مٹو میں ایک حویلی بھی اپنے دوست کے نام سے خالی کرا رکھی ہے ، اس میں اتر پڑنا ۔“

اس نے اس مشورے کو بہت پسند کیا مگر کہا ”در حالیکہ تم کو بھی منظور ہے ، ابھی سے مجھ کو جاج مٹو میں کیوں نہیں پہنچا دیتے ، اس قدر وقت کی کیا ضرورت ۔“

میں نے کہا ”اس میں افشائے راز ہو جائے تو قبل روانگی ایسا فعل کرنے سے تمہارے ساتھیوں کو تلاش کا موقع بہت ہے اور سفر میں دشوار ہے ، کیونکہ راستے سے کانپور واپس نہیں آ سکتے ، چنار گڑھ پہنچ کے کچھ فکر کریں گے ، وہ بے سود ہے ۔ آئندہ جو تمہاری مرضی ہو ، مجھے عذر نہیں ۔“

تڑپ کے ہم نے جو توڑیں بھی تیلیاں تو کیا

غلاف کی بھی کئی اک تہیں قفس پر ہیں

اس نے کہا ”بہتر ہے مگر جلد کشتی ٹھہرا لو ۔ وہ لوگ

جمعے کو سوار ہو جائیں گے ۔ ایسا نہ ہو تم کو کشتی نہ ملے ۔“

میں نے کہا ”نہیں ، میں آج کشتی مقرر کیے لیتا ہوں ۔“



انچہ سعی است من اندر طلبت بنیام

این قدر هست کہ تغیر قضا نتوان کرد

غرض کہ میں نے ایک بلوار ڈھا کہ والی تلاش کر کے دس ملاح ملازم کر لیے۔ گویا کشتی میری نوکر ہو گئی۔ کھانے پینے کی چیزیں، میوے، فواکہات وغیرہ بھی ایک پٹارے میں بند کر کے اس پر رکھوا دیے۔ ایک آدمی خاصۃً نوکر رکھ کے کشتی پر مقرر کر دیا۔ اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے سرکاری حساب و کتاب کی ترمیم و درستی میں مشغول ہوا۔ منگ صاحب نے فرمایا ”پانچ مہینے سے حساب نہیں ہوا ہے اور کوچ عنقریب درپیش ہے، اس لیے مہاجنوں کا چکوٹہ جلد کر دینا چاہیے۔“

میں اس حکم سے پریشان ہوا کہ مدت تھوڑی ہے اور حساب بہت ہے، کیسے فراغت ہوگی۔ تاہم میں نے خیال کیا کہ برادر عزیز حسین شاہ کو کاغذات دے کے میں جاج سٹو کے بہانے سے چلا جاؤں گا، مگر اتفاق سے میرزائی کو متواتر انگریزوں کے یہاں مجرے کرنا پڑے، جس سے آٹھ دس روز ان کی روانگی میں توقف ہو گیا۔ مجھے یہ فرصت مغتم تھی۔ میں نے جاد جلد سب کاغذات درست کر دیے اور حساب کا فیصلہ کر دیا۔ صاحب سے کاغذات دیکھنے کو عرض کیا۔ اس نے کہا ”دو دن مجھے فرصت نہیں ہے، پرسوں ضرور کاغذات دیکھوں گا۔ آج چند انگریزوں کو دعوت ہے، میرزائی کا مجرا بھی ہوگا۔“

میں بھی یہ سن کر خیمے میں گیا۔ میرزائی نے کہا ”آج ہمارا مجرا صاحب بہادر کے یہاں ہے۔ متواتر مجروں کی وجہ سے ہمارے جانے میں توقف ہو گیا۔ مگر پرسوں غرہ جہادی الثانی کو بروز جمعہ ضرور روانہ ہو جائیں گے۔ آپ سے جس قدر ملاقات اور یک جاٹی ہو، غنیمت ہے۔“



میں نے دیکھا کہ سب لوگ مجرمے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ٹہلتا ہوا صحن میں چلا گیا۔ خانم جان بھی جانے کی تیاری میں تھی۔ میں نے کہا ”خوب روز مجرمے ہو رہے ہیں، ہم کو خبر تک نہیں۔“

آپ گاتی ہیں تو سو جاتی ہے میری قسمت ساز کے پردے میں کہتا ہے فسانہ کوئی فرمایا ”ہاں میری بدبختی ابھی کیا کیا تماشے دکھائے گی۔“ میں نے کہا ”آج صبح باغ کی سیر کو بھی تو آپ گئی تھیں، خوب گلگشت کی، کاش میں بھی ہوتا۔“

اس نے کہا ”میں کوئی کام اپنی خوشی سے نہیں کرتی۔ جو کچھ کرتی ہوں، محض مجبوری اور مصلحت وقت کی اقتضا سے کرتی ہوں۔ آپ وہاں چلے آتے تو کیا مضائقہ تھا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ خود ہی نہ آئے۔ میں تو بغیر تمہارے پھولوں کو بھی خار سمجھتی ہوں اور کسی جگہ یہ دل شوریدہ نہیں بہلتا۔ باغ ہو، جنگل ہو، بیابان ہو، شہر ہو، ویرانہ ہو، کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا“ :

ان آنکھوں کو ہے اس رخ پر نور سے مطلب کوٹھے سے حسینوں کے نہ کچھ طور سے مطلب تھوڑی دیر کے بعد میرزائی اور بی جان وغیرہ آ گئیں۔ میرزائی نے کہا ”میر صاحب خدا جانے آپ نے کیا سحر کر دیا ہے کہ آپ کی مفارقت سخت ناگوار ہے، اور بہ خدا بہت ہی یاد آئیے گا۔ آپ کی جدائی تڑپائے گی۔ کم بخت فکر معاش کا خانہ خراب ہو ورنہ کاہے کو آپ سے جدا ہوتے۔“

بی جان نے بھی اس کی تائید کی کہ میں اپنے دل کا حال نہیں کہہ سکتی، کس قدر آپ کی مفارقت کے خیال سے بے چینی ہے۔“



اس پر میری مہ جال نے فرمایا ”ایسی منہ دیکھی باتیں مجھے  
 نہیں بھاتیں۔ اس قدر خوشامد کی کیا ضرورت ہے۔ ان کا دیکھنا  
 خدا اور رسول کا دیکھنا تو معاذ اللہ ہے نہیں کہ خواہ مخواہ یاد  
 ہی آئیں گے۔ یہ بھی کہنے کی بات ہے ورنہ یاد کرنا اور کسی  
 کا غیبت میں خیال رکھنا بڑی ہی مشکل بات ہے۔ بڑے بڑے  
 ثابت قدم اور دعوے داران محبت کے پاؤں ڈگ جاتے ہیں، ہماری  
 نگو کیا ہستی ہے۔ اور صاحب میں پوچھتی ہوں یاد آنے  
 کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں چند روز کی ملاقات تھی، وہ  
 جاتی رہی :

مل گئے گر کہیں تو یاد اللہ

اس کے لیے اس قدر مبالغوں کی حاجت نہیں۔“

میرزائی نے کہا ”تمہارا کیسا چڑچڑا مزاج ہے۔ یہ باتیں  
 اکل کھرے پن کی اچھی نہیں۔ میر صاحب کی خوبیاں اور ان کے  
 احسانات و مراعات ایسے نہیں ہیں کہ ہم کبھی بھول سکیں۔ سوا اس  
 کے ماشا اللہ خوش رو، خوش خلق، شیریں زبان بھی ہیں؛ پھر  
 ایسے آدمی بھولنے کے قابل ہیں؟“

ایک ہنگامہ محفل ہوں تو اس کو روؤں

سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

اس نے کہا ”تو یہ ان کی یاد نہ ہوئی، ان کے احسانات  
 اور اپنے فوائد کی وجہ سے یاد ہوئی۔ اس کا اعتبار نہیں، بلا وجہ  
 کوئی کسی کی یاد نہیں کرتا۔“

۱۔ مصنف نے یہ اپنی نسبت خود لکھا ہے۔ ایسے سادہ لوح،  
 مخلص شخص کی کسی کوتاہی یا نادانی کا مضحکہ اڑانا انسانی ہمدردی اور  
 سنجیدگی کے خلاف نہیں تو کیا ہے؟ (مرتب)



میں نے کہا ”صاحبو! کیوں تکرار کرتے ہو، میں تو محض نا چیز ہوں۔ مجھے درحقیقت کوئی کیوں یاد کرنے لگا۔ بی خانم جان! آپ خفا نہ ہوں، آپ مجھے بھولنے سے بھی یاد نہ کیجیے گا۔“

بولی ”مجھے آپ کو یاد کرنے سے کیا غرض۔ یہاں جو کچھ تھا محض زمانہ سازی اور انسانیت کے خیال سے تھا۔ مجھے خوشامد سے چڑھے، میں فضول باتیں بنانا نہیں جانتی۔“

بی خانم نے ہنس کے کہا ”میں جس وقت یاد کروں گی، بی خانم کو بھی یاد دلاؤں گی کہ تم بھی یاد کرو، تب تو شرما شرمی آپ کا ذکر کریں گی۔“

اس نے کہا ”جی ہاں آپ ضرور یاد دلائیں گا، اور میں ضرور یاد کروں گی۔“

اتنے میں مٹھو آیا کہ صاحب بلا تے ہیں۔ سب کے سب تیار ہونے لگے۔ میں بھی بنگلے میں آیا اور عطر دان وغیرہ درست کر کے بھجوا دیا۔ دو گھڑی کے بعد ہرکارہ آ کے مجھے بلا لے گیا۔ میں نے صاحب سے کہا کہ اس غزل کی فرمائش کیجیے :

دوش آگہی زیار سفر کردہ داد باد  
من نیز دل بباد دہم ہر چہ باد باد  
کارم بدار رسید کہ ہم راز خود کم  
ہر شام برق لامع و ہر بامداد باد  
امروز قدر پند عزیزان شناختم  
یا رب روان ناصح ما از تو شاد باد  
از دست رفتہ بود وجود ضعیف من  
صبحم بیوے وصل تو جاں باز داد باد



ہر شب ہزار غم بہ من آید ز عشق تو  
 یارم کہ دم بہ دم غم عشقت زیاد باد  
 حافظ نہاد نیک تو کاست برآورد  
 جاں ہا فدائے مردم نیکو نہاد باد

پھر خانم جان نے یہ غزل شروع کی :

### غزل

می زخم ہر نفس از دست فراق فریاد  
 آہ اگر نالہ زارم نہ رساند بتو باد  
 چکنم گر نہ نکم نالہ و فریاد و فغان  
 کز فراق تو چنانم کہ بد اندیش تو باد  
 روز و شب غصہ و خون می خورم و چوں نخورم  
 چوں ز دیدار تو دورم بہ چہ باشم دل شاد  
 تا تو از چشم من سوختہ دل دور شدی  
 اے بسا چشمہ خونیں کہ دل از دیدہ کشاد  
 از بن ہر مژہ صد قطرہ خون پیش چکید  
 چوں بر آرد دلم از دست فراق فریاد  
 حافظ بے دل شدہ مستغرق یادت شب و روز  
 تو ازیں بندہ دل خستہ بہ کلی آزاد

۱ - یہ غزل حافظ کی نہیں ہے - دیوان حافظ مطبوعہ ایران (ص ۴۵۲) میں اس کو الحاقی غزلیات میں دکھایا گیا ہے ، نیز بتایا گیا ہے کہ یہ سلمان ساوجی کی غزل ہے - اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے -

”در مقدمہ حافظ خلخالی اشارہ شدہ است“ (ادارہ)



پھر یہ غزل سنائی:

آسودگی کجا دل بے تاب من کجا  
شوق سفر کجا و قرار وطن کجا

چوں کہ یہ گانا اپنی حالت کا اظہار تھا اور بے انتہا درد بھرا  
ہوا تھا، مجلس کی حالت متغیر ہو گئی اور خود بھی خانم جان کے  
آنسو نکل پڑے۔ صاحب نے بہت تعریف کی اور دو اشرفیاں انعام  
دیں، اور ایک اور تازہ واردانگریز نے پانچ اشرفیاں بخشیش دیں  
اور جلسہ برخواست ہوا۔

صبح کو پنج شنبے کے دن میرزائی مع اپنے ہمراہیوں کے صاحب  
سے رخصت ہونے گئی۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ صاحب نے  
ان کے سامنے ہی مجھ سے کہا ”کل حاضری کے بعد میں کاغذ  
دیکھوں گا۔“

جب میں رات کو خیمے میں گیا، میرزائی نے کہا ”خوب ہوا  
آپ آگئے۔ آج سارا دن پریشانی اور افسردگی میں کٹا۔ اس وقت  
جی بہلانے کے لیے کچھ گانے کا ارادہ تھا۔“  
غرض کہ تھوڑی دیر کے بعد گانا شروع ہوا۔ میں نے اس  
غزل کی فرمائش کی:

غزل

سرو سینا تو بصحرا می روی  
نیک بدعہدی کہ بے ما می روی  
مے نوازی بندہ را مے کشی  
مے نشینی یک نفس یا می روی



روے پنہاں دارد از مردم پری  
 تو پری رو آشکارا می روی  
 اے تماشا گاہ عالم روے تو  
 تو کجا بہر تماشا می روی  
 دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست  
 تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

پھر خانم جان نے یہ غزل گائی :

### غزل

ما برفتم تو دانی و دل غمخور ما  
 بخت بد تا بہ کجا می برد آبشخور ما  
 بہ دعا آمدہ ام ہم بہ دعا باز روم  
 کہ وفا با تو قرین باد و خدا یاور ما  
 بسرت گر ہمہ عالم بسرم جمع شوند  
 نتوان برد ہوائے تو بروں از سر ما  
 فلک آوارہ بہر سو کندم می دانی  
 رشک می آیدش از صحبت جان پرور ما

۲ - یہ غزل بھی حافظ کی نہیں ہے - دیوان حافظ مذکور (ص ۴۴۶) میں اسے نزاری قہستانی کی غزل بتایا گیا ہے اور اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے :  
 ”مطلع این غزل در کتاب داستان داستان تالیف مرحوم میرزا علی اکبر علی خان قائم مقامے بنام نزاری قہستانی دیدہ شد ولی بشیوہ اونمی ماند نسخہ خطی آن کتاب نزد آقای شفیع قائم مقامی (محقق السلطان) خلف ایشانست“ (ادارہ)



درد مندیم و خبر می دهد از سوز دروں  
 دهن خشک و لب تشنه و چشم تر ما  
 گر همه خلق جہاں بر من و تو حیف خورند  
 بکشد از همه انصاف ستم داور ما  
 ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدارا حافظ  
 گو ہزارے سفرے کرد و برفت از برما  
 اس کے بعد میں نے اس کی فرمائش کی :

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت  
 جانم بسوختی و بجاں دوست دارمت

سب کی حالت قابل بیان نہیں ہے ، اور خانم جان! بھی جو  
 کھول کے زار زار روئی : پھر یہ دو غزلیں اس نے گائیں :

### غزل

فاش میگویم و از گفتہ خود دل شادم  
 بندہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم  
 طائر گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق  
 کہ دریں دام گہ حادثہ چون افتادم  
 من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود  
 آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

۱ - دراصل اس غزل کا مقطع خانم جان اور حسن شاہ دونوں کی پاکیزگی  
 محبت کے حسب حال تھا - اس لیے دونوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوئی ہو گی -

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضع تست

فی الجملہ میکنی و فرو می گزارمت (مراتب)



کوکب بخت مرا ہیچ منجم نہ شناخت  
یا رب از مادر گیتی بہ چہ طالع زادم  
اس شعر پر بے قرار ہو ہو گئی اور بار بار گاتی تھی اور  
اس شعر اھی کئی بار تکرار کیا :

گر خورد خون دلم مرد مک دیدہ سزاست  
کہ چرا دل بہ جگر گوشہ مردم دادم  
پاک کن چہرہ حافظ بہ سر زلف ز اشک  
ورنہ این سیل دسام ببرد بنیادم  
ایک آہ سرد کھینچی اور کہا ”ہائے میری مٹی خراب ہوئی ،  
ش میں پیدا ہی نہ ہوتی اور یہ غزل شروع کر دی :  
سباد کس چو من خستہ مبتلاے فراق  
کہ عمر من ہمہ بگذشت در بلاے فراق

پھر رات گئے گانا موقوف ہوا اور جو کچھ اس کی حالت تھی  
کس سے بیان ہو سکے - میرزائی نے کھانا منگوایا - میں بھی اٹھا -  
میرزائی نے کہا ”اب تو بہت ہی کم زمانہ یکجائی رہا ہے ،  
اس قدر جلد تو نہ جائیے - جو کچھ حاضر ہے ، یہیں کھا لیجیے -“  
میں نے کہا ”دن کا کھانا بے وقت کھایا تھا ، اب تک  
شستہ نہیں ہے ، ورنہ مجھے عذر نہ تھا -“

خانم جان نے کہا ”وقت بے وقت کی قید نہیں - آج کل کچھ  
علی العموم بھوک نہیں لگتی اور جو کچھ کھاؤ تو یوں ہی رکھا  
رہتا ہے - اس لیے میں بھی اکثر راتوں کو غرہ کر جاتی ہوں -“  
غرض اس حیلے سے اس نے اپنے کو اس وقت بچایا اور مجھ  
سے کہا کہ ہاں صاحب ! اس دم کاغذوں کا ذکر صاحب سے تھا -“  
میں نے کہا ”پانچ مہینے سے حساب سہاجنوں کا نہ ہوا تھا -  
صاحب کا تقاضا کئی دن سے کاغذ تیار کرنے کا تھا ؛ چنانچہ میں



نے بڑی محنت سے سب تیار کر دیے ، اسی کو اس نے کہا کہ کل دیکھوں گا ، مگر کل ہی تمہارا کوچ مقرر ہوا ہے ۔ اس اتفاق کو میں کیا کروں ، سخت حیران ہوں ۔ اب بجز اس کے چارہ نہیں کہ کاغذ تو صاحب کو سمجھا دوں جس میں لاقل دو روز صرف ہوں گے ۔ سہاجنوں کا تصیفہ بعد آنے کے بھی ہوسکتا ہے ۔ اور دو دن میں تمہاری کشتی بیس یا انتہا تیس کوس سے زائد نہ جائے گی ۔ اس میں کچھ بہ ظاہر تردد کی بات نہیں ہے ۔“

اس نے کہا ”آہ کہیں ایسا نہ ہو ، تم یہاں حساب و کتاب میں پھنس جاؤ اور وہاں میرا حساب و کتاب کراماً کاتبین ختم کر دیں ۔“

یہ کہہ کر زار زار رونے لگی :

صیاد نے کب ناوک بے داد لگایا

جب اڑنے کو ہم شاخ سے پر تول رہے تھے

میں نے کہا ”یہ بد شگونی اچھی نہیں ، اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو ۔ انشاء اللہ میں بہت جلد کاغذات سے فراغت کر کے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ۔“

اس نے کہا ”خدا کرے ایسا ہی ہو مگر مجھے آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے ۔ شاید میری زندگی کے دن پورے ہو گئے ۔ مجھے اپنی پھوٹی قسمت سے امید نہیں کہ چین سے عمر کٹے ۔ ہائے کم بخت تقدیر نے کیا کیا رنگ دکھائے ۔ اب یہ سب سے کڑا معرکہ ہے ، جس میں ناکامی ہی نظر آتی ہے :- رشید و طواط

طالعے باشندم کہ از پئے آب

گر روم سوئے بحر بر گردد

گر بدورخ روم پیئے آتش

آتش افسردہ تر ز یخ گردد



ور ز کوه التماس سنگ کنم  
سنگ نایاب چون گوهر گردد

آگ لگ جائے اگر چرخ سے باران مانگوں  
بہر حال جو کچھ مشورہ ہوا ہے ، اس کی تکمیل میں مستعدی  
کرنی چاہیے ، ورنہ تم کو خدا زندہ رکھے ، لیکن سن لو گے کہ  
مشت خاک خاک میں مل گئی ۔“  
میں نے کہا ”خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو ، میرا دل  
کڑھتا ہے ۔ خواہ مخواہ مایوس ہو جانا اور بے کار بات کو پہلے ہی  
سے اپنے دل میں جا لینا عقلمندی نہیں ہے ۔ ہم تو انشاء اللہ ساتھ  
رہیں گے ، اور خوشی سے زندگی بسر کریں گے ۔ بے فائدہ اپنی  
طبیعت خراب کرنے سے کیا حاصل ۔“  
غرض کہ صبح تک ہم سب یوں ہی باتیں چیتیں کرتے رہے ؛  
آخر صبح ہو گئی اور میں یہ شعر پڑھ کے روتا ہوا وہاں سے اٹھ  
کر چلا آیا :

صبح محشر شد و افسانہ زلفش باقی ست  
شب دریں قصہ بسر رفت و سخنہا ماندہ است

یوں ہی فسانہ شب غم تھا بہت طویل  
پھر اس پہ بیچ بیچ میں کچھ داستان دل  
میں نے صبح کی نماز سے فراغت کی ہی تھی کہ میرزائی  
وغیرہ میرے کمرے میں آگئیں اور مجھ سے کہا کہ آئیے میر صاحب  
رخصت ہو لیں :

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا  
جب کوئی معشوق سے مل کر جدا ہونے لگے



میں اس وقت عجب حال جگر گداز میں تھا۔ سب زار زار روتے تھے مگر خانم جان ایک سکوت کے عالم میں تھی۔ نہ آنکھ میں آنسو تھا، نہ لب پر کلام، مگر چہرے پر ہوائیاں اڑتی تھیں۔ ایک رنگ آتا، ایک جاتا تھا مگر واہ رے ضبط۔ اگر ہونٹ ہل جائے تو ہونٹ کاٹ کے پھینک دے، اگر زبان سے آف نکلے زباں کھچوا ڈالے۔ پیشانی پر شکن نہیں، چہرے پر میل نہیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میرزائی سے کہا ”اب تو جاتی ہو، دم بھر بیٹھ جاؤ۔“

دیدار غنیمت است بنشیں بنشیں  
اے یار غنیمت است بنشیں بنشیں  
این یک دو نفس کہ ما و تو یک جائیم  
بسیار غنیمت است بنشیں بنشیں

میں نے کہا ”تم لوگوں سے محبت اور ملاقات نہ کرنا چاہیے۔ گو میں نے عمداً کم ربط بڑھایا لیکن تمہارے اخلاق اور دل فریبیوں نے ایسا گرویدہ کر لیا کہ آج یہ جدائی سخت شاق ہے۔ اس وقت میں تم کو کس طرح رخصت کروں۔ میرا دل آمڈا آتا ہے اور کلیجا پھٹا جاتا ہے۔ خیر جاؤ صاحب خدا حافظ۔ اگر اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی اور وہی گذشتہ جلسے مہیا ہو جائیں گے۔“

جو جیتے رہیں گے تو مل جائیں گے  
وگرنہ کیے کی سزا پائیں گے

وہ سب اٹھ کے چلیں۔ میں نے تھوڑی دور مشایعت کی، آخر میرزائی نے میرے ہاتھ چومے اور ہر شخص کو میں نے بے انتہا رنج و تعب سے رخصت کیا۔ روتے روتے ہر ایک کی



ہچکیاں بندھی تھیں - کوئی اپنے ہوش میں نہ تھا ، مگر وہ متحمل مزاج ، وہ مستقل طبع ، وہ دل کو مسوس کے روکنے والی خانم جان اسی طرح مہبوت ، چپ ، سن ، گویا خود فراموشی کے عالم میں تھی - نہ روتی تھی ، نہ کوئی لفظ کہتی تھی ؛ ہاں جب سلام کر کے بڑھی تو وہ میرے نزدیک ہو کے نکلی اور یہ مصرع آہستہ سے پڑھا :

ما برفیتم و تو دانی و دل غم خور ما

جب سب میری آنکھوں سے آڑ ہو گئے ، میں وہیں کھڑا ہو کے چیخ چیخ کے رونے لگا - کبھی بنگلے کے اندر کبھی باہر آیا ، کبھی ان کے خیمے کی طرف دیکھ کر کلیجا تھام لیا - غرض ایک ساعت چین نہ تھا ، ایک جگہ آرام نہ تھا ، دیوانے کی طرح ادھر ادھر پھرتا تھا اور صدمہ شعر پڑھتا تھا -

جب بنگلے میں آیا ، اعظم جی اور محمد اعظم آئے ؛ سب کو میں نے رخصت کر دیا اور بے چین و مضطرب دیوانہ وار ادھر ادھر پھرنے لگا - کسی طرح صبر نہ آتا تھا اور خفقان کی سی حالت طاری تھی - اتنے میں وہ سگ جاناں ، وہ محرم راز طرفین ، وہ نامہ بر جانبین ، وہ ہد ہد خوش خبر ، وہ مژدہ گو کبوتر ، یعنی رحم اللہ آیا - اس کے دیکھتے ہی میری بری حالت ہوئی اور پھر زور زور سے رونے لگا - اس نے کہا ”آپ اس قدر کیوں بیتاب ہوتے ہیں ، خدا را چندے صبر کیجیے - خانم صاحبہ مجھ سے فرماتی تھیں کہ میر صاحب نے بھی چنار گڈھ آنے کا وعدہ کیا ہے -“

میں نے بہ ہزار خرابی سینے پر سل رکھ کے رخصت کیا - پھر دن چڑھے تک برا حال تھا - صاحب نے کاغذ مانگے - میں چار و ناچار حساب لے کے گیا اور ظہر تک دو مہینے کے کاغذات



سمجھا دے۔

مکان پر آ کے اعظم جی کی کشتی روانہ ہونے کی خبر منگوائی۔ معلوم ہوا کہ دو پہر کو چھوٹ گئی۔ دوسرے دن پھر کاغذ دکھا ہی رہا تھا کہ کسی انگریز کی چٹھی آئی اور صاحب نے کہا ”اب تو میں سوار ہوتا ہوں، کل صبح کو دیکھوں گا۔“ مجبوراً چپ ہو رہا اور تمام رات تڑپ کر گزاری۔

بے خودی ہے یہ رہ دوست میں چلنے کے لیے

راہ پاتے نہیں ہم گھر سے نکلنے کے لیے

تیسرے دن جی میں آیا کہ بغیر اطلاع کے چلا جاؤں مگر انجام کار سوچ کے اس قصد سے باز آیا اور صبر کر کے پھر دن چڑھے حساب لے کر گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ آج تمام کاغذ نکل جائیں مگر ممکن نہ ہوا۔ چوتھے روز سب حساب فہمی کرا دی اور سہاجنوں کا فیصلہ اور بقیہ کاغذات مرتب کرنے کے لیے پانچ چھ روز کی سہلت صاحب سے لے لی، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اتنے روز میں آپ کے پاس نہ آؤں گا۔ بلکہ جاج مٹو میں مکان پر رہ کر اطمینان سے کاغذ بناؤں گا۔

جب صاحب سے اجازت لے لی، بنگلے میں آیا۔ برادر عزیز محمد یوسف سے کہا کہ لالہ ٹیکام رام کے پاس حساب جانچنے جاتا ہوں، کئی سو روپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے، دو چار دن وہاں رہوں گا۔ تم یہ دو سو روپے لو، ضروری کاموں کو ملتوی نہ ہونے دینا۔ میں رات کو میر روشن علی کے یہاں رہ جایا کروں گا۔ اور حسن علی اپنے خدمت کو جو اس راز سے واقف تھا، سمجھا دیا کہ میں ضروری کام کو جاتا ہوں، کسی سے ذرا بھی ذکر نہ کرنا۔

یہ سب انتظام کر کے میں لالہ ٹیکام رام کے پاس گیا اور



کاغذات اُن کو دے کر جو کچھ کہنا تھا سمجھا دیا اور بہ اطمینان دو شنبہ کے بعد نماز ظہر کشتی پر سوار ہو گیا۔ سو اشرفیاں اپنے ساتھ لیں، باقی ضروریات پہلے ہی سے کشتی پر موجود تھیں۔ میں نے ملاحوں سے کہا کہ علاوہ تنخواہ کے پانچ روپے روزانہ انعام دوں گا، لیکن دو دن کی راہ ایک دن میں طے کرنی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے سخت محنت اور کوشش کرنی شروع کی، یہاں تک کہ تیسرے دن کڑا مانک پور پہنچ گئے۔

وہاں سے چلے تو دوراھا تھا۔ ملاحوں نے کہا ”اب جدھر حکم ہو کشتی لے چلیں۔“  
میں نے کہا ”جس طرف آمد و رفت کشتی کی معلوم ہوتی ہو، ادھر ہی لے چلو۔“

چنانچہ انہوں نے ایک راہ اختیار کی۔ میں نے ملاحوں کو دم لینے کی فرصت نہ دی۔ شبانہ روز چلے ہی جاتے تھے، تا آن کہ الہ آباد میں کشتی پہنچ گئی، تب ملاحوں نے کہا، ”کیسی ہی تیز رو اولاک کشتی ہوتی، ممکن نہ تھا اب تک یہاں پہنچ جاتی۔ وہ پنج شنبے کو روانہ ہوئی ہے جس کو سات روز ہوئے۔ ہم تین دن بعد چلے، یہاں تک تو آٹھ روز میں وہ کشتی نہیں پہنچ سکتی۔ معلوم ہوتا ہے دوراھے سے اس طرف چلے آئے اور وہ کشتی دوسری راہ سے گئی، ورنہ ممکن نہ تھا راستے میں ہم اسے پا نہ لیتے۔“

میں نے اپنے دل میں سوچا، یہ سچ کہتے ہیں۔ یہ سب تقدیر کی خوبی ہے اور اس قدر مجھے اضطراب و قلق ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ میں سکوت کے عالم میں سوچتا تھا کہ کیا کروں اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے :



نہیں ملتا ترے ناقے کا پتا اے لیلیٰ  
 چھان مارے ترے مجنوں نے بیاباں کتنے  
 آخر یہ صلاح ٹھہری کہ واپس چلنا چاہیے اور اس دوسرے  
 دوراھے پر کشتی لے چلیں :

سارباں دیکھ کہیں نجد کا جنگل تو نہیں  
 چلتے چلتے یہ رکا ناقہ لیلیٰ کیسے  
 چنانچہ وہاں سے پلٹ کے دوسری طرف کشتی روانہ ہوئی -  
 چونکہ ہوا مغربی نہ تھی ، کشتی بہت آہستہ چلتی تھی - کبھی  
 ملاح بانس سے چلاتے تھے ، کبھی رسی سے کھینچتے تھے - حاصل  
 یہ کہ تین دن تک برابر کشتی چلائی مگر اعظم جی کی کشتی  
 کا کہیں پتا نہ لگا -

ملاحوں نے کہا ”یہاں سے کانپور چالیس کوس ہے ، اب جس  
 طرف کہیے چلیں - آج دس روز ہوئے اس کشتی کو چلے ہوئے ،  
 اب اس کا ملنا غیر ممکن ہے -

میں نے کہا ”نہیں ابھی آگے چلو -“  
 چکر میں ہوں سوا کہیں کشتی نوح سے  
 اشکوں نے میرا حال کیا ہے تباہ کیا

اور پورب کی طرف کشتی روانہ ہوئی -

عصر کے وقت ایک مقام پر ملاحوں نے کشتی باندھ دی  
 تاکہ ذرا دم لیں - میں بھی کنارے پر اترا اور ٹہلنے لگا - وہاں  
 دوسری کشتیاں ٹھہرنے کا نشان معلوم ہوا - میں ایک طرف ٹہلتا  
 ہوا چلا گیا - وہاں چند لکڑیوں پر ایک کاغذ بندھا ہوا دیکھا -  
 میں نے لپک کے اس کو کھولا تو اپنی جان جاناں کا خط پہچانا ،  
 چوم چاٹ کے پڑھنے لگا - اس میں لکھا تھا :



## رقعہ

آنجا کہ توئی من آمدن نہ توام  
وین جا کہ منم تو خود نیائی دامن  
میرے تغافل شعار سلامت !

جس دن سے میری کشتی گرداب مہاجرت میں مبتلا ہوئی  
اور میں آپ سے جدا ہو کے روانہ ہوئی ، ہر وقت اور ہر ساعت  
آپ کا انتظار ہے ۔ آنکھیں راستہ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں ۔  
مڑ مڑ کے دیکھنے سے گردن ٹوٹ گئی ۔ دن ہے تو دریا کی طرف  
لکٹکی لگی ہے ، رات ہے تو ادھر آنکھیں اٹھی ہوئی ہیں ۔ کلیجے  
میں پنکھے لگے ہیں ، دل بانسو اچھلتا ہے ، طبیعت گہراتی ہے ،  
کسی جگہ چین نہیں ۔ دریا کے ہلکورے ، کشتی کے جھونکے جدا  
پہرائے دیتے ہیں :

بدقت بحر غم سے کشتیؑ جان حزیں نکلی  
کبھی بیٹھی کبھی اچھلی کہیں ڈوبی کہیں نکلی  
آج چھ دن ہوئے ، راہ دیکھ رہی ہوں مگر آپ نہ آئے پر نہ  
نئے ۔ تمہاری کشتی عید کا چاند ہو گئی ۔ آنکھیں پہاڑ پہاڑ کے  
دیکھتی ہوں مگر کوسوں منزلوں پتا ہی نہیں ہے ۔ معلوم ہوتا  
ہے کہ میری کشتی حیات طوفانی ہوئی ۔ آپ اس خانہ خراب  
حساب و کتاب کے چکر میں ایسے پڑے کہ اپنی آزادی کا جہاز  
سنگر انداز کر دیا ۔ سچ ہے ”تا خدا نخواهد ناخدا چہ کند“ :

کشتی شکست گانیم اے باد شرط خیز  
باشد کہ باز بینم آن یار آشنا را  
اب بجز رونے اور بلکنے کے کوئی کام مجھے نہیں ہے ، نہ  
کسی سے بات ہے نہ چیت ہے ؛ ہاں لب ہلتے ہیں تو آہ نکلتی



ہے - اشعار فراقیہ پڑھتی ہوں :

اے کہ جان و دل من گشتہ پریشان بے تو  
زود باز آے کہ ہر یک شدہ حیراں بے تو  
وعدہ وصل نہ کردی بہ من خستہ وفا  
جان من چند کشد محنت ہجراں بے تو

نہ انیسے نہ ہمدے دارم  
دل کیجائے عجب غمے دارم  
گفتہ کیستے چہ داری چشم  
در غمت چشم بر نمے دارم  
گرچہ سست ست عہد او واقف  
من بہ او ربط محکمے دارم

اور غضب یہ ہے کہ ذات شریف وہاں دوستوں میں سرگرم  
اختلاط ہوں گے - ملاقاتیں ہوتی ہوں گی ، دید و باز دید کا لطف  
آتا ہوگا ؛ اسی سبب سے سفر میں درنگ واقع ہے -  
میں با دو چشم گریاں بنشستہ در فراق  
تو شادمان و خرم با دیگران نشستہ  
میں یہاں آتش مہاجرت میں پھکی جاتی ہوں - کلیجا کباب  
ہوگیا ، دل خاک سیاہ ہوگیا ، آنکھیں دریا کے سوتے ہیں - ہائے  
غضب اور آپ کو خبر نہیں - فقط

از کہ نالد سپند سوختہ ام  
نالہ خاموش کردہ است مرا  
بیدل از یاد خویش ہم رقم  
کہ فراموش کردہ است مرا

بہ این ہمہ یہ لذت فراق اور صدمات مہاجرت بھی میں خوشی



محنت کی ، مگر افسوس کہ آپ کا مطلب حاصل نہ ہوا ، ہماری محنت برباد ہوئی ۔ اب آپ کا جو حکم ہو ، ہم حاضر ہیں ، مگر بظاہر اب مقصود حاصل ہونا دشوار ہے ۔ خدا جانے وہ کشتی کدھر گئی اور کہاں پہنچی ہو گی :

دریائے الفت میں ملے کیا جانے آگے کیا بلا

چین جبین یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس

میں نے کہا ” تم سچ کہتے ہو ۔ معلوم نہیں میں کس منحوس ساعت میں سوار ہوا تھا کہ آج آٹھ دن ہوئے ، سرگرداں پھر رہا ہوں مگر کچھ حاصل نہ ہوا ۔“

پھر میں نے جی میں کہا ، اگر آگے چلتا ہوں اس کشتی کا ملنا دشوار ہے ۔ اگر چنار گڑھ کے قریب پہنچ کے ملی بھی تو خدا معلوم وہاں موقع ہاتھ آئے یا نہ آئے ۔ اگر وہاں ٹھہر جاؤں تو بھی کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آتی کہ اس کو پاؤں ، پھر وہاں سے بے نیل مرام پلٹنے میں رنج کے علاوہ بیس دن کے بعد کانپور پہنچنا ہوگا جس سے اور قباحتوں کا اندیشہ ہے ۔ کاش میں ساتھ ہی ساتھ روانہ ہوتا ، اب تک کب کا مطلب حاصل ہو جاتا ۔ اب تو یہ باتیں خواب و خیال ہیں ۔ اب بجز رسوائی اور ناکامی کے کچھ فائدہ نہیں ہے ۔ بالفعل صبر کرنا چاہیے اور مجبوراً کانپور پلٹ جاؤں تاکہ وہاں پہنچ کر جو کچھ معاملات باقی ہیں ، اس کا فیصلہ کر کے پھر اطمینان سے اپنی جاناں کی تلاش میں نکلوں ، اس وقت جو ہو سب گوارا ہے ۔ چنار گڑھ میں آ کے جس طرح ممکن ہو گا ، اس کو نکال لاؤں گا ۔“

یہ خیال کر کے میں نے ملاحوں کو کانپور کی طرف چلنے

کا حکم دیا :



دلہم بردی و در بند جفا بودی ندانستم  
 نمودی مہر لیکن بے وفا بودی ندانستم  
 غلط بود این کہ مے گفتم ترا آرام جان خود  
 تو خود از بہر جان من قضا بودی ندانستم

افسوس کہ کار مشکل افتاد  
 قتلہ بہ رضائے قاتل افتاد  
 مگر میں ہر حال میں آپ کی سلامتی اور عافیت کی خواہاں ہوں  
 آن لالہ رو کہ سوخت دل من بداغ او  
 روشن بود الہی ہمیشہ چراغ او  
 زیادہ کیا لکھوں - مرقوم پنجشنبہ ، ہفتم جادی الثانی

اس خط کو دیکھ کے میں روتا ہوا کشتی پر چلا آیا اور  
 بے قرار ہو کے چیخنے لگا - میرا خدمت گار یہ حال دیکھ  
 گہرایا اور سمجھانے لگا - مگر میری تپش دل کو ترقی تھی اور  
 کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی - اس یار گم شدہ کی طرف مخاطب ہو  
 فریاد کرتا تھا اور یہ اشعار پڑھتا تھا :

نہ قاصدے نہ صباے نہ مرغ نامہ برے  
 کسے زبے کسئی ما نمے برد خبرے

نہ جان را وصل دل خواہے نہ دل را قوت آہے  
 من حسرت نصیب از زندگانی تہمتے دارم  
 آخر میں نے ملاحوں سے کہا ”اب کیا صلاح ہے ، کس  
 طرف جایا چاہیے؟“

انہوں نے کہا ”حضور ہم نے کشتی چلانے میں جی تو



یہ صفحہ دو دفعہ پلٹا جائے  
وزیر اعلیٰ

ت کی ، مگر افسوس کہ آپ کا مطلب حاصل نہ ہوا ، ہماری  
ت برباد ہوئی ۔ اب آپ کا جو حکم ہو ، ہم حاضر ہیں ، مگر  
ہر اب مقصود حاصل ہونا دشوار ہے ۔ خدا جانے وہ کشتی  
ہر گئی اور کہاں پہنچی ہو گی :

دریائے الفت میں ملے کیا جانے آگے کیا بلا  
چین جبین یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس

میں نے کہا ” تم سچ کہتے ہو ۔ معلوم نہیں میں کس  
عوس ساعت میں سوار ہوا تھا کہ آج آٹھ دن ہوئے ، سرگرداں  
رہا ہوں مگر کچھ حاصل نہ ہوا ۔“

پھر میں نے جی میں کہا ، اگر آگے چلتا ہوں اس کشتی کا  
دشوار ہے ۔ اگر چنار گڑھ کے قریب پہنچ کے ملی بھی تو  
معلوم وہاں موقع ہاتھ آئے یا نہ آئے ۔ اگر وہاں ٹھہر جاؤں  
بھی کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آتی کہ اس کو پاؤں ، پھر وہاں  
بے نیل مرام پلٹنے میں رنج کے علاوہ بیس دن کے بعد کانپور  
چنا ہوگا جس سے اور قباحتوں کا اندیشہ ہے ۔ کاش میں ساتھ  
ساتھ روانہ ہوتا ، اب تک کب کا مطلب حاصل ہو جاتا ۔ اب  
یہ باتیں خواب و خیال ہیں ۔ اب بجز رسوائی اور ناکامی کے  
بہ فائدہ نہیں ہے ۔ بالفعل صبر کرنا چاہیے اور مجبوراً کانپور  
جاؤں تاکہ وہاں پہنچ کر جو کچھ معاملات باقی ہیں ، اس  
فیصلہ کر کے پھر اطمینان سے اپنی جاناں کی تلاش میں نکلوں ،  
وقت جو ہو سب گوارا ہے ۔ چنار گڑھ میں آ کے جس طرح  
ن ہو گا ، اس کو نکال لاؤں گا ۔“

یہ خیال کر کے میں نے ملاحوں کو کانپور کی طرف چلنے  
حکم دیا :



دلہم بردی و در بند جفا بودی ندانستم  
نمودی مہر لیکن بے وفا بودی ندانستم  
غلط بود این کہ سے گفتم ترا آرام جان خود  
تو خود از بہر جان من قضا بودی ندانستم

افسوس کہ کار مشکل افتاد  
قتلم بہ رضائے قاتل افتاد  
مگر میں ہر حال میں آپ کی سلامتی اور عافیت کی خواہاں ہوں :  
آن لالہ رو کہ سوخت دل من بداغ او  
روشن بود الہی ہمیشہ چراغ او  
زیادہ کیا لکھوں - مرقوم پنجشنبہ ، ہفتم جہادی الثانی

اس خط کو دیکھ کے میں روتا ہوا کشتی پر چلا آیا اور  
بے قرار ہو کے چیخنے لگا - میرا خدمت گار یہ حال دیکھ کے  
گھبرایا اور سمجھانے لگا - مگر میری تپش دل کو ترقی تھی اور  
کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی - اس یار گم شدہ کی طرف مخاطب ہو کے  
فریاد کرتا تھا اور یہ اشعار پڑھتا تھا :

نہ قاصدے نہ صباے نہ مرغ نامہ برے  
کسے زبے کسئی ما نمے برد خبرے

نہ جاں را وصل دل خواہے نہ دل را قوت آہے  
من حسرت نصیب از زندگانی تہمتے دارم  
آخر میں نے ملاحوں سے کہا ”اب کیا صلاح ہے ، کس  
طرف جایا چاہیے ؟“

انہوں نے کہا ”حضور ہم نے کشتی چلانے میں جی توڑ



وتا ہے شاید کسی دوسری طرف وہ لوگ چلے گئے۔  
 صاحب نے اسی وقت دوسری چٹھی روانہ کی۔ جواب چھٹے  
 دن آیا۔ لکھا تھا ”اعظم جی کا طائفہ یہاں پہنچا اور میں نے سو روپے  
 ہوار پر بی جان کو نوکر رکھ لیا تھا، لیکن اعظم جی کی لڑکی  
 سو یہاں کی آب و ہوا ناموافق ہوئی اور بیمار ہو گئی، اس لیے  
 یہ سب پریشان ہو کر اس کے علاج کے لیے پندرہ دن ہوئے کہ  
 کھنو چلے گئے۔

میں نے جیسے یہ سنا سخت گھبرا گیا کہ خدا خیر کرے۔  
 ہائے میری جاناں کی طبیعت ناساز ہو گئی، میری کم بختیوں اور  
 ناکامیوں نے یہ دن دکھایا۔ اس کو صدمہ فراق نے بیمار کر دیا۔  
 اب جس طرح ممکن ہو، وہاں جانا چاہیے، مگر پہلے خط سے  
 خیر و عافیت دریافت کر لوں۔ چنانچہ اس پریشانی اور فکر میں تھا  
 کہ کسی آدمی کو لکھنؤ روانہ کروں مگر کچھ بن نہ پڑتا تھا۔  
 دن رات بے کلی اور پریشانی میں گزرتی تھی۔ بار بار رویا کرتا تھا  
 اور اشعار درد انگیز فراقیہ پڑھتا تھا۔

غرض کہ ایک ہرکارہ تلاش کر کے قصد کیا کہ کل بروز شنبہ  
 روانہ کر دوں گا۔ یکایک عصر کے وقت ایک آدمی میرزائی  
 کا سرسلہ مع عرضی کے صاحب کے پاس پہنچا اور ایک خط میرے  
 نانا صاحب کے نام بھی لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ راستے سے  
 خانم جان کا مزاج ناساز ہو گیا۔ جب ہم چنار گڑھ پہنچے، ہولیر  
 صاحب کی سرکار میں بی جان نوکر ہو گئی اور خانم جان کا علاج  
 شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بہت سا علاج ہوا، کئی مسہل  
 ہوئے، تنقیہ دیے گئے، متواتر نسخے تبدیل کیے گئے، لیکن چنار گڑھ  
 کی آب و ہوا زیادہ تر اس کے مخالف ہوئی، جس سے مرض میں اشتداد  
 اور ضعف بہ شدت ہو گیا۔



## جواب مرگی

ڈھیر دیکھے گلرخوں کی خاک کے

واہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے !

میں نے اسی فکر و تردد میں ایک دن صاحب سے کہا ”معلوم نہیں اعظم جی کا طائفہ ہولیر صاحب کے پاس چنار گڑھ میں پہنچا یا نہیں۔“

اس نے کہا ”پرسوں میں نے ہولیر صاحب کو چٹھی لکھی ہے ، جواب آئے گا تو یہ حال بھی معلوم ہو جائے گا۔“  
میں نے اپنے دل میں شکر کیا کہ قاصد بھیجنے کی فکر سے نجات ملی۔

اٹھ دن گزر گئے مگر کچھ جواب نہ ملا۔ میں نے صاحب کو پھر یاد دہانی کی۔ فرمایا کہ ہاں اب تک جواب نہیں آیا۔ میں آج اور چٹھی لکھتا ہوں ، اس کا جواب جلد آئے گا۔  
میں نے کہا ”میرزائی وغیرہ کا حال بھی دریافت کیجیے گا۔“  
صاحب نے کہا ”تم کو ان سے کچھ مطلب ہے؟“  
میں نے کہا ”کچھ نہیں ، میرزائی نے چلتے وقت وعدہ کیا تھا کہ چنار گڑھ سے خط لکھوں گی اور صاحب کو بھی عرضی بھیجوں گی مگر اب تک نہ خط آیا ، نہ عرضی : اس سے خیال

۱۔ جس کو قاصد بھیجنا دشوار ہے ، وہ عاشقی کا دعویٰ دار ہو ، غضب نہیں تو اور کیا ہے۔ (مترجم)  
اس کا سبب ہمارے ہیرو کی نا تجربہ کاری اور بزدلی تھی مگر زیادہ تر بخت کی نارسائی۔ (مرتب)

میرزاخان نامی بہو نے بھی تو کاشفا بہو تھے۔



ہوتا ہے شاید کسی دوسری طرف وہ لوگ چلے گئے۔  
صاحب نے اسی وقت دوسری چٹھی روانہ کی۔ جواب چھٹے  
دن آیا۔ لکھا تھا ”اعظم جی کا طائفہ یہاں پہنچا اور میں نے سو روپے  
ماہوار پر بی جان کو نوکر رکھ لیا تھا، لیکن اعظم جی کی لڑکی  
کو یہاں کی آب و ہوا ناموافق ہوئی اور بیمار ہو گئی، اس لیے  
وہ سب پریشان ہو کر اس کے علاج کے لیے پندرہ دن ہوئے کہ  
لکھنو چلے گئے۔

میں نے جیسے یہ سنا سخت گھبرا گیا کہ خدا خیر کرے۔  
ہائے میری جاناں کی طبیعت ناساز ہو گئی، میری کم بختیوں اور  
ناکامیوں نے یہ دن دکھایا۔ اس کو صدمہ فراق نے بیمار کر دیا۔  
اب جس طرح ممکن ہو، وہاں جانا چاہیے، مگر پہلے خط سے  
خیر و عافیت دریافت کر لوں۔ چنانچہ اس پریشانی اور فکر میں تھا  
کہ کسی آدمی کو لکھنو روانہ کروں مگر کچھ بن نہ پڑتا تھا۔  
دن رات بے کلی اور پریشانی میں گزرتی تھی۔ بار بار رویا کرتا تھا  
اور اشعار درد انگیز فراقیہ پڑھتا تھا۔

غرض کہ ایک ہرکارہ تلاش کر کے قصد کیا کہ کل بروز شنبہ  
روانہ کر دوں گا۔ یکایک عصر کے وقت ایک آدمی میرزائی  
کا مرسلہ مع عرضی کے صاحب کے پاس پہنچا اور ایک خط میرے  
نانا صاحب کے نام بھی لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ راستے سے  
خانم جان کا مزاج ناساز ہو گیا۔ جب ہم چنار گڑھ پہنچے، ہولیر  
صاحب کی سرکار میں بی جان نوکر ہو گئی اور خانم جان کا علاج  
شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بہت سا علاج ہوا، کئی مسہل  
ہوئے، تنقیہ دیے گئے، متواتر نسخے تبدیل کیے گئے، لیکن چنار گڑھ  
کی آب و ہوا زیادہ تر اس کے مخالف ہوئی، جس سے مرض میں اشتداد  
اور ضعف بہ شدت ہو گیا۔



مطلب

## جواب مرگی

ڈھیر دیکھے گلرخوں کی خاک کے

واہ کیا نیرنگ ہیں افلاک کے!

میں نے اسی فکر و تردد میں ایک دن صاحب سے کہا ”معلو  
نہیں اعظم جی کا طائفہ ہولیر صاحب کے پاس چنار گڑھ ما  
پہنچا یا نہیں۔“

اس نے کہا ”پرسوں میں نے ہولیر صاحب کو چٹھی لکھ  
ہے ، جواب آئے گا تو یہ حال بھی معلوم ہو جائے گا۔“  
میں نے اپنے دل میں شکر کیا کہ قاصد بھیجنے کی فکر  
نجات ملی۔

آٹھ دن گزر گئے مگر کچھ جواب نہ ملا۔ میں نے صاحب  
کو پھر یاد دہانی کی۔ فرمایا کہ ہاں اب تک جواب نہیں آیا  
میں آج اور چٹھی لکھتا ہوں ، اس کا جواب جلد آئے گا۔  
میں نے کہا ”میرزائی وغیرہ کا حال بھی دریافت کیجیے گا۔“  
صاحب نے کہا ”تم کو ان سے کچھ مطلب ہے؟“  
میں نے کہا ”کچھ نہیں ، میرزائی نے چلتے وقت وعدہ  
تھا کہ چنار گڑھ سے خط لکھوں گی اور صاحب کو بھی عرض  
بھیجوں گی مگر اب تک نہ خط آیا ، نہ عرضی : اس سے خیر

---

۱۔ جس کو قاصد بھیجنا دشوار ہے ، وہ عاشقی کا دعویٰ دار ہو  
غضب نہیں تو اور کیا ہے۔ (مترجم)  
اس کا سبب ہمارے ہیرو کی نا تجربہ کاری اور بزدلی تھی مگر زیادہ  
بخت کی نارسائی۔ (مرتب)



چنانچہ حروف و الفاظ کی کشش میں لغزش پیدا تھی۔ میں روتا ہوا علیحدہ چلا گیا اور اس کو پڑھنے لگا۔ اس کی نقل یہ ہے :

### رقعہ

مدتے شد کہ رہ مہر و وفا مسدود است

نہ کسے می رود آنجا نہ کسے می آید

تغافل شعار دلدار! میرے محرم راز سلامت!

بعد سلام کے معلوم ہو کہ جس دن سے میں کشتی پر سوار ہو کر پورب کو چلی، آپ کے آنے کی حسب وعدہ ہر وقت منتظر اور نگران رہتی تھی کہ اب آئے، اب آئے۔ مگر حیف کہ آپ نہ آئے اور نہ کچھ خبر ملی۔ ہائے ہائے :

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی

بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

یہ تو خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ نے بے پروائی کی ہوگی، یا مجھے بھول گئے ہوں۔ البتہ میری بدقسمتی اور گردش طالع نے آپ کو روک رکھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ نے غالباً بہت تردد و سعی کی ہوگی اور حتی الامکان کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہوگا، مگر میری بدقسمتی اور سیاہ بختی کا کیا علاج۔ میرا خیال ہے کہ اسی حساب و کتاب نے جو میرے سامنے پیش تھا، آپ کو فرصت نہ دی۔ ہائے میں اپنی حالت زار کا بیان کیا کروں :

ہو رہے ہیں ظلم ہفت افلاک کے

استحان ہیں ایک مشیت خاک کے



خیر یا قسمت یا نصیب ! میں نے دو رقعے اپنے کرب انتظار  
اور حسرت و ملال میں لکھ کے دریا کے کنارے لکڑیوں پر باندھ  
دیے تھے کہ شاید آپ میری تلاش میں آئیں تو ان کو دیکھ  
لیں۔ خدا جانے کیا روداد پیش آئی کہ اب تک نہ آپ خود  
آئے، نہ کوئی خط پتر آیا۔ یہ ستم گریاں اور جفا کاریاں یاد رہیں :

دے داد اے فلک دل حسرت نصیب کی

ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے

میری حالت یہ ہے کہ روز بروز درد جگر میں ترقی ہے۔ مرض  
اپنا کام کر رہا ہے، طاقت طاق ہے، غم ہجراں کھائے لیتا  
ہے، ہڈیاں تک پھنکی جاتی ہیں :

نبضیں چھٹیں، بخار چڑھا، درد سر ہوا

کیا کیا نہ ہجر میں ترے بیمار پر ہوا

اب زیست کی امید نہیں، نقارہ کوچ برابر بچ رہا ہے۔  
عالم جاوداں کا سفر در پیش ہے، کسی کروٹ کسی پہلو چین  
نہیں۔ نہ کوئی غم گسار ہے، نہ ہمدرد۔ نہ یار ہے، نہ مددگار۔  
آہ ماجرائے دل زار کس سے کہوں۔ درد جگر کی ٹیسیں اس غضب  
کی ہیں کہ کلیجا نکلا پڑتا ہے۔ مگر آف نہیں نکال سکتی :

کرنی پڑیں فراق میں تیہارداریاں

ہاتھوں میں ساری رات دل ناصبور تھا

خون جگر پیتی ہوں، لخت جگر غذا ہے، دوا کا استعمال ہو

رہا ہے۔ ہائے کسے خبر کہ مرض کیا ہے، بیماری عشق کی دوا کیا  
ہے اور علاج کیسا؟ درد فرقت ایک جگہ ہو تو بتاؤں :

کبھی دل میں کبھی سینے میں کبھی پہلو میں

چارہ گر کیا کہوں میں درد کہاں ہوتا ہے

ہائے بغیر تمہارے مٹی خراب ہے۔ تمہاری مفارقت نے



میری جان پر بنا دی ہے - کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوئی ؛  
 ہاں موت سامنے ہر وقت کھڑی ہے اور تقاضا ہے کہ چلو ، اب  
 دنیا کی آب و ہوا تمہارے موافق مزاج نہیں - ہائے میرے ماتم  
 کا سامان ہو رہا ہے - گلوں نے دامن صبر چاک کر ڈالا ہے -  
 صف ماتم میں جمع ہو کے بیٹھے ہیں - بلبلوں نے غزل سرائی کے  
 عوض مرثیہ خوانی آغاز کی ہے - ساقی نے شراب ارغوانی کی جگہ  
 خون ناب جگر جام بلورین میں بھرا ہے ، لخت جگر کے کباب  
 بھون رہے ہیں ؛ غنچے خون پی کر رہ گئے ، درخت مرجھا گئے ، شاخیں  
 سرنگوں ہو گئیں ، سنبل نے بال کھول دیے ، سوسن ماتم کا نوحہ  
 اڑا رہی ہے ، بید مجنوں دیوانہ ہو گیا ہے ، چنار نے منہ نوچ ڈالا  
 ہے ، ہاتھ لہولہاں ہو گئے ، سرو مارے غم کے کھڑے کا کھڑا  
 رہ گیا ، نرگس آنسو بہا رہی ہے ، گیندے کا رنگ زرد پڑ گیا ،  
 لالے کا جگر داغ دار ہے ، صنوبر خاک پر تڑپ رہا ہے ، درختوں  
 کے پتے کف افسوس ملتے میں ، باد صبا نے فرش ماتمی بچھایا ہے ،  
 پہاڑوں پر آبشاریں سر ٹکراتی ہیں ، بادل آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں -  
 قیامت تو یہ ہے کہ یہ ہنگامہ بپا ہوا ، اس قدر شور و شیون کی  
 صدائیں بلند ہوئیں مگر حضور نے کروٹ تک نہ لی ، کان پر جوں  
 تک نہ رینگی - پوچھ بھی نہ لیا کہ یہ ماتم کس کا ہے ؟ کون  
 جوانا سرگ خاک میں مل گیا ؟ بایں ہمہ میں گلہ مند نہیں ہوں ؛  
 جو کچھ لکھ گئی طغیانی قلم اور طبیعت کی بے چینی تھی ؛ تم برا نہ  
 ماننا - ہائے میری اس بے حیا زندگی پر نفرین ہے کہ بغیر تمہارے  
 زندہ رہوں - یہ بھی کوئی لطف حیات ہے ، میں اس کو موت  
 سے بد تر جانتی ہوں - خدا کے لیے ، کبریا کے لیے اب تو رحم کرو -

بیا بہ پرسش من ورنہ بعد ساعت چند

نہ من ، نہ شوق تو ، نے انتظار سی ماند



اگر یہی حالت چند روز اور رہی تو سن لینا کہ یہ سراپا حسرت  
خاک ہو گئی۔ میرا حال اس قدر متغیر ہو گیا ہے کہ شاید تم  
آ جاؤ تو پہچاننا دشوار ہوگا :

دست مڑگاں نہ سنبھالے تو نہ سنبھلے ہرگز

چشم بیمار بھی اٹھتی ہے سہارا لے کر

اے کاش! کچھ ہو مگر تم آ جاتے تو میں از سر نو زندہ  
ہو جاتی۔ اب مجھے کوئی تمنا نہیں، کوئی آرزو نہیں، بجز اس کے  
کہ خداوند عالم اپنے حبیب پاک کے تصدق میں ایک دفعہ  
تمہاری صورت دکھا دے اور خاتمہ بخیر کرے۔

تمہیں اپنے سر کی قسم دیتی ہوں کہ میرا یہ حال معلوم ہونے  
سے ہرگز رنج نہ کرنا؛ ہاں جہاں تک ممکن ہو، جلد آنے کی  
کوشش کرنا۔ ایک ایک لمحہ سالہا سال سے زائد ہے :

بیا کہ در تن مردہ رواں در آید باز

بیا کہ در دل خستہ توان در آید باز

—

بیا بیا کہ جدائی نہایتے دارد

طپیدن دل بے صبر غایتے دارد

زاشتیاق تو مردیم رحم خوش چیزست

فراق حدے وہجراں نہایتے دارد

میرے پیارے! سب باتوں کو جانے دو، اور بیمار کی عیادت  
مسنون ہے، اسی کا لحاظ کرو اور چلے آؤ۔ مسلمانوں کو ان کی  
پابندی لازمی ہے :

اے دوست پرسیدن حافظ قدمے نہ

زاں پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت



ماند ست ز بیہار فراق تو دسے چند  
 وقت ست اگر رنجہ نمائی قدمے چند  
 میں لکھنؤ میں صرف اسی غرض سے آئی ہوں اور آپ کے  
 نانا صاحب کے بلانے پر اصرار کیا ہے کہ اس حیلے سے آپ آسانی  
 سے آسکیں گے۔ اب تو کوئی عذر آپ کو نہ ہوگا اور اسی سہارے  
 پر میں ملک الموت کو دم دے رہی ہوں۔ لبوں پر جان آگئی  
 ہے مگر نکلنے نہیں دیتی :

دل بے تاب وہ آتے ہیں خبر آئی ہے

صبر کر صبر ذرا میرے مچلنے والے

خدا کرے جیسا کہ تم نے مجھے جلایا اور تڑپایا ہے ، اس  
 کا بدلہ کسی جفا کار معشوق سے تمہیں ملے :

اے خداوند یکے شوخ ستم گارش دہ

دلبر سرکش و عاشق کش و عیارش دہ

تابداند کہ چہا سی کشم از درد فراق

درد عشقش دہ و عشقش دہ و بسیارش دہ

جس میں قدر و عافیت معلوم ہو کہ اس طرح وفا شعاران ہجران  
 نصیب بے چارے مصیبت اٹھاتے ہیں۔ ہائے میں نہ کہتی تھی  
 کہ اس سودائے محبت کو دیدہ و دانستہ نہ سول لو۔ اپنی بھی  
 عافیت تنگ کرو گے ، دوسرے کی بھی جان پر بن جائے گی۔ آخر  
 میرا کہنا سامنے آیا اور یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب ہوا۔ مگر  
 تقدیری امور میں کس کو دخل ہے ! اور کیا زور :

لکھے کی کیا خبر تھی یہ کون جانتا تھا

مجنوں کے ساتھ پڑھ کر لیلیٰ خراب ہوگی

میری کیفیت مزاج اور طبیعت کا حال کچھ بیان ہی نہیں  
 ہو سکتا۔ بعض اوقات ہجر و سلاقات سب ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ ایک



وارفتگی اور بے خودی ہے کہ دنیا فراموش بلکہ خود فراموش  
ہو جاتی ہوں :

ز فراق شادمانی ز فراق غم نہ دارم

بہ غم تو آن چنانم کہ غم تو ہم ندارم

ہاں ہوس ہے تو اتنی اور آرزو ہے تو یہ کہ پروردگار مجھے  
ثابت قدم رکھنا ، اور خاتمہ بخیر کرنا ! مجھے مرنے کی پروا نہیں  
اور ذرا بھی خوف نہیں :

در مسلخ عشق جز نکو را نہ کشند

لاغر صفتان زشت خو را نہ کشند

گر عاشق صادق ز کشتن مگریز

مردار بود هر آن کہ او را نہ کشند

اور اب کیا لکھوں - افسانہ طویل ، فرصت قلیل ، طاقت طاق ،  
زیادہ اشتیاق :

در نامہ آنچه هست ز صد یک نوشته ام

بسیار دان و من بتو اندک نوشته ام

یہ رقعہ پڑھ کے میں زانا صاحب کی خدمت میں گیا اور عرض  
کیا کہ میں بھی مدت سے لکھنؤ جانے کا ارادہ کرتا تھا - وہاں کے  
اعزا سے ملنے کا مشتاق ہوں ، آپ کے ساتھ میں بھی چلوں گا -  
فرمایا ”مجھے عذر نہیں ، مگر صاحب بہادر ایسے وقت میں اگر  
اجازت دے دیں ، بڑی بات ہے -“

میں نے کہا ”آپ ہی صاحب سے سفارش کیجیے -“

چنانچہ انہوں نے صاحب سے میرے جانے کے لیے عرض کیا -  
صاحب نے کہا ”آنے والا کمپ الہ آباد پہنچ گیا ہے اور یہاں کام  
کی کثرت ہے - اس کمپو کے آتے ہی میں روانہ ہو جاؤں گا -  
ایسی حالت میں حسن شاہ کا جانا مناسب نہیں -“



میں نے کہا ” میں لکھنؤ میں چھاؤنی ڈالنے نہیں جاتا ،  
نانا صاحب کے ساتھ ہی واپس آؤں گا ۔ اگر آن کو علاج میں دیر  
ہو گئی ، میں تنہا چلا آؤں گا ؛ غرض کہ ایک ہفتے سے زیادہ نہ  
ہوں گا ۔“

صاحب نے اس بات کو سن کر اجازت دے دی مگر کہا  
” حساب دو تین دن میں پاک کر دینا چاہیے ۔“  
میں نے کہا ” اب جلدی میں کیا ہوسکتا ہے ، وہاں سے  
آ کے بہ اطمینان تصفیہ کر دوں گا ۔“

مگر صاحب نے نہ مانا اور نانا صاحب نے بھی کہا ” ایسی  
کیا بے صبری ہے ۔“

نا چار حساب کتاب میں مصروف ہوا ۔ صاحب نے اور نانا  
صاحب نے میرزائی کی تحریر کا جواب لکھ دیا کہ دو تین دن میں  
آتے ہیں ۔ خاطر جمع رکھو ۔  
میں نے بھی جواب لکھ کر قاصد کو دے دیا کہ رحم اللہ  
کو دے دینا ۔

### جواب رقعہ

ز سر بگذشت بے تو آب چشم  
یکے از سر گذشتم بے تو این ست  
دلبر دل نواز ، محبوب جاں باز ، سلامت !  
بعد سلام کے معلوم ہو ، تمہارا خط یا غم نامہ سہاجرت  
پہنچا ۔ تمہاری بیماری کا حال دریافت ہونے سے بے حد رنج و فکر  
ہوئی اور سارا زمانہ میری آنکھوں میں تاریک ہو گیا :  
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر  
کنایت است کہ از روزگار ہجراں گفت



میری جان! میرا حال اگر سنو گی افسوس کرو گی - حساب و کتاب کی وجہ سے پہلے توقف ہونا، کشتی پر سوار ہو کے روانہ ہونا دور دراز راہ تک جانا، پھر الٹا پھرنا، پھر دوسری طرف جانا تمہارا خط کنار دریا پانا، وہاں سے کانپور پلٹنا، بعد روانگی قصہ کرنا، منگ صاحب سے اچھی لکھوانا، اس کا جواب نہ آنا، پھر لکھوانا - قاصد بھجنے کا قصد کرنا، میرزائی کا خط آنا، اور تمہاری بیماری کا حال معلوم ہونا - یہ واقعات مفصل اگر بیان کروں ایک دفتر درکار ہو - تمہاری علالت سے میری جان کب کی نکلی گئی ہوتی، مگر تم نے قسمیں دلائی ہیں اس لیے میں نے صبر کیا اور سینے پر پتھر رکھ لیا - مگر دل پر جو صدمہ ہے اس کو میں ہی جان ہوں - حیران ہوں اپنا حال کس سے کہوں اور اس درد بے درماد کا علاج کیا کروں - خدا ہی اس اندوہ و غم سے نجات دے -

میری جان! تم نے اپنا حال زار اس قدر کیوں تباہ کر رکھا ہے - میں عنقریب دو ہی چار دن میں حاضر ہوتا ہوں - خدا کے لیے اپنے دل کو تسکین دو - اس طرح کاہش سے کیا حاصل - تمہاری جان نازک پر یہ صدمات میرے لیے سوہان روح ہیں - تم اطمینان رکھو، میں بہت جلد آتا ہوں، اطمینان کے لیے قاصد کو آگے سے روانہ کر دیا ہے - میں اپنا حال کچھ نہیں لکھتا، تم کو زیادہ صدمہ ہوگا :

میرس حال دل ما کہ صید غمزہ تست  
فتادہ ہمچو کبوتر بہ چنگ شاہین است

جس دن آدمی روانہ ہوا، شام کو دوسرا آدمی مع خط کے نانا صاحب کی طلب میں پہنچا - نانا صاحب نے اس کو ٹھہرا لیا کہ ہمارے ہمراہ چلنا - اور میں نے تین دن میں کاغذات تیار کر کے



نانا صاحب کو اطلاع کر دی - انہوں نے فرمایا کہ پنج شنبہ کو صبح کے وقت روانہ ہو جائیں گے -

جن لوگوں کا دینا لینا باقی تھا ، میرے لکھنؤ جانے کی خبر سن کر جمع ہو گئے - ہر چند میں نے ان کو سمجھایا مگر کسی نے نہ مانا - آخرش ان کا حساب چکانے پر آمادہ ہو گیا اور پنج شنبہ کی دوپہر تک سب کاموں سے فرصت کر لی اور نانا صاحب کے ساتھ سوار ہو کے اسی دن انڈیا میں قیام کیا اور ہفتے کی شام کو لکھنؤ میں داخل ہو گئے - نانا صاحب نے میرزائی کے آدمی سے کہا کہ محمود نگر میں مولوی الطاف الرسول کے یہاں ہم ٹھہرتے ہیں ، تم جا کر ہمارے آنے کی خبر کر دو اور سویرے آؤ - ہم تمہارے ساتھ چلیں گے -“

اس نے کہا ”میں بہت تھک گیا ہوں اور ان کا قیام یہاں سے بہت دور چھاؤنی میں ہے - میں بھی رات کی رات یہیں پڑ رہوں گا ، صبح کو آپ کے ساتھ چلوں گا -“

رات کو نانا صاحب اور مولوی صاحب کھانے پر بیٹھے - میں مولوی صاحب کے اصرار اور خاطر سے بیٹھ تو گیا مگر نوالہ حلق سے نہیں اترتا تھا اور مطلق اشتہا نہ تھی - سمجھا راستے کی تکان اور حرارت سے یہ حالت ہو گئی ؛ چنانچہ ویسے ہی آٹھ کھڑا ہوا اور پلنگ پر لیٹ رہا ، مگر رات بھر پلنگ تک نہ جھپکی - عجیب و غریب خیالات آتے تھے اور وحشت و اضطراب کا ٹھکانا ہی نہ تھا - کروٹیں بدلتا اور اشعار پڑھتا تھا:

اب کیوں شب ہجر آئی بستر پہ لٹانے کو

پہلو میں یہی بس تھا کچھ یاد دلانے کو

جب صبح ہوئی ، نماز پڑھ کر نانا صاحب جانے کو تیار

ہوئے - میں نے کہا ”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا -“



انہوں نے کہا ” اچھا چلو ، پلٹتے وقت تمہاری نانی کے یہاں ٹھہر جائیں گے۔“

چنانچہ میرزائی کا آدمی ساتھ لے کر ہم چلے۔ جس وقت اعظم جی کے مکان پر پہنچے ، میں نے دیکھا کہ ملا اور دوسرے لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں ، جیسے کہ سیوم کی مجلس ہوتی ہے۔ اعظم جی اور میرزائی دیوانوں کی طرح گریبان چاک کیے سر پر خاک اڑا رہے ہیں۔ اور سب ان کے ساتھی جمع ہیں ، مگر وہ در نایاب ، وہ یوسف ثانی ، وہ لیلایے با وفا گم' ہے۔ یہ دیکھتے ہی میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور ہوش اڑ گئے۔ آنسو تو ایک بھی نہ نکلا مگر معلوم ہوا کہ سینہ پھٹ گیا اور دل کے پر خچے اڑ گئے۔ اور نانا صاحب سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور رو پڑے۔ میرزائی نے ان کو دیکھ کر سلام کیا اور نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔ زار و قطار روتی تھی اور حال بیان کرنے لگی :

”کیا کہوں حکیم صاحب ! اس میری بنو نازو کی موت ہی تھی جو آپ کے آنے میں توقف ہوا۔ پہلا قاصد میں نے بھیجا تھا۔ جب اس کے آنے میں دیر ہوئی ، میں نے دوسرا بھیجا ، مگر ہم کو تو یہ روز سیاہ دیکھنا تھا۔ اس پری جہال پیاری کا ماتم کرنا تھا ، آپ کے آنے میں دیر لگی۔ وہ مرتے دم تک آپ کو یاد کرتی رہی۔ چنانچہ جس رات کی صبح کو اس کا کوچ تھا ، شام کو مجھ سے پوچھا ” اماں دوسرا قاصد کتنے دن ہوئے حکیم صاحب کے پاس گیا ہے ؟“ میں نے کہا ” اتوار کو گیا تھا ، یقیناً اسی دن پہنچ گیا ہوگا۔“

۱۔ انا لله وانا اليه راجعون

وہ عیادت کو مری کس وقت آئے دیکھنا  
جب کہ اذن عام میرے اقربا کہنے کو ہیں (مترجم)



اس نے کہا ”تو اس حساب سے اگر حکیم صاحب دو شنبہ کو چلتے تو منگل کو یہاں پہنچ جاتے اور اگر منگل کو چلتے چہار شنبہ کو یا آخر درجہ جمعرات کو ضرور پہنچ جانا چاہیے تھا۔ آج پنج شنبہ کی شام بھی ہو گئی مگر اب تک نہ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ منگ صاحب نے اجازت نہیں دی یا خود ان کو کام ہو گا۔ خدا معلوم کیا وجہ ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرا پیمانہ حیات لبریز ہو گیا۔ خیر خدا کی مرضی یوں ہی تھی کہ میں ہزاروں حسرت و ارمان کے ساتھ سروں۔ اس میں چارہ ہی کیا ہے“ :

کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا

ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لیے

یہ کہہ کے زار و قطار رونے لگی اور ایک آہ سرد بھر کے کہا کہ میری عمر تمام ہوئی۔ الحمد للہ خدا کی کبریائی کے صدقے، اس کے احسانات کے قربان کہ میرا پردہ فاش نہ کیا، اور ہزاروں آفتوں اور مصیبتوں سے نجات دی۔ اسی طرح بہت کچھ کہتی رہی۔ میں نے کہا ”اے بی ! تمہاری کیسی باتیں ہیں، خدا شافی مطلق ہے، جلد تم کو شفا ہو جائے گی۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ انشا اللہ حکیم صاحب جن پر تم کو اعتقاد ہے، صبح شام پہنچتے ہیں۔ اگر شاید کچھ دیر ہوئی، میں دوسرا آدمی روانہ کرتی ہوں۔ تم اس قدر گھبراؤ نہیں، بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔“

کہنے لگی ”ہاں اطمینان کی بات ہی ہے، کیونکر اطمینان نہ رکھوں، سامان ہی ایسے نظر آتے ہیں کہ شفا ہو جائے گی :

چارہ گر زندہ رہے گا تو کرے گا تدبیر

چاہیے عمر خضر میرے سنبھلنے کے لیے

اس وقت سے آخر دم تک نہایت ہوش و حواس کی باتیں اور حرکتیں کرتی رہی۔ چنانچہ اس وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے



آہستہ آہستہ کچھ پڑھا اور تکیے پر سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی رہی۔ ہم لوگوں کو ذرا تسکین ہوئی۔ چونکہ کئی راتوں سے ہم سب جاگ رہے تھے، ذرا لیٹنے کے لیے الگ چلے گئے۔

دو تین گھڑی کے بعد مجھ کو خود پکارا۔ جب میں آئی، کہنے لگی ”تم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے، شاید میرے نہ کھانے کی وجہ سے سب کے سب بھوکے رہے۔ اچھا تھوڑا شربت میرے لیے لاؤ، مجھے پیاس معلوم ہوتی ہے۔“ میں نے جلد آب کیوڑہ اور بید مشک میں حل کر کے شربت تیار کیا۔ دو چار چمچے اس نے پیے، ہم کو بہت ہی اطمینان ہوا کہ خدا کی عنایت سے آج مزاج اچھا ہے۔ پھر ہم نے بھی کھانا کھایا اور فراغت کر کے میں نے آکر دیکھا تو بے خبر سوتا پایا۔ اس سے اور بھی تسکین ہوئی کیونکہ مہینے بھر سے ذرا بھی رات کو نہ سوئی تھی۔

قریب صبح بیدار ہو کر پوچھا کہ نماز کا وقت آ گیا یا نہیں؟ سیوتی نے جواب دیا ”ہاں بی بی آ گیا۔“ ہم لوگ بھی اٹھ بیٹھے۔ اس نے تکیہ لے کر تیمم کیا اور اسی طرح تکیے پر نماز پڑھی؛ پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جو ہم نے بھی سنی۔ اس نے کہا ”خداوند! تو غفار ہے، میں سراپا گناہ اور آلودہ عصیاں ہوں۔ تو دلوں کا مالک ہے، ظاہر و باطن کا عالم و دانا۔ خوب جانتا ہے، میری نیت جو کچھ تھی اور اب تک جو کچھ ہے، ہمیشہ میں تیری درگاہ میں التجا کرتی تھی کہ میرے مقصد دلی حاصل ہوں، یا اس بلا سے جس میں گرفتار ہوں، محفوظ رکھ۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، کروڑ کروڑ احسان کہ اگرچہ خواہش دلی حاصل نہیں ہوئی، مگر مکروہ باتوں اور خلاف طبع



سورات سے مجھ کو تو نے بچایا اور میرا پردہ فاش نہ کیا۔“  
 میں اس وقت وضو کر رہی تھی۔ یہ دعا سن کر میں نے  
 دعا کا شکر کیا کہ مزاج بحال ہے۔ پھر نماز پڑھنے چلی گئی۔  
 بعد فراغت تسبیح پڑھتی ہوئی اس کے پاس گئی کہ درود  
 بریف وغیرہ دم کروں۔ رضائی منہ پر سے سرکائی تو تنفس معلوم  
 نہ ہوا۔ میں نے گھبرا کے نبض پر ہاتھ رکھا تو سختی محسوس  
 ہوئی۔ پکار کر کہا ”بی بی! اے بی بی!“ مگر کچھ جواب نہ ملا۔  
 چراغ منگا کر دیکھا تو کچھ نہ تھا، روح نکل کے جنت کو  
 سدھار چکی تھی، قالب بے جان پڑا تھا۔ میری آنکھوں میں دنیا  
 ندھیر ہو گئی۔ پھر تو قیامت برپا ہو گئی، ماتم ہونے لگا،  
 اپنے بیگانے سب زار زار روتے تھے۔ دوپہر تک غسل و کفن سے  
 فراغت کر کے جنازہ تیار ہوا۔ بعد نماز جمعہ عبدالنبی شاہ کے  
 تکیے میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہیں تکیے میں جو بہیم کے  
 اکھاڑے کے پاس ہے، اس گوہر گراں مایہ، آفتاب شرم و حیا کو  
 قبر میں چھپا دیا اور خالی ہاتھ خاک بہ سر گھر پلٹ آئے۔  
 حکیم صاحب! اس مرحومہ کی کس کس خوبی اور صفات کو  
 یاد کر کے روؤں۔ حسن و جوانی، مسکینی، غیرت، عصمت،  
 اخلاق، تمیز، نفاست، تمکنت، بردباری، وقار، شیریں کلامی،  
 قابلیت، علمیت، ذہانت، ذکاوت، محبت، استقلال، صبر،  
 ہائے کیا کیا خوبیاں خدا بخشے خانم جان! پیاری بنو!  
 تجھے اللہ نے دی تھیں۔ ہائے آنکھوں کا نور گیا، دل کا سرور  
 گیا۔ میری کمر توڑ گئی، مجھے بیکس و بے یارو مددگار چھوڑ  
 گئی۔ میری محنت سال ہا سال کی خاک میں مل گئی۔ پالی پوسی  
 جوان جہان میری بچی مجھ سے چھین لی گئی۔ ہائے اس یوسف  
 گم گشتہ کو کہاں ڈھونڈوں، کس سے پوچھوں، کون بتائے،



ایسی جگہ گئی ، جہاں کا راستہ معلوم نہیں۔ نہ کارواں ہے نہ جرس ہے ، نہ راہ ہے ، نہ پکڈنڈی۔ راہ گیر نہیں ملتے جو ان سے پوچھوں ، قاصد نہیں جو سندیسا بھیجوں۔ کیا کروں کاش مر جاؤں۔ حکیم صاحب وہ کون سی منحوس ساعت تھی جب ہم کانپور سے نکلے تھے۔ آگ لگے اس گھڑی کو۔ اس وقت کا سفر میری خانم پیاری کے لیے سفر آخرت تھا۔

کشتی پر سوار ہونے کے بعد دو تین دن تک تو کچھ بھی بیماری نہ تھی۔ ہاں چپ، سن اور مرجھائی سی ضرور تھی اور کھانا بالکل نہیں کھاتی تھی۔ ہم سمجھے کشتی کی تکان اور اس کا دوران سر، جو سب کو ہے ، اس کو بھی ہوگا ، اسی سے افسردہ ہے۔ چوتھے دن دوپہر کو اس نے استفراغ کیا ، جس میں بہت سا سفراء گرا اور فوراً بخار ہو آیا ، ساعت بساعت ترقی کرنے لگا۔

چنار گڑھ میں پہنچ کے ویسی ہی تپ موجود تھی ، جس قدر دوا کرتے تھے ، مرض میں اشتداد ہوتا جاتا تھا ؛ وہاں تین مسہل ہوئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

پھر لکھنؤ لے آئے۔ یہاں پہلے ایک حکیم صاحب سے رجوع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد حکیم میر علی کا علاج شروع کیا۔ خانم نے کہا ”کسی کا علاج مفید نہ ہوگا ، ہاں حکیم صاحب کانپور سے تشریف لائیں تو بالیقین مجھے ان کی توجہ سے شفا ہو جائے گی۔“

اس کے کہنے سے میں نے آدمی آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور حکیم میر علی کا علاج چھوڑ کے حکیم شفائی خان صاحب سے رجوع کیا۔ ہائے اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ آپ کے آنے میں توقف ہوا اور مرض اپنا کام کر چکا تھا۔ تاہم امید باقی تھی کہ آپ آئیں گے تو افاقہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے پہلے بیان کیا



کہ شب پنج شنبہ کو خود ہی حساب لگایا تھا اور مجھ سے  
 کہا کہ اب میری قضا آپہنچی ، ورنہ ممکن نہ تھا حکیم صاحب نہ  
 ۔۔۔“

ان باتوں کے بعد نانا صاحب اعظم جی کے پاس گئے ۔ میں  
 زائی کے پاس بیٹھا ہوا رونے لگا ۔ اس نے طنز سے کہا ”اے  
 حب ! میری خانہ ویرانی آپ ہی نے کی ، اب رونے دھونے سے  
 ہوتا ہے ۔“

میں نے اس کا جواب کچھ نہ دیا اور اپنے دل میں یہ  
 پڑھا :

کجا گیرم سراغ یوسف گم کردہ خود را  
 دل بے طاقتے ہمچوں جرس در کارواں دارم  
 میرزائی نے پھر کہا :

اے دل بزیر خاک طپیدن چہ فائدہ  
 بعد از ہلاک سینہ دریدن چہ فائدہ

میں وہاں سے اٹھ کے نانا صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ ان  
 دنوں نے دو تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے ، آپ اصرار  
 کے کچھ کھلا دیجیے ۔

چنانچہ انہوں نے کھانا منگوا دیا ۔ میں چپکا وہاں سے اٹھ کے  
 اللہ کو ڈھونڈنے لگا ۔ اُس نے دور سے مجھے دیکھا اور دوڑ  
 آیا ۔ میں اسی دیوار کے نیچے اس سگ لیلی سے لپٹ گیا اور  
 قدر رویا کہ قریب تھا آنکھیں جاتی رہیں ۔ وہ بھی بے قرار ہو کر  
 نے لگا ۔ پھر مجھے سمجھایا کہ اب رونے سے کیا حاصل ، جو

۱۔ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا ۔ مرتب

۲۔ اللہ رے ہو اس ، کیوں کیسی کہی ۔ (مترجم)

(فاضل مترجم کو آخر ماتم میں بھی ہنسنے کا موقع مل گیا ۔ (مرتب)



کچھ ہونا تھا ہو گیا ۔

میں نے قصد کیا کہ اس کو ساتھ لے کے مرقد جانان جاؤں ۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کے کہا ”تمہارے نانا بلا ہیں“ ناچار رک گیا ۔

رحم اللہ نے کہا ”کیا آپ نے ہماری کشتی کے پیچھے پیچھے آنے کا وعدہ کیا تھا؟“ میں نے کہا ”ہاں ۔“

اُس نے کہا ”اسی لیے خانم صاحبہ جس طرف آن کا پلنگ تہ گردا گرد پردہ کر کے بیٹھی رہتی تھیں اور پیچھے کی کھڑکی کھول کے دریا کی طرف دیکھا کرتی تھیں ۔ زعفران ہر وقت سامنے حاضر رہتی تھی ۔ وہ بار بار اس طرح پیچھے مڑ مڑ کے دیکھتی تھیں گویا کسی کا راستہ دیکھتی ہیں ۔

دو دن میرزائی اور اعظم جی کے پاس بھی نہ گئیں ۔ چپا پلنگ پر لیٹی رہتی تھیں یا دیوان حافظ اور چھوٹی بیاض جو آ سے لی تھی ، دیکھا کرتی تھیں ۔

چوتھے دن میں صبح کو سلام کرنے گیا تو دیکھا کہ نہایت ملول اور آنکھیں سرخ ہیں ، گویا رونے سے آشوب چشم ہو گیا اس دن مطلق کچھ نہ کھایا بلکہ دوپہر کو قے کی ، جس میں شہ کی غذا بھی نکل گئی ۔ سب جمع ہو گئے مگر انہوں نے کسی نے کچھ نہیں کہا ، صرف یہ کہا کہ ”اس وقت مجھ کو تنہا چھو دو ، نیند آتی ہے ، ذرا سو رہوں گی ۔“

چنانچہ سب چلے گئے ۔ زعفران تلوے سہلانے لگی اور میر ہاتھ ملنے لگا ۔ تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھولی اور مجھ سے کہہ ”رحم اللہ تو نے دیکھا کہ وہ ظالم ستم گار نہ آیا“ میں نے کہا کہ ”بے شک“ اور دل میں سمجھا سوائے آپ کے اور کس



یہ کہتی ہیں۔ انہوں نے دو تین بار یہی کلمہ کہا مگر میں نے زعفران کی وجہ سے کچھ نہ پوچھا، چپکا ہو رہا۔

غرض کہ اس وقت سے تب شروع ہوئی اور روز بہ روز بڑھنے لگی۔ آٹھ آٹھ پہر بے غذا پڑی رہتی تھیں، ضعف کی وجہ سے پہلو بدلنا دشوار تھا، ناتوانی کی حد نہ تھی۔

حسرت آئے طاقت ایام وصال جاناں  
آج مجبور ہیں کروٹ بھی بدلنے کے لیے

کبھی بڑی منت سماجت سے دو چار چمچے دال خشکہ کے کھا لیتی تھی، اس سے چار دن کے بعد بہت ہی مزاج ناساز ہو گیا۔ مجھ سے فرمایا ”تو کشتی کے عرشے پر جا بیٹھ اور دیکھتا رہ کہ کوئی چھوٹی کشتی آتی ہے جس پر چار خانے کی لنگی بندھی ہے؟ اگر دیکھنا تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔“

چنانچہ آس دن سے میں دو دو پہر کشتی کی چھت پر بیٹھا رہتا تھا اور چاروں طرف دیکھا کرتا تھا۔ اور خانم صاحبہ کی جب کشتی ٹھہرا کرتی تھی تو ضرور اس پر سے اتر کر کنارے پر آتی تھیں۔ ہر چند میرزائی وغیرہ منع کرتی تھیں مگر نہیں مانتی تھیں۔ ایک روز تین گھڑی دن رہے کشتی ٹھہری۔ مجھ سے فرمایا، ”ان درختوں سے جو کنارے پر لگے ہیں، دو تین لکڑیاں لے آ۔“ چنانچہ میں لایا۔ کہا ”ان کو آپس میں رسی سے باندھ اور کنارے پر کھڑا کر دے اور یہ کاغذ اس میں لٹکا دے۔“

پھر اللہ آباد کے قریب ایک جگہ ایسا ہی کیا۔ میں نے کہا ”پہلا خط میں نے لکڑیوں پر پایا تھا۔“ پھر آس نے کہا کہ جب چنار گڑھ پہنچے، ایک حکیم صاحب کا علاج کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ ضعف اور نقاہت زیادہ ہو گئی۔ تب خانم صاحبہ نے کہا ”مجھ کو کانپور یا لکھنؤ لے چلو تو



آرام ہو جائے گا ، یہاں کی آب و ہوا اور بھی خراب ہے ۔“  
 ہر چند کہ بی جان صاحبہ نے ہولیر صاحب کے پاس نوکری  
 کر لی تھی ، مگر خانم صاحبہ کے لیے سب گھبرا گئے تھے ، آخر  
 لکھنؤ کو روانہ ہوئے ۔ بعد چند روز کے جب کسی حکیم کا علاج  
 فائدہ مند نہ ہوا ، خانم صاحبہ کے اصرار سے کانپور آدمی بھیج  
 گیا ۔ انہوں نے مجھ کو ایک خریطہ دیا کہ آدمی کو دے دینا کہ  
 آپ کو پہنچا دے ۔ جب آپ کے پاس سے خط آیا ، میں نے خانم صاحبہ  
 کو پہنچا دیا اور وہ حالت آخری تھی ۔ اس کو دیکھ کے روئے  
 لگیں اور فرمایا کہ ان کو اپنی تابعداری کی وجہ سے آنے کا موقع  
 نہ ملا ، اب یقین ہے نہ آئیں ۔

میں نے تسکین کے لیے کہا کہ آپ خاطر جمع رکھیے ۔ جب  
 تک ان کو اطلاع نہ تھی نہ آئے ، اب تو ممکن نہیں کہ ایک لمحہ  
 بھی ٹھہر سکیں ۔

فرمایا ”معلوم نہیں کہ اس بے رحم پر کیا آفت پڑی ۔  
 اس قدر بے وفائی کی امید تو مجھے ہرگز نہ تھی کہ باوجود میرا حال  
 معلوم ہونے کے نہ آسکے ۔ کوئی ایسا سانحہ پیش آگیا کہ آنا نہ  
 ہوا ۔ شاید خانہ خراب حساب و کتاب سرکاری کے جھنجھٹ میں  
 پڑ گئے ۔ ابتدا سے اسی حساب نے سب ارادے خاک میں ملا دیے ،  
 اب بھی اسی کا سبب ہوگا ۔“

میں نے کہا ”دوسرا آدمی گیا ہے ، اس کو اس قدر توقف  
 ہوا ، اس سے امید قطعی ہے کہ ضرور آتے ہوں گے ۔“  
 یہ سن کے ایک آہ کھینچی اور کہا بھائی :

پس ازاں کہ من نہ نماں بچہ کار خواہی آمد  
 منگل ، بدھ ، جمعرات کو بہت ہی انتظار کیا ۔ جمعرات کو  
 پانی گرم کرا کے کپڑے سے تمام جسم پاک کیا اور پوشاک بدل کے



سب سے کہا ”تھوڑی دیر میرے پاس کوئی بھی نہ آئے۔“  
 سب الگ ہو گئے۔ مجھے تنہائی میں بلا کے کہا ”ایک پیالی  
 میں تھوڑا چونا گھول کے لے آ۔“

میں نے جلد تعمیل کی۔ عصر کے وقت مجھے ایک سفید  
 اغذ خریطے میں سی کے دیا اور فرمایا کہ اگر وہ ظالم بے رحم  
 حکیم صاحب کے ساتھ آئے، تو یہ بٹوہ دے دینا، اور اگر وہ  
 نہ آئیں اور مکروہات میں پھنس جائیں تو جس طرح ممکن  
 ہو ان کے پاس پہنچا دینا۔ یہ میری وصیت ہے، اس کو ضرور  
 پورا کرنا۔ یہ میری آخری خدمت ادا کرنا تجھ پر فرض ہے۔“

میں نے کہا ”میں بسر و چشم تعمیل کروں گا۔ اول تو  
 یہ خود ہی انشاء اللہ آئیں گے، اس وقت آپ کے سامنے ہی دوں گا۔  
 اگر ایسا ہی کچھ پیچ پڑ گیا کہ میر صاحب نہ آئے تو میں  
 خود کانپور پہنچا دوں گا اور خود جواب لا دوں گا۔“

یہ سن کے زار زار رونے لگیں اور کہا ”بھائی اب یہ ہونا  
 خیر ہے۔ قضا سر پر آپہنچی، مرض اپنا کام کر گیا، ملک الموت  
 کی صورت آنکھوں میں پھر رہی ہے، یہ باتیں خواب و خیال  
 سمجھنا چاہیں“ :

اجل بھی بے خبر ہے وہ بھی غافل

کوئی رکھے کسی کا آسرا کیا“

میں بھی رونے لگا اور دیر تک میں اور وہ دونوں رویا کیے۔  
 پھر میں چلا آیا۔

میں نے کہا ”کیا کہوں، ستیاناس ہو اس حساب کا۔  
 و مرتبہ اس نے مجھے روک رکھا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ  
 خیر ایسا ہونے والا ہے، اس کی کیا حقیقت تھی۔ اگر فوجیں  
 بھی مجھے روکتیں تو جان پر کھیل جاتا اور کسی نہ کسی



طرح پہنچتا - ہائے اب کیا ہو سکتا ہے - وقت ہاتھ سے جاتا رہا  
اور مجھ سے کچھ نہ ہو سکا -

ہجر میں جان گراں مایہ ہے کیا مال اے دل  
اک تصدق ہے برے وقت کے ٹلنے کے لیے

خیر اس وقت مجھے نانا صاحب بلاتے ہیں ، کل انشاء اللہ میں  
آؤں گا اور مزار جاناں پر چلوں گا -

یہ کہہ کے میں نانا صاحب کے پاس آیا - انہوں نے کہا  
”میں نے اصرار کر کے ان لوگوں کو کچھ کھانا کھلا دیا ہے -  
اب چلنا چاہیے -“

چنانچہ سب سے رخصت ہو کر باہر آئے - رحم اللہ نے وہ خریطہ  
چپکے سے مجھے دے دیا ، میں نے جیب میں رکھ لیا اور مکان پر  
آکر کھولا - دیکھا ایک سادہ کاغذ لپٹا ہوا ہے ، اس پر یہ  
دو شعر لکھے تھے :

بسیل اشک بدہ غوطہ قاصدا یک بار  
چو خواہی راز دل نامہ ام شود اظہار  
من این دو حرف نوشتم چنانکہ غیر ندانست  
تو ہم ز روئے کرامت بخوان چنانکہ تو دانی

میں اس اشارے کو سمجھ گیا اور ایک طشت پُر آب میں  
اس کاغذ کو ڈالا تو الفاظ ظاہر ہو گئے - میں نے پڑھا ، یہ مضمون  
لکھا ہوا تھا جس کو میں نے نقل بھی کر لیا :

خط میں حال دل پر آبلہ ہم نے جو لکھا  
نامہ بر پھوٹ کے روئی ہے سیاہی کیا کیا



## رقعہ آخر

تم مرتے دم نہ آئے مروت سے دور تھا  
 اُس وقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا

بلم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم  
 پس از آنکہ من نمام بچہ کار خواہی آمد

دلدار جفاکار سلامت !

بعد سلام کے معلوم ہو کہ آپ کا خط میری تسکین کا باعث  
 پہنچا۔ چشم انتظار میں نور اور دل بے تاب کو سرور حاصل ہوا۔  
 جو کچھ گلہ شکوہ مجھے آپ سے تھا، جاتا رہا، اور معلوم ہوا  
 جو کچھ ہو رہا ہے، میری قسمت کی خوبی ہے۔ مجھے آپ کے  
 انتظار میں جو آجہن ہے، اس کا اندازہ مشکل ہے۔ صبح سے  
 شام تک اور شام سے صبح تک دروازے کی طرف ٹکٹکی بندھی ہے  
 اور کان لگے ہوئے ہیں۔ کاش کوئی تو آئے کہہ دے وہ آئے  
 مگر ہائے تم نہ آئے پر نہ آئے۔ مجھے یقین کامل ہے، میری عمر  
 کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے، اب دم نکلا کہ اب دم نکلا۔ صدہا  
 بار جان ہونٹوں پر آئی مگر پلٹ گئی، صرف اس تمنا میں کہ  
 شاید مرتے دم تم آ جاؤ لیکن اب یہ تمنا بھی جاتی رہی۔ مرض  
 ہجران اپنا کام کر چکا۔ دوا ہوتی ہے، علاج کیا جاتا ہے،  
 مگر بیمار محبت کبھی اچھے ہوئے ہیں؟ یہ مرض فرقت جان ہی  
 لے کر جاتا ہے مگر اوپر والے تیار دار خاک بھی نہیں سمجھتے:  
 احباب کمی تو نہ کریں فکر دوا میں  
 اے درد میں ہوں تیری ترقی کی دعا میں  
 کسی ساعت کی سہان ہوں۔ اب تصور میں بھی اتنی قدرت



نہیں کہ تمہارے دیدار کا نقشہ کھینچ سکے :  
 خیال اجل سے تسلی کروں  
 وہ طاقت بھی جان حزیں ہو چکی

—

اسید وصل چلی جائے ہاں دل ناداں  
 قضا کے آنے کا بس انتظار باقی ہے  
 تقدیر نے کیا نیرنگ دکھایا ہے - مرتے مرتے بھی تمہاری  
 صورت نہ نظر آئی - اگر بعد میرے آئے تو کیا فائدہ ہے :  
 ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے  
 کہ ہم تو یہاں بھی اکیلے رہے  
 میں خدا کی قسم اب بھی گلہ مند نہیں ہوں اور نہ تم کو  
 کوئی الزام دیتی ہوں - یہ مہربانیاں میرے بخت نارسا کی ہیں -  
 میری تمنا ہمیشہ سے یہ تھی کہ خدایا زندگی بھر چین و آرام سے  
 تمہارے ساتھ بسر کر دے ورنہ مجھے پیوند خاک کر دے ، میرا  
 پردہ فاش نہ ہو :

یا تو قابو میں مری کاش طبیعت ہوتی  
 یا مرے پہلو میں وہ چاند سی صورت ہوتی  
 الحمد للہ ، اگر وہ نہ ہوا ، یہ تو ہوا - اس ضعیفہ گنہگار کی  
 میرے پروردگار نے سن لی تو تم پر تصدق ہوتی ہوں :  
 ما نقد عمر صرف رہ یار کردہ ایم  
 کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم  
 ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھ کو اس راہ دشوار گزار میں  
 ثابت قدم رکھا - اور بڑی جاں کاہی و سینہ زوری سے محبت کی کڑیاں  
 میں نے برداشت کیں ، ہر آفت کو بڑے استقلال سے اٹھایا :



شربت مرگ ، آب حسرت ، شور بختی ، زہر غم  
 تلخ کامی سے مجھے سب کچھ گوارا ہو گیا  
 لیکن اب سکت باقی نہیں ہے - دل چھوٹ گیا ہے ، طاقت -  
 جواب دیا ، ہمت ہار گئی - تمہاری مفارقت کا بار نہیں اٹھتا ،  
 نہیں اٹھتا :

تھک گیا درد بھی اٹھتے اٹھتے  
 اب کلیجے میں رہا جاتا ہے  
 میرے پیارے ! اگر بعد میرے مرنے کے تمہارا آنا یہاں ہو  
 تو میری قبر پر ضرور آنا ، خدا کے لیے اغماض نہ کرنا - گو تم کو  
 تودہ خاک ، حسرتوں کا ڈھیر دیکھ کے رنج ضرور ہوگا مگر آنا  
 ضرور ، لیکن ذرا سنبھلے ہوئے :

نہیں پھول تربت پہ کانٹے بچھے ہیں  
 مری قبر پر پاؤں رکھنا سنبھل کر  
 اگرچہ میری خاک سرقد اس قابل نہیں ہے کہ تمہارا غبار  
 دامن بن سکے ، مگر شان بندہ نوازی اور حق محبت کے خیال سے  
 بلا سے دور ہی سے آ کے فاتحہ پڑھ دینا :

لپٹ نہ جائے کہیں خاک میری سرقد کی  
 ذرا سمیٹ کے دامن گذر کرے کوئی  
 اس فعل سے نہ صرف میری روح ہی خوش ہوگی بلکہ تمہاری  
 وفاداری کی لوگ تعریف کریں گے :

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب  
 کشتہ غمزه خود را بہ ناز آمدہ  
 ہائے غضب وائے ستم !

ز حسرت چو خون در عدم خوردہ باشم  
 تو بر خاکم آئی و من مردہ باشم



آہ مجھے اس کی بھی امید نہیں کہ تم میرے بعد آسکو۔ میری تقدیر ایسی کہاں کہ میرا پیارا، میرا جان سے عزیز دوست میری قبر پر آئے۔ ہاں اگر جذبہ صادق اثر کرے اور میری محبت اپنے رنگ جہائے تو کیا عجب ہے کہ :

کششے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدیساں

بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

دیکھو یہ میری وصیت سمجھو کہ اگر تم میرے بعد آنا تو اپنا حال بے حال نہ کرنا۔ اور میری جان کی قسم، میرے سر کی قسم، ہرگز رنج نہ کرنا۔ کوئی حرکت دیوانگی و بے تابی کی نہ کر بیٹھنا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں، بجز اس کے بے وجہ اپنی طبیعت کو خراب کرو اور ناحق کے صدمات اٹھاؤ۔ صبر سے بہتر کوئی علاج نہیں ہے۔ جس قدر استقلال سے کام لو گے اور تحمل کرو گے، تمہارے حق میں مفید ہے اور نیز میری روح کو ثواب پہنچے گا۔ دنیا کے رنگ ہی یہ ہیں خدائی کارخانے میں کس کو دخل ہے؟

مرے ماتم میں وہ آئیں تو کہنا

کریں غم آپ کے دشمن کسی کا

تم کو خدا سلامت رکھے۔ تم سے مجھے توقع ہے کہ فاتحہ اور ایصال ثواب سے مجھے محروم نہ رکھو گے۔ میرے گناہوں کا بار مجھے کچلے ڈالتا ہے، تمہاری وجہ سے کچھ تو تخفیف عذاب ہوگی :

ہمینم ویت پس کہ در روز محشر

شاری تو از زمرہ کشتگانم

یہ بہت صاف بات ہے کہ کسی عورت کو موت آنا ایک بڑی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس دنیا میں جس طرح وہ مستور سمجھی



گئی ہے ، جلد مرنے میں اس کی پردہ پوشی بھی متصور ہے ۔ اور اس صورت میں رنج و غم عبث ہے ، بلکہ میں تو تمہارے لیے ایک خوشی کی بات خیال کرتی ہوں اس لیے کہ پابندی سے آزادی ہمیشہ قابل قدر ہوا کرتی ہے ، جس کی تمہیں فکر کرنا چاہیے :

میرا مرنا آن کے گھر شادی ہوئی

خون کے چھاپے لگے دیوار میں

تم کو شاید کچھ انفعال ہو کہ عین وقت پر نہ آیا ۔ اس کا خیال بھی نہ کرنا چاہیے ، کیونکہ خدا کی مرضی یوں ہی تھی ، اور جب کہ انسان ایسی باتوں میں مجبور محض ہے تو نہ تم کو منفعل ہونا چاہیے ، نہ مجھے گلہ مند :

لب پر مرے کچھ شکوہ بے داد نہیں ہے

گذرا ہے جو مجھ پر وہ ذرا یاد نہیں ہے

میں سچ کہتی ہوں کہ ذرا بھی تمہارا قصور نہیں سمجھتی اور رتی برابر تم سے رنجیدہ نہیں ہوں ۔ میں تو یہاں تک حاضر ہوں :

بروز حشر گر پرسند خسرو را چرا کشتی

چہ خواہی گفت قربانت شوم تامن ہا گویم

ہاں آرزو ہے تو یہ کہ وہاں تم سے جی کھول کے ملوں

اور خاک میں ملی ہوئی ارمانیں پوری ہوں :

عوض حور خدا سے تجھے دلبر مانگوں

خلد دینے لگے مجھ کو تو ترا گھر مانگوں

ہائے کیا مزہ ہو اس وقت جب کہ :

عرصہ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو

اور پھرو ڈھونڈتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو

اب دنیا میں اگر آرزو باقی ہے تو یہ کہ تم کو ایک بار مرتے

دم دیکھ لوں ۔ اور یہ نہ ہو تو تم میری خاک پر ایک بار ہو جاؤ



تا کہ میری پیٹھ قبر میں لگے :

قبر پر بعد فنا آئیے گا

چار آنسو ہی بہا جائیے گا

خون بہائے من ہمیں باشد کہ از خونم کشند

بر سر لوح مزارم نام محبوب مرا

میرے وفا پرور دوست! اگر مجھ سے تم کو کچھ محبت ہے تو

میری یہ بات مانو بلکہ وصیت سمجھو کہ غم بے وجہ اور

ریخ فضول کے عوض اپنی یہ عادت کر لو کہ جب دسترخوان پر

بیٹھا کرو، تھوڑا سا کھانا محتاج کو دے دیا کرو اور ایک قطرہ

پانی زمین پر چھڑک دیا کرو۔ اس ترکیب سے مجھے بھی ثواب

پہنچے گا اور تم ہمیشہ مجھے یاد رکھو گے :

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بیاد آر حریفان بادہ پیمایا را

یہ خط اب میں تمام کرتی ہوں۔ اگر میری زندگی باقی ہے

تو پھر ملیں گے اور چین کریں گے، ورنہ خدا حافظ۔ تم کو اللہ

کو سونپا ہم تو چلے :

وا ماندوں پہ دیکھیے کیا ہو

اپنا تو نباہ کر گئے ہم

سر جدا کرد از تم شوخے کہ بامایار بود

قصہ کوتہ شد وگرنہ درد سر بسیار بود

زیادہ بس باقی ہوس۔“

رقعے کو دیکھ کے میں بہت رویا۔ چونکہ مرنا جینا اختیاری

بات نہیں ہے، ورنہ شدت غم سے دم نکلا جاتا تھا اور روح قالب



میں تڑپتی تھی ، ساری رات بری طرح گزری ۔  
 صبح کو نانا صاحب قبلہ محمود نگر سے آئے ، مجھ کو بھی  
 راستے میں نانی صاحبہ کے مکان سے ساتھ لے لیا ۔ جب اعظم جی  
 کے مکان پر پہنچے ، میرزائی پھر مرحومہ کی باتیں کرنے لگی ۔ میں  
 پیشاب کے بہانے سے باہر آیا اور رحم اللہ کو ساتھ لے کے قبرستان  
 میں گیا ۔ اس نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا :

وہ خاک اڑتی ہے وہ ہے مجمع یاس

وہی ہے دیکھ لو مدفن کسی کا

میں نے پہلے فاتحہ اور دعائے مغفرت بہت ہی دل پر جبر  
 کر کے پڑھی ۔ جب فارغ ہوا ، دل امنڈ آیا اور ضبط نہ ہو سکا ۔  
 بے اختیار قبر سے لپٹ کے زور زور سے رونے لگا ۔ اور بسمل کی طرح  
 لوٹتا تھا کہ کسی طرح میری روح قالب سے نکل جائے :

بہت رویا وفائیں یاد کر کے

ستم گر دیکھ کے مدفن کسی کا

دو مرتبہ اپنے سر کو زمین پر دے پٹکا ۔ رحم اللہ ہر چند  
 منع کرتا رہا مگر میرا قلق کم نہ ہوتا تھا ۔ تیسری بار پھر میں گرا  
 اور لوٹتا ہوا چلا گیا ۔ وہاں ایک غار دس بارہ گز گہرا تھا :  
 نصف دھڑ میرا اس میں جا رہا ہے ، مگر اس کے کنارے خود رو  
 درخت اور گھاس بہ کثرت تھی جس میں الجھ کے رہ گیا ۔ رحم اللہ  
 نے یہ حال دیکھ کر غل مچایا اور تکیہ دار فقیر دوڑا آیا ۔

دونوں نے مجھے بڑی مشکل سے اوپر کھینچا ۔ اس کشمکش  
 میں ایک جوتا بھی میرا غار میں جاتا رہا ۔

رحم اللہ میرے پاؤں پر گر پڑا کہ خدا را ایسی حرکتیں  
 نہ کیجیے ۔ اس میں میرے لیے بھی ضرر ہے ، آپ بھی سخت  
 بدنام ہوں گے مگر فائدہ خاک بھی نہیں ۔ چونکہ میری کمر اور



کولھے میں سخت صدمہ پہنچا تھا ، بالکل تھک گیا تھا اور سست ہو کے قبر پر سر رکھ کے وہیں پڑا رہا ۔ رحم اللہ کمر اور کولھا ملنے لگا ۔ میں نے اس سے کہا ”بھائی میں مر جاتا تو بہتر تھا ، اب لطف زندگی باقی نہ رہا ۔ ہائے ایسا وفادار پیارا معشوق جب دنیا میں نہ رہے ، پھر ایسی حیات پر نفرین اور ایسے جینے پر تف ہے :

### ترجیع بند نوحہ 'مومن ہدیہ' مترجم

یہ گلستاں سرائے تماشا نہیں رہا  
 وہ نو بہار گلشن دنیا نہیں رہا  
 افسوس کوئی پردہ نشیں پردہ در نہیں  
 وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا  
 اے چرخ چاہنے سے رہے مہر و ماہ کو  
 کیا چاہیں روزگار تمنا نہیں رہا  
 کس کو گلے لگائیے اے شوق ہم کنار  
 وہ خوش گلوے سینہ مصفا نہیں رہا  
 اپنی خرابیوں کو کہاں جا کے روئیے  
 وہ شمع روے انجمن آرا نہیں رہا  
 حیف اپنی تلخ کامی و شوریدہ طالعی  
 جس سے کہ زندگی کا مزا تھا ، نہیں رہا  
 کس سے نباھیے کہ سوائے وفات کے  
 دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا



اب کس کو دیکھیے کہ کسی کو نہ دیکھیے  
 وہ پردہ سوز چشم تماشا نہیں رہا  
 ہر دم جبین آئینہ آلودہ نم سے تھی  
 یہ آب و تاب حسن اسی مہ کے دم سے تھے

سدفن بنے زمین چمن وامصیبتا  
 معدوم ہو وہ غنچہ دھن وا مصیبتا  
 جس نازیں صنم پہ گراں تھا حریر چین  
 اس کا غلاف کعبہ کفن وامصیبتا  
 دے منکر و نکیر کو ناچار وہ جواب  
 جو حور سے کرے نہ سخن وامصیبتا  
 جس کو شکستن دل عاشق عذاب ہو  
 و، اور جاں کنی کا محن وا مصیبتا  
 جو عرض مہر سایہ مہ سے ہو سرنگوں  
 اس پر جفائے چرخ کہن وامصیبتا  
 تشبیہ آئینہ سے جو ہوتا تھا آب آب  
 مل جائے خاک میں وہ بدن وامصیبتا  
 دیتے تھے حور و ش بھی جس آرام جاں پہ جاں  
 اس کا غم ہلاک شدن وامصیبتا  
 جھوسر دھرے سے ٹوٹتے تھے جسکے ہاتھ پاؤں  
 وہ زیر بار تاب و شکن وامصیبتا  
 پھولوں کو جس کی بونے ملایا تھا خاک میں  
 ہے اس کی خاک وقت سمن وامصیبتا  
 کیا اعتبار دھر کا عبرت کی جائے ہے  
 عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرائے ہے



”رحم اللہ تو ہی بتا ، جب ایسا پیارا مہ جہاں رشک پر دلبربا میری جدائی میں مر جائے ، پھر حیف ہے کہ میں زندہ رہوں اور دوسری عورتوں سے ملتف ہوں۔ مجھ سے تو کبھی نہ ہوگا۔ میں یقین ہے زہر کھا کے مر جاؤں گا اب زندہ رہ کے کیا کروں گا۔ اگرچہ خود کشی فعل حر ہے مگر کیا کروں ، اس کے سوا مفر ہی نہیں نظر آتا ، لینا کہ میں نے جو کہا تھا ، وہی کر گذرا۔“

دل ناکام تک تھیں سب امیدیں

وہی جب مٹ گیا تو پھر رہا کیا

اس نے کہا ”ایسے حرکات بالکل نازیبا ہیں۔ کوئی عقل مند اس کو ہرگز پسند نہ کرے گا۔ کیا ان باتوں سے خانم صاحبہ زندہ ہو جائے گی؟ یہ امید ہوتی تو جو کچھ کرتے سزا وار تھا۔ اب تو صبر ہی ہر حال میں اولیٰ معلوم ہوتا ہے ، آئندہ آپ جانیے رحم اللہ مالش کرتا جاتا تھا ، جس سے مجھے آرام معلوم ہوتا تھا نیند آگئی۔

میں نے دیکھا کہ مرحومہ غسل کیے ہوئے ، سفید کھیس اوڑھے ، ایک تخت پر بیٹھی ہے۔ بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے اور میں اس کے سامنے زمین پر سرنگوں پڑا ہوں۔ میرا سر اٹھا کے یہ شعر فرمایا :

۱۔ مجھے تحقیق معلوم ہے کہ حسن شاہ بعد اس واقعے کے مدت تک بصیغہ حیات رہے اور شادی بھی کی اور اولاد بھی ہوئی جو اب تک لکھنؤ میں موجود ہے۔ (مترجم)

مصنف نے خاتمہ کلام میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے اس قسم کا کوئی عہد کیا تھا۔ یہ محض وقتی جوش تھا۔ (مرتب)



پا نہادی بسر تربت من بعد از قتل  
 مشت خاک بہ چنیں لطف سزا وار نبود  
 میں نے اس کی بلائیں لے کے کہا کہ ہم نے سنا تھا کہ تم  
 ہو، مگر میں تم کو اچھا خاصا دیکھتا ہوں، شاید یہ  
 بازی میری طلبی کے واسطے تھی کہ حکیم صاحب کے ساتھ  
 گا۔

اس نے جواب دیا کہ میں بیمار تو بے شک تھی اور بہت  
 ت عارضہ تھا۔ جینے کی توقع تک نہ تھی مگر جب سے تم  
 آئے، اچھی ہوں مگر تمہاری یہ حرکتیں مجھے بہت ہی نا پسند  
 تے۔ تم عقل مند ہو کے اس قسم کے ابلہانہ اور عامیانہ ارادے  
 کرتے ہو، بڑے شرم کی بات ہے۔

میں نے کہا ”کیا کروں۔ میں یہاں آیا تو کسی کم بخت  
 کہہ دیا کہ تمہارے دشمن انتقال کر گئے، جس سے مجھے  
 سیمگی ہوگئی اور چاہتا تھا کہ ہلاک ہو جاؤں۔“

فرمایا ”اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے، تاہم میں نے تم کو  
 دی تھی، اس کو بھی بھول گئے؟ حالانکہ جو کچھ تم  
 سنا ہے غلط سنا ہے۔ میں مری تو نہیں، اچھی خاصی ہوں۔  
 تم میرے سر کی قسم کھاؤ کہ آئندہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا،  
 میں تم کو اپنے حقوق نہ بخشوں گی اور حشر میں دامن گیر  
 ہوں گی۔ اچھا اب جائیے میں کپڑے پہنوں گی۔“

میں کچھ کہنے ہی کو تھا کہ رحم اللہ کو چھینک آئی،  
 کی آواز سے چونک پڑا اور آنسو پونچھتا ہوا اٹھا۔ فاتحہ پڑھ  
 وہاں سے چلا۔

راستے میں رحم اللہ سے خواب کا حال بیان کیا۔ اس نے کہا  
 کسی کے سمجھانے بچھانے کی کیا ضرورت ہے، خانم صاحبہ نے



خود ہی آپ کو جتا دیا ہے۔“

میں نے بھی دل میں خیال کیا کہ افعال اضطراری سے ک  
حاصل ، جس طرح ہو سکے صبر کرنا چاہیے۔

یہی ارادہ مستقل کر کے اعظم جی کے مکان پر پہنچا۔ راستے  
میں دس روپے رحم اللہ کو دیے اور اُس سے کہا کہ تیرے والدین  
رضا مند ہوں تو میرے ساتھ چل ، ورنہ جس وقت تیرا جی چاہے  
میرے پاس آ جانا۔ میں ہمیشہ تیری خدمت سے باہر نہ ہوں گا  
تو میرا اور مرحومہ کا راز دار ہے ، مجھے تیری خاطر داری  
لازم ہے :

مرا عہدِ یست با جاناں کہ تاجاں در بدن دارم  
ہواداران کوشش را چو جان خویشتن دارم  
نانا صاحب نے مجھ سے کہا ”اب چلنا چاہیے“۔

چنانچہ ان سبھوں کی تسکین و تشفی کر کے نانا صاحب  
وہاں سے چلے ، میں بھی ساتھ ہولیا۔ چار پانچ دن کے بعد  
لکھنؤ سے کانپور روانہ ہوئے۔

یہاں پہنچ کے منگ صاحب نے یہ حال سنا تو بہت ہی  
افسوس کیا۔ میں نے اُس کی وصیت کے موافق کھانے اور پانی کا  
معمول کر لیا۔ واقعی بہت ہی عمدہ وصیت ہے۔ خواہی  
نخواہی ہر روز دو تین بار یاد آ جاتی ہے اور کسی طرح فراموش  
نہیں ہوتی۔ اسی زمانے میں میں نے ایک قطعہ تاریخ آن کی وفات  
کا لکھا تھا جو یہاں نقل کرتا ہوں :



## قطعه

خاتم زہرہ جبین چونکہ ز اوج بقا  
 آہ بہ حسن شباب ، شد بہ حسیض فنا  
 کرد حسن سال وفاتش طلب  
 ہاتف غیبی چو شنید این ندا  
 داد ندا باصد تعب و افسوس  
 ”آہ فنا شد صنمے با وفا“

- ۱۔ ایک شعر کی بحر دو شعروں سے علیحدہ ہے ، اس کی اصلاح کا  
 مترجم کے ذمے نہیں - (مترجم)  
 فاضل مترجم نے تو اعتراض کا بار اپنے ذمے لیا ہے ، وہ اصلاح کے  
 تحمل کہاں ہو سکتے ہیں - (مرتب)



## خاتمہ

ہر چہ ا رتبہ عشق بالا تر از آن است کہ بہ قوت عقل و فہم  
و بیان پیرامون سراپردہ جلالت او توان گشت یا بدید  
کشف و عیان بہ جہال حقیقت آن نظر توان کرد ، چنانچہ حضرت  
مولانا روم قدس سرہ می فرمایند :

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان  
چوں بہ عشق آیم خجل باشم از آن  
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت  
عقل در شرحش چو خر در گل بہ خفت  
چوں سخن در وصف این حالت رسید  
ہم قلم بشکت و ہم کاغذ درید  
شاد باش اے عشق خوش سوداے ما  
اے طیب جملہ علت ہاے ما

۱- (ترجمہ) ہر چند عشق کا رتبہ عقل و فہم کی طاقت سے بالا  
ہے اور اس کے بیان کی تاب لانا آسان نہیں - حسن کی حقیقتوں تک رسائی  
ہونا ہر آنکھ کے بس میں نہیں کہ اس کی نقاب کشائی کر سکے اور  
جلال و جہال کو سمجھ سکے یا ظاہر کر سکے ، جیسا کہ حضرت مولانا روم  
قدس سرہ فرماتے ہیں :

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان  
چوں بہ عشق آیم خجل باشم از آن  
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت  
عقل در شرحش چو خر در گل بہ خفت  
چوں سخن در وصف این حالت رسید  
ہم قلم بہ شکست و ہم کاغذ درید  
شاد باش اے عشق خوش سوداے ما  
اے طیب جملہ علت ہاے ما



عشق در تنق عزت محتجب است و بکمال استغنا منتشر ، حجت  
 ات او صفات اوست ، صفاتش مندرج در ذات او ، عاشق جمال  
 و جلال اوست و جمال مندمج در جلال او علی الدوام - خود با خود  
 عشق بازو و بر نفس از راه عاشقی نغمہ آغاز :  
 عشق است آنکہ در دو جہاں جلوہ می کند

گہہ از لباس شاہ گہہ از کسوت گدا

یہ دانست کہ غرض از عشق چاشنی درد و غم چشیدن است  
 ترفتہ و نیم نفس و ہوا و وزیان ، و ہر آنکہ حظ نفسانی را با فیض  
 روحانی گویند از محبت عشق و عاشقی بیرون اند - این مشیت خاک  
 چہ یارا کہ کلمہ از عشق ورزی تحریر نماید و یا حرفے از  
 محبت نوردی تقریر کند ، چنانکہ گفت :

عشق کی شان حجاب میں ہے اور انتہائی چہان بین اور تلاش سے ہی  
 پتا چلتا ہے کہ یہ اسی (خدا نے واحد) کی یکتا ذات و صفات کی شان کا  
 اظہار ہے - اسی کے مسلم اوصاف عشق و حسن میں عیاں ہیں ، ہر شخص  
 اسی کی ذات کے جمال و جلال کا عاشق ہوتا ہے - اس کا جمال قائم اور  
 جلال دائم ہے - عشق زبان حال سے اپنے کمال کا خود نغمہ خواں ہے :

عشق است آنکہ در دو جہاں جلوہ می کند

گہہ از لباس شاہ گہہ از کسوت گدا

واضع ہو کہ عشق کی غایت درد و غم کی لذت سے آشنا ہونا ہے ،  
 کہ نفسانی خواہشات اور ہوس پرستی کا دم بھرنا - لذت نفس کی جگہ  
 فیض روحانی کا حصول عشق حقیقی کا مقصود ہے اور محبت کی اصلی منشا یہی  
 ہے - انسان مٹھی بھر خاک ہے ، اس میں یہ طاقت و ہمت کہاں کہ  
 راز عشق کی حقیقتوں کو آشکارا کرسکے اور محبت کی اصلی کیفیت کے بارے  
 میں ایک حرف بھی ادا کرسکے جیسا کہ کہا گیا ہے :



قلم از قصهٔ عشق ار بنویسد همه عمر

عمر آخر شود و قصه به پایاں نہ رسد

ازاں جا کہ این سانحۂ حیرت افزا از وفا نمودن مطلوبے سراسر  
صفا و محبوبے سراپا وفا بود لہذا بہ قول قائلے :

سر گزشت عہد گل را از نظیری بشنوید

عندلیب آشفته سر می گوید این افسانہ را

حرفے چند از بدو طفولیت لغایت سنہ یک ہزار و دو صد و پنج

ہجری از خاطر پر درد بہ تحریر در آورد و نظر بر عبارت مسجع و  
مقفی نہ کرد ، چنانچہ نظیری گوید :

از عتاب و لطف می نالند مشتاقان عشق

بلبلان را بانوا کارست با مضمون چہ کار

قلم از قصهٔ عشق ار بنویسد همه عمر

عمر آخر شود و قصہ بہ پایاں نہ رسد

اس حیرت انگیز سانحے سے مطلوب کی وفا پرستی اور محبوب کی  
پاک بازی کا بیان مقصود ہے ، جس نے راہ وفا میں جان دی ، بقولے :

سر گزشت عہد گل را از نظیری بشنوید

عندلیب آشفته سر می گوید این افسانہ را

اس داستان میں عہد طفلی سے لے کر ۱۲۰۵ھ کی آپ بیتی ضبط تحریر  
میں لائی گئی ہے اور بیان میں مسجع و مقفی عبارت آرائی سے کام نہیں  
لیا گیا ہے ، بہ قول نظیری :

از عتاب و لطف می نالند مشتاقان عشق

بلبلان را بانوا کارست با مضمون چہ کار

اس درد ناک کہانی کا نام ”افسانہ رنگین“ قرار پایا اور تاریخ تصنیف

تعمیہ کے ساتھ مندرجہ ذیل قطعے سے نکالی گئی :



موسوم شد به افسانه رنگین - چنانکه این قطعه به تعمیه در تاریخ  
سال اختتام این حکایت پر درد به تحریر در آورد :

### قطعه

حسن چون کرد این افسانه را ختم  
ز هاتف خواست سال آن زمانه  
به رسم تعمیه وے از سر شکر  
بگفتا شد عجب رنگین فسانه

الحمد لله على ذالك

حدیث عشق شد زیب پیام  
چو شمع افتاد آتش در زبانه  
قلم از جوش این می شد سیه مست  
که من عشقے به هر جا عاشقی هست

به درگاه کریم و کار ساز مسئلت چنان دارد ، چنانچه گفت نسیم :

حسن چون کرد این افسانه را ختم  
ز هاتف خواست سال آن زمانه  
به رسم تعمیه وے از سر شکر  
بگفتا شد عجب رنگین فسانه

$$۳۰۰ + ۹۰۵ = ۱۲۰۵$$

الحمد لله على ذالك

حدیث عشق شد زیب پیام  
چو شمع افتاد آتش در زبانه  
قلم از جوش این می شد سیه مست  
که من عشقے به هر جا عاشقی هست

بنده خداوند کریم کی بار گاه میں دست به دعا ہے :



اللہی در جہاں حسن قبولی دہ بیانم را

چو مے لبریز کن شیرین دہانی دہ دہانم را

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند

کہ ہستی را نمی بینم بقائے

هر کہ خواند دعا طمع دارم

زانکہ من بندہ گنہ گارم

واللہ المستعان علی ما تصفون :

اللہی بہ حق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایہاں کنی خاتمہ

اللہی در جہاں حسن قبولی دہ بیانم را

چو مے لب ریز کن شیرین دہانی دہ دہانم را

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند

کہ ہستی را نمی بینم بقائے

هر کہ خواند دعا طمع دام

زان کہ من بندہ گنہ گارم

واللہ المستعان علی ما تصفون -

اللہی بہ حق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم در کنی ور قبول

من و دست و دامان آل رسول



اگر دعوتِ ردِ کئی ور قبول  
من و دست و دامان آل رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

تمام شد

فاضل مترجم نے خاتمے کی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا اور مندرجہ ذیل  
نوٹ لکھا ہے :  
"خاتمے کی عبارت اصل ہی لکھ دینا مناسب معلوم ہوا، ترجمہ بے لطف  
ہو جاتا۔ (مترجم)۔"  
میں نے خاتمے کی اصل عبارت اور ترجمہ دونوں شامل کر دیے ہیں  
(مرتب)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ